یا تو اپنے پاس تھے یا وہ قریب اوروں کے ہیں
نو نصیب آگے تھے اپنے وہ نصیب اروں کے ہیں

دردمندان محبت کا معالج کون ہے
حضرت لقمان بھی گر ہیں وہ طبیب اوروں کے ہیں

عشق کی تعلیم ہے ہم کو جنوں کی تربیت
عقل سے کہہ دو کہ حضرت آپ اوروں کے ہیں

تیرے نالے وہ بلا جانکاہ ہیں اے گل تو کیا
کرتے یہ دل میں اثر عندلیب اوروں کے ہیں

ایسے بخت اپنے کہاں آئے ہمارے گھر وہ ماہ
اے ظفر اس امر میں طالع عجیب اوروں کے ہیں

تھے کے ہم راہ محبت میں جہاں بیٹھے ہیں
اور واں ہم سے بہت راہ رواں بیٹھے ہیں

نشہ غفلت کا ہے اتنا کہ نہیں سوجھتا کچھ
آئے کس جائے سے ہم اور کہاں بیٹھے ہیں

ساقیا شیشہ و ساغر ہے کہاں لاجلدی
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بادہ کشاں بیٹھے ہیں

اک قدم ضعف سے ہم اٹھ کہ نہیں جا سکتے
صورت نقش قدم جم کے جہاں بیٹھے ہیں

یاں رہا نام و نشاں کس کا بہت سے نامی
اپنا کھیڑے میں لے نام و نشان بیٹھے ہیں

پاس آداب سے کیونکر نہ رہے شمع کھڑی
کہ تری بزم میں ہم سوختہ جاں بیٹھے ہیں

استقامت کی نہیں جا ہے یہ منزل کہ یہاں
سارے برداشتہ دل پیر و جواں بیٹھے ہیں

اٹھے حیرت زدہ اس بزم سے کیا جوں تصویر
جہاں ان کو بٹھایا ہے وہاں بیٹھے ہیں

اے ظفر بارش گریہ ترا کیا طوفاں ہے
آج اس کوچ کتنے ہی مکاں بیٹھے ہیں

مدبیر کو سو طرح کی تدبیر سے بدلوں
تصویر کو کس طرح سے تقدیر سے بدلوں

ہاتھ آئے جو تصویر تری عالم تصویر
میں حضرت یوسف کی نہ تصویر سے بدلوں

زہر اب محبت میں حلاوت ہے کچھ ایسی
میں اس کو نہ ہرگز شکر و شیر سے بدلوں

ہماری ہجراں سے اب اتنی نہیں طاقت
بستر پہ جو کروٹ کسی تدبیر سے بدلوں

آنکھوں میں جو ہے کحل جواہر ہے مری خاک
میں خاک در یار نہ اکسیر سے بدلوں

انجم سے مرے داغ سوا ہیں جو کہو تو
اس بات پہ شرط اک فلک پیر سے بدلوں

تنگ آیا ہوں میں گھر میں یہ تحسین کی بجا ہے
اس گھر کو اگر خانہ زنجیر سے بدلوں

گر آب بقا بھی میرے ہاتھ آئے تو اے خضر
میں اس کو نہ آب دم شمشیر سے بدلوں

واشد ہے نہیں دل کو ظفر آہ جو بس ہو
اس غنچہ کو میں غنچے تصویر سے بدلوں

رات دن تیرا تصور ہے خیال اور نہیں
کہ سوا اس کے محبت کا کمال اور نہیں

آپ میں ڈھونڈ اسے اور کہاں ڈھونڈھتا ہے
کہ بجز تیرے کہیں جائے وصال اور نہیں

گل میں کیا شعلہ میں کیا ماہ میں کیا مہریں میں
سب میں ہے نور وہی نور جمال اور نہیں

مجھ میں تو رہتا ہے اور مجھ سے چھپا رہتا ہے
ہے یہی رنج مجھے رنج و ملال اور نہیں

دل انسان کے آئینے میں دیکھ اس کو ظفر
کہ نظیر اس کا نہیں اس کا مثال اور نہیں

صنم اور ہم بہم سرمست جب محفل میں ہوتے ہیں
زباں پر وہی آتے ہیں سخن جومیں ہوتے ہیں

ترے روئے مصفا سے اسے تشبیہ دو کیوں کر
کہ شب معلوم دھبے سے مہ کامل میں ہوتے ہیں

ہوس آتی ہے جس دم پائے قاتل پر تڑپنے کی
تو کیا کیا جوش پیدا اس دل بسمل میں ہوتے ہیں

ابھی اس منزل الفات کے طے کرنے میں تھک بیٹھا
دلا چل دیکھ کیا کیا رنج اس منزل میں ہوتے ہیں

الٰہی خیر کیجو میرے قاصد کی کہ سنتا ہوں
ہزاروں خون ناحق کوچہ قاتل میں ہوتے ہیں

کوئی شور جنوں ہوتا ہے سب سے اس سے ہوتا ہے
ازل سے دلوبے یہ جتنے آب و گل میں ہوتے ہیں

برا تو مانتے ہیں اے ظفر وہ میری باتوں سے
ولے جب سوچتے ہیں خوب قائل دل میں ہوتے ہیں

صوفیوں میں ہوں نہ رندوں میں نہ میخواروں میں ہوں
اے بتو بندہ خدا کا ہوں گنہ گار میں ہوں

میری ملت ہے محبت میرا مذہب عشق ہے
خواہ ہوں میں کافروں میں خواہ دینداروں میں ہوں

صفحہ عالم پہ مانند نگیں مثل قلم
یا سیہ رویوں میں ہوں میں یا سیہ کاروں میں ہوں

نے چڑھوں سر پر کسی کی اور نہ میں پاؤں پڑوں
اس چمن کے نے گلوں میں ہوں نہ میں خاروں میں ہوں

صورت تصویر ہے کش سے کدہ میں دہر کے
کچھ نہ مدہوشوں میں میں ہوں اور نہ ہشیاروں میں ہوں

نے مرا مونس ہے کوئی اور نہ کوئی غمگسار
ہم مرا غمخوار ہے میں غم کے غم خواروں میں ہوں

جو مجھے لیتا ہے پھر وہ پھیر دیتا ہے مجھے
میں عجب اک جنس ناکارہ خریداروں میں ہوں

خانہ صیاد میں ہوں طائر تصویر دار
پر نہ آزادوں میں ہوں نے اور گرفتاروں میں ہوں

اے ظفر میں کیا بتاؤں تجھ سے جو کچھ ہوں سو ہوں
لیکن اپنے فخر دیں کے کفش برداروں میں ہوں

میاں لیلیٰ وشوں کے عشق میں دیوانے ایسے ہیں
کجھے پیچ ہے مجنوں کو وہ مستانے ایسے ہیں

جوان کے نیش زن پلکوں کے ہیں سوراخ سینے میں
کہو تو خانہ زنبور میں کب خانے ایسے ہیں

صفا دنداں لب رنگیں کہوں کیا وصف میں اس کا
نگین لعل ایسے موتیوں کے دانے ایسے ہیں

سنواریں پنجہ مژگاں ہمارے اس کی زلفوں کو
خدا کی شان یہ ہے آہوئی ایسے ہیں

برا ہوں سخت جانی کا کہ آرے سر پہ چلتے ہیں
دم شمشیر قاتل پر دندانے ایسے ہیں

صراحی دار جو گردن ہے اس کی اور لب میگوں
نہ شیشے ہم نے دیکھیں ہیں گے نہ پیمانے ایسے ہیں

ظفر کی داستان غم کو وہ سن سن کر کہتا ہے
رہو چپ بس سنے ہم نے بہت افسانے ایسے ہیں

مرشد پاک رواں فخر الدیں   قبلہ و کعبہ جہاں فخر الدیں
اک جہاں فخر جہاں کہتا ہے   پر ہے فخر دو جہاں فخر الدیں
میں گدا ہوں ترے دروازے کا   جاؤں اس در سے کہاں فخر الدیں
موجزن ہے ترا دریائے کرم   از کراں بکراں فخر الدیں
ہے مدد تیری توانائی بخش   میں ہوں بے تاب و تواں فخر الدیں
کیا کروں عرض عیاں ہے تم پر   میرا سب راز نہاں فخر الدیں

رکھ ظفر ہر نفس و ساعت
شغل دل درد زباں فخرالدیں

جیبہ جیبہ مہ جبیں اچھے جو دل پردہ سے ہیں   ہم سے کچھ چیں بر جبیں رہتے ہیں آزردہ سے ہیں
منہ بنائے تو مزہ اے غنچہ لب بہر خدا   دیکھ کر ہم خون گل شب ماندہ پژ مردہ سے ہیں
اپنے ہاتھوں میں گل لالہ کے گلدستے نہ رکھ   کیا ترے عاشق کے بہتر دست گل خوردہ سے ہیں
نیتی پھیرا خزاں کا کیا پھر آیا باغ میں   پھول مژ مردہ سے ہیں مرغ چمن مردہ سے ہیں
عشق کے میداں میں زہرہ ہوتا ہے رستم کا آب   دیکھ تو ہم کو کر آگے کس دل گردہ سے ہیں
تیرا قامت و قیامت ہے کر اے محشر خرام   فتنہ و ہنگامہ دونوں جس کے آوردہ سے ہیں

شعر افسردہ ظفر کے مت سناؤ بزم میں
عشق کے مارے ہوئے جتنے ہیں افسردہ سے ہیں

لب کو میں تیرے مئے ناب کہے تو کہہ دوں   چشم کو ساغر زہر اب کہے تو کہہ دوں
کلھوں غنچہ و شبنم دہن و دنداں کو   ہاں جو درج خوش آب کہے تو کہہ دوں
خوں کی سرخی سے ہے کیا داغ جگر میں رنگت   اب اے لالہ سیراب کہے تو کہہ دوں
چمکے ہے ماہ کے پر تو سے جو دریا میں بھنور   ساقی اس کو گل مہتاب کہے تو کہہ دوں
چشم پر آب میں ہے میرے کہاں لخت جگر   لیٹے تاب میں سرخاب کہتے تو کہہ دوں
لے کے نام اس کا بہت آہیں بھرا کرتا ہوں   کیوں ابھی اے دل بے تاب کہے تو کہہ دوں
رخ کو تیرے نہ کہوں برق نہ شعلہ نہ قمر   بلکہ خورشید جہاں تاب کہے تو کہہ دوں
نہ کہوں چینے کو سینہ نہ کہوں ناف کو ناف   اے دریا اے گرداں کہے تو کہہ دوں
عکس افگن نہیں آئینہ میں کانوں کے گہر   مچھلیاں دو ہیں تہ آب کہے تو کہہ دوں
نا پاں نے لب تو خط کو ترے لال کیا   میں اب اس پتہ کو عناب کہے تو کہہ دوں
یوں تو افسانہ مرا وہ نہیں سنتا اے دل   اس سے یہ قصہ دم خواب کہے تو کہہ دوں

اے ظفر چرخ میں سب کہتے ہیں مہتاب کو بھی
ماہ نو ساغر سیماب کہے تو کہہ دوں

موسم گل کی چمن میں کب خبر اڑتی نہیں
پر قفس سے بلبل بے بال و پر اڑتی نہیں

یوں تو اپنی جوش وحشت کی خبر اڑتی نہیں
دھجیاں ہو کر قبانا سر بسر اڑتی نہیں

کون سی شب ہے کہ تجھ بن اس مری فریاد سے
نیند ہمسایوں کی اے رشک قمر اڑتی نہیں

ہاتھ سے اس شوخ کے اڑ جائے ہے رنگ حنا
پر ہماری سرخی خون جگر اڑتی نہیں

دام حیرت شاب اڑا دے ہے ہوش پرواز کی
بلبل تصویر پر رکھے ہے پر اڑتی نہیں

اس رخ تابدہ پر قطرے عرق کے دیکھنا
ہے عجب خورشید سے شبنم اگر اڑتی نہیں

کاروان عمر جاتا ہے کدھر پائیں کہاں
گرد بھی اس کی سر راہ سفر اڑتی نہیں

زلف کو جنباں ہوا سے دیکھے اپنے رخ پہ تو
شپرک مہتاب میں دیکھی اگر اڑتی نہیں

اور جتنے رنگ ہیں دو دمیں اڑ جاتے ہیں
پر رخ عاشق کی زردی عمر بھر اڑتی نہیں

پر چراغ دل میں میرے وہ جو بتی آہ کی
جل چکی تو تو سرے تکبیر نظر اڑتی نہیں

وہ گراں بار محبت ہوں کہ میری خاک بھی
کوچہ جاناں سے اے باد سحر اڑتی نہیں

ہے دم بسمل بھی عاشق کو ترا کتنا لحاظ
چھینٹ خوں کی اک بت بیداد گر اڑتی نہیں

ان کو دنیا کی نہیں خواہش نظر ہے جن کی دور تک
شہد پر بندوق کی مکھی ظفر اڑتی نہیں

ترا حسن ہم جلوہ گر دیکھتے ہیں
جہاں دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں

کریں کیونکہ دل کی نہ ہم پاس داری
کہ ہر دل میں ہم ترا گھر دیکھتے ہیں

نہیں رکھتے نام اور کو وہ جو اپنے
گریباں میں منہ ڈال کر دیکھتے ہیں

ترا رخ ہے یہ صاف حیران ہو کر
ترے منہ کو آئینہ گر دیکھتے ہیں

قدم کیوں کہ بحر محبت میں ڈالیں
کہ ہر موج موج خطر دیکھتے ہیں

دھواں آگ سے آگ پتھر سے نکلے
محبت کا سب میں اثر دیکھتے ہیں

کہاں ہیں وہ آنکھیں ہماری کہ دیکھیں
ظفر ان کو اہل نظر دیکھتے ہیں

کہیں میں غنچہ ہوں واشد سے اپنی خود پریشاں ہوں
کہیں گوہر ہوں اپنی موج میں میں آپ غلطاں ہوں

کہیں میں ساغر گل ہوں کہیں میں شیشہ دل ہوں
کہیں میں شور قلقل ہوں کہیں میں شور مستاں ہوں

کہیں میں جوش وحشت ہوں کہیں میں محو حیرت ہوں
کہیں میں آب رحمت ہوں کہیں میں داغ عصیاں ہوں

کہیں میں برق خرمن ہوں کہیں میں ابر گلشن ہوں
کہیں میں اشک دامن ہوں کہیں میں چشم گریاں ہوں

کہیں میں عقل آرا ہوں کہیں مجنوں رسوا ہوں
کہیں میں پیر دانا ہوں کہیں میں طفل ناداں ہوں

کہیں میں دست قاتل ہوں کہیں میں حلق بسمل ہوں
کہیں میں زہر ہلاہل ہوں کہیں میں آب حیواں ہوں

کہیں میں سرو موزوں ہوں کہیں میں بید مجنوں ہوں
کہیں گل ہوں ظفر میں اور کہیں خار بیاباں ہوں

وائے اے بے خبر و تم کو خبر خاک نہیں
کہ سفر سر پہ ہے ساماں سفر خاک نہیں

تیرے بیمار کی کیا خاک کرے کوئی دوا
ہوتا اکسیر کا بھی اس کو اثر خاک نہیں

برسوں گذرے کہ ہوئی خاک ہماری برباد
اب تو اس کوچے میں اے باد سحر خاک نہیں اس کو اب تک

جل کے ہم خاک ہوئے عشق میں اس کے لیکن
اثر سوز جگر خاک نہیں

ذرے ذرے میں ہے یاں خاک کے پیدا خورشید
لیکن آیا تجھے غفلت سے نظر خاک نہیں

دی ہے تقدیر سو ان کو نہیں منظوروں سے
جن کو جز بے ہنری آتا ہنر خاک نہیں

خاک میں آنسوؤں کو میرے ملاتا کیا ہے
تجھ کو اے دیدہ تر قدر گہر خاک نہیں

گرمجوشی جو ہے اس ہستی موہوم پہ یہ
اور فرصت ہمیں مانند شرر خاک نہیں

ابر مژگاں سے رکھا میں نے ہمیشہ سیراب
لیکن اس نخل محبت میں ثمر خاک نہیں

ہم سے ظاہروہ ہوئے صاف تو کیا ہوتا ہے
دل تو صاف ان کا ہوا ہم سے ظفر خاک نہیں

خطر نہیں ہے تری دشمنی سے یار ہمیں
کہ سرپنا تجھے آوے ہے اور اتار ہمیں

برنگ آئینہ منہ پر وہ صاف ملتے ہیں
دل ان کا دیکھا تو آیا نظر غبار ہمیں

نہ پوچھ ہم سے کھلی کیوں ہے چشم نرگس وار
بتائیں کیا تمہیں ہے کس کا انتظار ہمیں

ہم ایک نالے میں بلبل ہوش اڑادیں گے
سنائیں باغ میں وہ چہچے ہزار ہمیں

جو کچھ اثر ہے ہمارے بھی وشق میں اے عاشق
وہ منتوں سے بلائیں گے لاکھ بار ہمیں

یہ دل کے لینے کی باتیں ہیں جانتے ہیں ہم
نہیں ہے پیار کا کچھ ان کے اعتبار ہمیں

ہماری ان کی ہو صحبت برار کیوں کہ ظفر
خوش آئے ہے وہ انہیں جو ہے ناگوار ہمیں

قتل کریں اک عالم کو وہ ابرو کے خم ایسے ہیں
ان شمشیروں کے ہیں مقابل دیکھوں ہاں ہم ایسے ہیں

اتنا کھایا غم دنیا میں غم کے پتلے بن گئے ہم
اس پر بھی کچھ غم نہیں غم کا ہم بھی بے غم ایسے ہیں

ہر تر کو پل میں رولائیں طوفاں پر اک طوفاں لائیں
وقت وضو رگریہ اپنے دیدہ پرنم ایسے ہیں

گل ہے کہیں اور خار کہیں ہے نور کہیں اور نار کہیں ہے
ایک ہی عالم کیا ہے ہزاروں اسکے عالم ایسے ہیں

غیر کے گھر میں تو ہے شاداں ہم ہیں اپنے گھر میں گریاں
عید کدہ واں ایسے ہیں یہاں خانہ ماتم ایسے ہیں

جیسے گل رخسار پہ ان کے طرفہ عرق کی بوندیں ہیں
دیکھے گل لالہ پر کس نے قطرہ شبنم ایسے ہیں

واں ہے عیش و عشرت باہم یاں ہے آہ و نالہ ہر دم
ان کے ہمدم ویسے ہیں اور اپنے ہمدم ایسے ہیں

بیعت کرتے رہیں گے ظفر سے دنیا کے عشاق تمام
واقعی ہوتے عشق میں کامل عاشق ہاں کم ایسے ہیں

اشک کب پیوستہ مژگاں تر کی شاخ میں
موتیا کے پھول باندھے نیلوفر کی شاخ میں

کیا عجب گر ہووے چشم شوخ پر ابروئے کج
ہوتی ہے اکثر کجی آہو کے سر کی شاخ میں

دیکھنا انگشت میں اس گل کی انگشت ششم
کشیکر کی شاخ پھوٹی نیشکر کی شاخ میں

اس کے ابروئے کشیدہ پر نہیں کاجل کا خط
ہے گل سوسن کمان فتنہ گر کی شاخ میں

کیا عجب جھک جائیں مژگاں آنسوؤں کے بوجھ سے
سرکشی ہو کیونکہ نخل پر ثمر کی شاخ میں

خون عاشق سے نہیں اس تیر کا سوفار سرخ
گل کھلا ہے طرفہ تر سوکھے شجر کی شاخ میں

اے ظفر گلہائے رنگیں کے عوض آتش کے پھول
خوشنما ہیں نخل آہ شعلہ ور کی شاخ میں

کیونکہ ہم دنیا میں آئے کچھ سبب کھلتا نہیں
اک سبب کیا بھیدواں کا سب کا کھلتا نہیں

پوچھتا ہے حال بھی گر وہ تو مارے شرم کے
غنچہ تصویر کے مانند لب کھلتا نہیں

شاہد مقصود تک پہنچیں گے کیونکر دیکھئے
بند ہے باب تمنا ہے غضب کھلتا نہیں

بند ہے جس خانہ زادوں میں دیوانہ ترا
اس کا دروازہ پری رو روز شب کھلتا نہیں

دل ہے یہ غنچہ نہیں ہے' اس کا عقدہ اے صبا
کھولنے کا جب تلک آوے نہ ڈھب کھلتا نہیں

عشق نے جن کو کیا خاطر گرفتہ ان کا دل
لاکھ ہووے گرچہ سامان طرب کھلتا نہیں

کس طرح معلوم ہووے اس کے دل کا مدعا
مجھ سے باتوں میں ظفر وہ غنچہ لب کھلتا نہیں

مژدہ وصل سے گر یار اچھل کر کردوں
در بھی بند ہو تو دیوار اچھل کر کودوں

فتنہ کہتا ہے اگر خواب میں آجاوے وہ شوخ
ہو کے میں خواب سے بیدار اچھل کر کودوں

رہی پا کوئی منصور فقط دار تلک
میں وہ عاشق ہوں سردار اچھل کر کودوں

کیونکہ اچھلے نہ ترے چاہ ذقن کا ڈوبا
دل یہ چاہے کہ کر دلدار اچھل کر کودوں

گدگدی کرتی ہے تلوے میں مرے تو ہر گام
کیوں نہ اے سرزنش خار اچھل کر کودوں

دیکھ فوارے یہ کل دل نے کہاں یوں میں بھی
سر مژگاں گہر بار اچھل کر کودوں

اپنی گر سوختہ جانی پہ ظفر وجد کروں
جو سپند آگ پہ یکبار اچھل کر کودوں

نہیں زیب گلوئے فاختہ یہ طوق گردن میں
محبت سرو کی ڈالے ہوئے ہے ہاتھ گلشن میں

تجھے اے ابر مژگاں آفریں خوب اشک برسائے
برستے اس طرح بادل نہ دیکھے ہم نے ساون میں

ابھر آتا ہے دل آہن کا میرے زخم سینہ پر
بجائے تار ہے اشکوں کا تار اب چشم سوزن میں

نہ سمجھو پارہ دل نالہ پر درد میں میرے
شرر چنگاریاں سی اڑ رہی ہیں دود گلخن میں

اڑائیں دھجیاں کس کس طرح سے دشت وحشت نے
کہ ڈھونڈو تو نہ پاؤ تار ثابت جیب و دامن میں

مسی آلودہ دنداں جب کہ وہ ہنس کر دکھاتے ہیں
تو پڑتی ہے گل سوسن پہ کیا کیا اور گلشن میں

خدا نے کیا بنایا اے ظفر دل سخت اس بت کا
نہ وہ سختی ہے پتھر میں نہ وہ سختی ہے آہن میں

سب حرکتیں سمجھتے ہیں آن آن میں ہیں
تم اپنے دھیان میں ہو ہم اپنے دھیان میں ہیں

قرآں کی آیتیں ہیں وہ خط مصحف رخ
پر جانتے نہیں ہم یہ کس کی شان میں ہیں

یہ مار زلف نے بالی پہ من کو اگلا
آویزے لعل کے کب اس گل کے کان میں ہیں

بنت العنب ہے ساقی وہ فاحشہ کہ جس کے
سب ہد آشنا ہیں جتنے جہان میں ہیں

اس شعلہ رو کا آیا مذکور جب زباں پر
سو پڑے پھپھولے ووں ہی زباں میں ہیں

کھا جائیں گے وہ دل کو ہے اس کا یہ نمونہ
ساری الائچی کو جو رکھتے پان میں ہیں

انجم فلک پہ ساقی سوجھے نشے میں ہم کو
لعل سفید رکھے سبز کے خوان میں ہیں

مژگاں ہیں زیر ابرو یا ترک جنگ جو نے
سو تیر اک طرح کے جوڑے کمان میں ہیں

میں کیوں نہ خانہ دل اپنا رکھوں مصفا
رہتے ظفر ہمیشہ وہ اس مکان میں ہیں

لاکھ چاہت کو چھپائے کوئی پر چھپتی نہیں
پیار کی آنکھ اور الفت کی نظر چھپتی نہیں

ہوگیا ہر اشک قاصد بن گیا ہر نالہ پیک
بے خبری کیوں کر چھپے دل کی خبر چھپتی نہیں

کیا کریں زیر کفن بھی شعلہ فانوس وار
دل کی سوزش اپنی اے رشک قمر چھپتی نہیں

پردہ رنگ حنا میں تو چھپاتا ہے نگار
پر ہماری ترٹی خون جگر چھپتی نہیں

گرچہ عطر و مشک و عنبر کا ہے مجموعہ تو کیا
اس کی بوئے زلف اے باد سحر چھپتی نہیں

اشک بھی ہم پی گئے اور آہ بھی کی ہم نے ضبط
زردی رخسار اے ناصح مگر چھپتی نہیں

برق ہی تھی جو چمک کر ابر میں پھر چھپ گئی
زیر موئے زلف و تاب کمر چھپتی نہیں

کردیا آگاہ سب کو تو نے راہ عشق سے
تجھ سے دل کی بات اپنی اے ظفر چھپی نہیں

جو بھنویں اس شوخ چشم خشمگیں کی کھنچ گئیں
دو کمانیں متصل دو ترک چیں کی کھنچ گئیں

جب لکیریں سی تری چین جبیں کی کھنچ گئیں
سر پہ تلواریں مرے سو بغض کیں کھنچ گئیں

ناتوانی سے پہنچنا واں مجھے دشوار تھا
پر طنابیں میری قسمت سے زمیں کی کھنچ گئیں

کھنچ کر شانے نے کھولے جب تری زلفوں کے بال
یک بیک ساری رگیں تیرے حزیں کی کھنچ گئیں

وہ بڑی آنکھیں نشے میں دیکھ کر سوجھا مجھے
کشتیاں دریائے حسن نازنیں کی کھنچ گئیں

ہوگئی کچھ صفحہ گردوں پہ آرائش سی اور
جدولیں جو میری آہ آتشیں کی کھنچ گئیں

جلوہ فرما کون ہوگا جو خطوط مہر سے
ڈوریاں شتگرہ چرخ بریں کی کھنچ گئیں

زلف مشکیں کو جو اس کافر نے باندھا کھنچ کر
اور بھی مشکیں دل اندوہ گیں کی کھنچ گئیں

جا بجا ہو جکیوں نہ شہرت حسن کو اسکے ظفر
اب تو تصویریں ہزاروں اس حسین کی کھنچ گئیں

جی میں کیا تیرے سمایا اے کیا کہتے ہیں
ہم سے ہر وقت کنایا اے کیا کہتے ہیں

ساتھ سوتے ہو لپٹ کر مرتم شرم کہاں
یہ جو منہ تم نے چھپایا اے کیا کہتے ہیں

ان پہ ہم مرتے ہیں وہ اور پہ غش ہیں افسوس
یہ ستم بار خدایا اے کیا کہتے ہیں

پوچھا ہر چند بھرے کان تمہارے کس نے
نہ بتایا نہ بتایا اے کیا کہتے ہیں

دن کو تو یوں وہ نہ آیا کہ ہیں مانع اغیار
خواب میں شب جو نہ آیا اے کیا کہتے ہیں

گل صدبرگ بنایا دل صد پارہ عشق
تو نے کیا گل یہ کھلایا اے کیا کہتے ہیں

بید میں پھل نہیں سایہ ہے میری آہ نخل
نہ ثمر رکھے نہ سایا اے کیا کہتے ہیں

لاکھوں انداز ہیں کس کس کو ہم ان سے پوچھیں
تم کو یہ کس نے سکھایا اے کیا کہتے ہیں

گرمی خوں سے سلگتا ہی تھا دل اور ظفر
سرد مہری نے جلایا اے کیا کہتے ہیں

وہ تیر اور ہے جس تیر و فگار ہوں میں
وہ دام اور ہے جس دام کا شکار ہوں میں

نشان تیرے کف پا کا دیکھتا ہوں جہاں
طواف آنکھوں سے کرتا ہزار بار ہوں میں

وہ کارواں کہ ج منزل پہ اپنی جا پہنچا
اسی کے پیچھے رواں صورت غبار ہوں میں

نہ میں ہوں طائر بسمل نہ ماہی بے آب
الہٰی کیوں ہوں جو بیتاب و بیقرار ہوں میں

کہتے عشق میں بیہوش و بے خبر ہیں مجھے
خبر نہیں کہ خبردار و ہوشیار ہوں میں

خدا اگر مجھے پردے مثال پروانہ
تو شمع رو ابھی اڑا کر ترے نثار ہوں میں

ظفر ہوکیوں نہ وہ نازک مزاج دامن کش
کہ خاک رامحبت ہوں خاکسار ہوں میں

چشم کیا دیکھتی ہے روزن در میں سے انہیں
جھانکتا دل بھی ہے سوراخ جگر میں سے انہیں

چھپ کے وہ بیٹھ رہے مجھ سے یہ ممکن ہی نہیں
میں سر کھینچے نہیں دیدے کا نظر میں سے انہیں

دل وہ کب چھوڑتے ہیں اے تن لاغر میرا
ثمر اک تازہ ملا خشک شجر میں سے انہیں

جو مسافر کہ سفر کر گئے اس منزل سے
پھیر کر لائے کیونکر سفر میں سے انہیں

تار جو باندھتے ہیں آنسوؤں کا چشم سے ہم
دیں گے دو چار گہر سلک گہر میں سے انہیں

لعل درکار اگر ہووے گا تمکہ کے لیے
کاٹ کر ٹکڑا ابھی دوں گا جگر میں سے انہیں

کشش دل کی جو تاثیر دکھائے گی ظفر
تو بلائیں گے ابھی کھینچ کر گھر میں سے انہیں

یار دل مانگے نہ دوں کس کر کہوں تو کیا کروں
ور جب دے دوں تو لوں کیوں کر کہوں کیا کروں

جب کہ پوچھے یار مجھ سے شیفتہ ہے کس پہ تو
منہ سے میں اپنے کہوں کیوں کر کہو تو کیا کروں

حضرت دل عشق کے رستے سے واقف نہیں
کس طرف جاؤں چلوں کیوں کر کہو تو کیا کروں

غیر پر چشم عنایت مجھ کو دیکھ قہر سے
آنکھ سے دیکھا کروں کیوں کر کہوں تو کیا کروں

غم مرا غمخوار ہے کرتا ہے وہ غم خوارگی
میں نہ دم اس کا بھروں کیونکر کہو تو کیا کروں

میں ہوں حیراں روبرو اس یار کے آئینہ دار
اب نہ صورت کو تکوں کیونکر کہو تو کیا کروں

واہ وا کہتے ہیں میرے لب کھلے ہی رہ گےء
اور وصف ان کا کہوں کیوں کر کہوں تو کیا کروں

جم گیا دل خا کوئے یار پہ جوں نقش پا
اٹھ نہیں سکتا اٹھو کیوں کر کہو تو کیا کروں

اپنا احوال محبت سامنے اس کے ظفر
آپ میں لکھ کر پڑھوں کیونکر کہو تو کیا کروں

پاک شے کچھ ور ہے میں قطرہ ناپاک ہوں
بولتا کیا جانے کیا ہے میں تو مشت خاک ہوں

خواہش دنیا ہے درپے استقامت کیونکہ ہو
اڑتا پھرتا میں وہا میں جوں خس و خاشاک ہوں

دور ہے منزل بہت اور پاؤں میں طاقت نہیں
گرچہ میں رکھتا طبیعت عشق میں چالاک ہوں

بے حجابی سے اٹھا کافر نہ تو منہ سے نقاب
دیکھ کر کیا جانے کیا بولوں کہ میں بے باک ہوں

ناصحا کرتا ہے کیا چاک گریباں کو رفو
فکر کر اس کا کہ رکھتا سینہ میں صد چاک ہوں

اے ظفر دونوں جہاں میں کیوں نہ ہو مجھ کو ظفر
جان و دل سے میں غلام صاحب لولاک ہوں

میں ملوں کیوں کر کہ وہ پیاں گسل ملتا نہیں
میرا دل ملتا ہے اس سے اس کا دل ملتا نہیں

ے اس کی صورت سے ملے کس وجہ یوسف کی شبیہ
رخ سے رخ گیسو سے گیسو تل سے تل ملتا نہیں

ہے عرق اس زلف گرد آلود پہ وقت شکار
اس سے بہتر عطر عنبر گل ملتا نہیں

اس گلی میں گردکم گشتہ کو شب جو ڈھونڈیے
نالہ دل ہو نہ جب تلک مشتعل ملتا نہیں

کیا عداوت ہے کہ میں سو بار اس سے کہہ چکا
آج ہے دن عید کا تو مجھ سے مل ملتا نہیں

جائیں ہمسائے میں ہم لیکن ہمیں کوئی مکاں
اسقیو اس کے گھر کے متصل ملتا نہیں

چاہتا تھا اس کمر کا اے ظفر پاؤں سراغ
گم ہوا عنقا یہ ہو کر منفعل ملتا نہیں

وفور اشک گر دیکھے ہماری چشم گریاں میں
تو دریا صرت گرداب منہ ڈالے گریباں میں

جابوں کو نشے میں دیکھ کر کہتا ہے یہ ساقی
بتا سے کس نے پھیلائے زمیں پہ آب باراں میں

ہنسی کے تیرے قرباں آئینہ رو اس طرح پہ ہنس
کہ تا ہم اپنا منہ دیکھیں تری اس آب دنداں میں

یہ سوجھا آئینہ میں دیکھ کر اس چشم کی گردش
کہ چکر کھا رہی کشتی ہے کس کی آج طوفاں میں

بڑی استاد ہے باد بہاری مرغ گلشن کو
پڑھاتی ہے گلستان کا سبق کیا کیا گلستان میں

در خوش آب درج صندلی میں لا کے رکھا ہے
نہ سمجھو اس کو تم قطرہ عرق کا اس زنخداں میں

ہم اپنے لخت دل کو دامن مژگاں سے گر جھاڑیں
نکلیں پھر لعل قلم لال پتھر کے بدخشاں میں

جو اس کان ملاحت کے ہیں کشتے چپ نہ ہوویں گے
قیامت تک رہیگا شور اک گنج شہیداں میں

ہوئے ہیں غیر سن کر مست باتوں کو ظفر تیری
کہیں لائیں نہ مستی یار کے بھی عہد و پیماں میں

ہم جدا ہو کر جو اس قاتل سے گھر میں آئے ہیں
کیا کہیں کیا مضطرب بسمل سے گھر میں آئے ہیں

جب کہ ہم اٹھ کر تری محفل سے گھر میں آئے ہیں
تک کیا کیا اضطراب دل سے گھر میں آئے ہیں

سن کے وہ آواز کو دہلیز پر رکھیں نہ پاؤں
آج کیا جانے وہ کس مشکل سے گھر میں آئے ہیں

رات کو کہتا ہے وہ نالے کر اڑ جاتی ہیں نیند
لوگ سب عاجز ترے مائل سے گھر میں آئے ہیں

جب کبھی لوٹے ہیں خاک کوئے جاناں پر تو ہم
کیا معطر ہو کے عطر گل سے گھر میں آئے ہیں

جب گئے ہیں لوگ سمجھانے ترے دیوانے کو
الٹے پاؤں ہو کے وہ قائل سے گھر میں آئے ہیں

تو نہ ہو گھر میں تو دل گھر میں لگے کیا سنگ دل
توڑتے ہم سر کو گھر کی سل سے گھر میں آئے ہیں

کہہ دو شور حشر سے آسودہ گانش ' گور کو
مت اٹھا تھک کر ابھی منزل سے گھر میں آئے ہیں

کس کی چشم مست کو تم دیکھ کر اب اے ظفر
آپ جولاں مست لاعقل سے گھر میں آئے ہیں

ہزاروں طرح کے پلٹے ہیں ہر تدبیر سیدھی میں
نہیں چلتا کوئی پتا مگر تقدیر سیدھی میں

پڑی ہے زلف پرخم مصحف رخسار پر اس کے
کجی کی دیکھو جدول کس نے کی تحریر سیدھی میں

جو صورت راستی کی چاہتا ہے تو نہ خم رو ہو
کہ ٹیڑھی شکل تو ہے بدنما تصویر سیدھی میں

ترے سمجھائے کیا ہوتا ہے ناصح جب نہ دل سمجھے
نہ کر تقریر کج بحثی کی اس تقریر سدھی میں

پتا یہ کشتگان ابرو خم دار کا پایا
کجی ہر مقبرہ کی رہ گئی تعمیر سیدھی میں

کروں میں بات الٹی یا کہ سیدھی لیک کیا حاصل
نہ ہے تاثیر الٹی میں نہ ہے تاثیر سیدھی میں

اگر دشمن میں وضع راستی بھی ہو حذر کر تو
کہ برش کیا نہیں ہوتی ظفر شمشیر سیدھی میں

ہم اپنا راز دل ظاہر کب اے بیباک کرتے ہیں
ہمیں رسوا ہماری دیدہ نمناک کرتے ہیں

وہ اپنے زیب تن جب لالہ گوں پوشاک کرتے ہیں
چمن میں رشک سے پھر گل گریباں چاک کرتے ہیں

غضب ظالم ترے رخسار آتشناک کرتے ہیں
ہزاروں خانہ دل کو جلا کر خاک کرتے ہیں

ابھی آنسوؤں گر دیدہ نمناک کرتے ہیں
تو بس غرق ایک پل میں گنبد افلاک کرتے ہیں

دم تو صیف ساقی ہم جو منہ کو پاک کرتے ہیں
غرارہ مے سے چوب تاک سے مسواک کرتے ہیں

رقم جس دم کہ اپنا حال وحشت ناک کرتے ہیں
قلم کو توڑ کر کاغذ پکڑ کر چاک کرتے ہیں

ترحم صید پر اپنے جو یہ سفاک کرتے ہیں
تو اس کو ذبح کر کر بستہ فتراک کرتے ہیں

وہ پھر سرگرم جولاں تو سن چالاک کرتے ہیں
الٰہی دیکھیے برباد کس کی خاک کرتے ہیں

شناور ہائے غم سے تجھ کو ہم بیباک کرتے ہیں
وگرنہ اے ظفر اس سے حذر تیراک کرتے ہیں

فدا ہونے سے تیرے کوئی آنکھیں ہم چراتے ہیں
یہ آپ ہی ہیں کہ دل آتے ہوئے یکدم چراتے ہیں

نگاہ آزمائش سے نہ ٹھوکر اپنے کشتوں کو
کہ جو دیتے ہیں دم تم پر وہ کوئی دم چراتے ہیں

دل افگار محبت اس طرح اشکوں کو بن جائے
کہ پانی زخم دل اے دیدہ پرنم چراتے ہیں

خطوط مہر کرتے ہیں چمن میں دن دیے چوری
سحر جو گوش گل سے گوہر شبنم چراتے ہیں

کبھی کرتا ہوں گر میں گلکاری دست تصور سے
تو وہ کیا کیا بدن کو اے ظفر ہر دم چراتے ہیں

پے جانا میںڈا جی جان دا خبر اس کو نہیں
چکم وائے میںڈے دل پہ نظر اس کو نہیں

ہجت بیچ میںڈاں شوراں کروں کیا اے دل
از غم دور پھراں کدی اثر اس کو نہیں

نالہ وآہ کم میںڈی نیا میں کب تک
شب ہجر ست آساں وکھے سحر اس کو نہیں

نام نیکم ہوا ہرنہ وچ اوسدی برباد
پاس کے زرہ میںڈی نام دا پر اس کو نہیں

کیست تا آگہی کوئی وسنو ہمارا احوال
آکھ حالیت ملوم اپنا ظفر اس کو نہیں

عشق کے ساغر سے گر ہشیار ے نوشی کریں
جام چشم مست سے تفہیم بے ہوشی کریں

چاند دیکھیں عید کا جب دیکھیں روئے یار کو
عید ہم اس دن کریں جس جن ہم آغوشی کریں

اپنا دم رکتا ہے گر کچے خموشی اختیار
یار رکتا ہے اگر ہم ترک خاموشی کریں

چاہتے ہیں زخم دل کے کھول کر آغوش ہم
پھر دم شمشیر قاتل سے ہم آغوشی کریں

کیونکر ابھار اس قدر ہوتے ہیں اب منزل میں بار
یہ مسافر چاہئے فکر سبک دوشی کریں

عشق وہ آتش کا پرکالہ ہے چھپتا ہی نہیں
اتنا ہی ظاہر سو ہو جتنی خس پوشی کریں

وہ کسی برقع میں ہوں گے دیکھ لیں گے ہم ظفر
ہو چکا پردہ کہو ان سے نہ روپوشی کریں

کیا کروں گریہ کہ آنکھوں میں مری خواب نہیں
کیونکہ میں آہ کروں دل کو مرے تاب نہیں

خاکساروں کے لیے کسوت خاکستر ہے
غم نہیں ان کو اگر اطلس و کمخواب نہیں

ہوئی جمعیت ظاہر سے پریشانی اور
جس سے جمعیت خاطر ہو وہ اسباب نہیں

غرقہ آب بقا بھی ہے تو ہے تشنہ گلو
جو اس آب دم شمشیر سے سیراب نہیں

خواب میں یار اگر آوے تو کیونکر آوے
مجھ کو آیا غم ہجراں میں کبھی خواب نہیں

عشق کیوں رکھتا ہے اتنا مجھے بیتاب کہ میں
شعلہ و برق نہیں بسمل و سیماب نہیں

گر ظفر عاشق سر باز جھکادے سر کو
خم شمشیر سے بہتر کوئی محراب نہیں

کیا کہوں میں کس نشے میں رات دن مخمور ہوں
ایسی کیفیت میں ہوں اپنی خودی سے دور ہوں

تم تلک میں کیونکہ پہنچوں ہائے بے مقدور ہوں
دل سے پر نزدیک ہوں گرچہ بظاہر دور ہوں

دل تو کہتا ہے کہ کہہ دے دل کی اس دلدار سے
پر حیا مانع ہے میں کیوں کر کہوں مجبور ہوں

خون سے اپنے جلادوں دار کو مانند شمع
حق تو یوں ہے میں اگر جاں سوختہ منصور ہوں

خلق اپنے منہ سے کچھ کچھ مجھ کو کہتی ہے کہے
بندہ غیور ہوں اس بات پر مغرور ہوں

جی دھڑکتا ہے نکل جائے نہ منہ سے حرف راز
یار سب ہشیار ہیں اور میں نشے میں چور ہوں

جلوہ گر ہے شمع حسن یار دل میں اے ظفر
صورت فانوس گویا نور سے معمور ہوں

جن گلیوں میں پہلے دیکھیں لوگن کی رنگ رلیاں تھیں
پھر دیکھا تو ان لوگاں بن سونی پڑیں وہ گلیاں تھیں

اکھیاں اساں دی ڈھونڈی اونہاں نوں ہائے وہ کتے لوگ گئے
جن کے کہو سوہن پیارے گلاں لگدی دلکو تو بھلیاں تھیں

ایسی انکھیاں میچے پڑے ہیں کروٹ بھی نہیں لے سکدے
جن کی چالیں البیلی اور چلنے میں چھل بلیاں تھیں

خاک کا ان کا بستر ہے اور سر کے نیچے پتھر ہے
ہائے وہ شکلیں پیار پیار کس کس چاوء سے پلیاں تھیں

جانا ہے تو آنا نہیں ہے آنا ہے سو جانا ہے
جب یہ وہ سن لیتے تھے تو پڑیں کیا کھلبلیاں تھیں

تلخی اٹھائی موت کے جھٹکے خاک سب انکو چاٹ گئے
جن کی باتیں میٹھی میٹھی مصری کی سی ڈلیاں تھی

روز بہاراں لوٹتے تھے وہ جا جاکر جن باگن میں
شوق رنگ اب جو دیکھا واں نا پھول ہیں رہا کلیاں تھیں

دیکھے گر اپنی بھویں وہ مہ جمال آئینے میں
کھلیں طاق و جفت مل کر وہ ہلال آئینے میں

تیرہ بختوں کا ستارہ پھر نہ نکلا ڈوب کر
رخ پہ جو دیکھا بنا کر تو نے خال آئینے میں

گر دکھائیں آئینہ تیرے مریض عشق کو
صاف وہ معلوم سکتے کا سا حال آئینے میں

ہے نمود اس وجہ سے عارض پہ اس کے خط سبز
جیسے عکس طوطی شیریں مقال آئینے میں

اپنے بوسے آپ لیتا ہے وہ کس کس پیار سے
دیکھتا ہے صاف صاف اپنے جو گال آئینے میں

گر کول تالاب میں تونے نہ دیکھے ہوں تو دیکھ
وقت مستی اپنی آنکھیں لال لال آئینے میں

دل میں اس موئے کمر کا اس طرح آیا خیال
اے ظفر آجائے جس صورت سے بال آئینے میں

خوب ڈھونڈھا خوب دیکھا کچھ نظر آیا نہیں
آج تک اپنے میں ہم نے آپ کو پایا نہیں

چشم ظاہر میں سے تو دیکھا نہیں جاتا ہے یار
تم نے بھی اے دل کی آنکھو اس کو دکھلایا نہیں

ہو میسر کیونہ کر اس پردہ نشیں کا دیکھنا
ہے جو پردہ درمیاں وہ اسنے اٹھوایا نہیں

آفتاب و ماہ برق و شعلہ سب میں ہے وہ نور
حسن اپنا اس نے اب کس کس میں جھمکایا نہیں

راہ سے اس کی ہوئے تم کس لئے گم کردہ راہ
غافلو تم کو کسی نے گرچہ بہکایا نہیں

ہے وہی عاشق سچا جس نے ترے لاکھوں ستم
ایک حرف شکوہ پہ لب تک کبھی لایا نہیں

میرے نزدیک اس نے پایا کیا محبت کا مزا
زخم تیغ عشق جس نے اے ظفر کھایا نہیں

اختلاط اپنے بھلا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں
اور رکاوٹ پر خفا تم سے نہ ہوں کس سے ہوں

تم ادھر سرمست نازو اور ہم ادھر سرمست شوق
باتیں بے شرم و حیا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

بار خاطر جانتے ہو اپنا ہم کو بار بار
اس کے شکوے بار ہا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

طاق ہوں ابرو تمہارے جب ادا و نازمیں
یہ ادا نازو ادا تم سے نہ ہو تو کس سے ہوں

کرتے ہو صرف نمک پاشی میں زخم دل کی تم
خستہ دل پھر بے مزا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

اپنے روئے صاف کے مانند ہم سے تم ہو صاف
آئینہ ساں ہم صفا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

روئے تابندہ یہ چمکے جب تمہارا در گوش
منفعل ماہ و سہا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

حضرت دل تم ہو اس نا آشنا کے آشنا
آشنائی آشنا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

آپ کے آنے پہ ہوں موقوف سب سامان عیش
تمکدے عشرت سرا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

لب تمہارے ہوں زلال و خضر جاں بخشیں تو ہم
طالب آب بقا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

ذات اقدس کو تمہاری کہتے ہیں مشکل کشا
عقدے سب مشکل کے وا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

عرض ہے شاہ ولایت سے ظفر اتنی کہ ہم
بلتجی یار مرتضی تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

کہو تو زلف کے آشفتہ میری جان کتنے ہیں
بلا نوش ان کے کہتے ہیں بلا گردان کتنے ہیں

دکھاؤں سینہ اپنا چیر کر اس ناوک افگن کو
کہ سوفار اس میں کتنے دیکھ اور پیکان کتنے ہیں

ہزاروں رنج و غم ہیں خانہ دل میں نہیں کھلتا
کہ صاحب خانہ انمیں کتنے اور مہمان کتنے ہیں

مجھے چوری سے شب گھر اس کے جانا یہ کسے پروا
کہ واں کتنے ہیں چوکیدار اور دربان کتنے ہیں

کوئی جانبازیوں کو عاشق جانباز سے پوچھو
کہ ہیں یہ کام مشکل کتنے اور آسان کتنے ہیں

جو ہم وہ چپکے چپکے باتیں کچھ آپس میں کرتے ہیں
تو کتنے جوڑتے ہیں منہ لگاتے ہیں کان کتنے ہیں

سفر دنیا سے ہے درپیش مجھ کو پر خدا جانے
کہ بے سامان ہیں کتنے اور باسامان کتنے ہیں

کہے ہے صید افگن صید گہ میں کھینچ کر خنجر
کہ کتنے رہ گئے جاندار اور بے جان کتنے ہیں

فقط میں ہی نہیں جو آئینہ محو جمال اس کا
کہ ششدر اور بھی کتنے ہیں اور حیران کتنے ہیں

بظاہر سب ہیں انسان لیک باطن کی خدا جانے
کہ ہیں انسان ان میں کتنے اور حیوان کتنے ہیں

سمجھا عشق کو آفت اور اس آفت میں جا پھنسنا
غرض دانا بھی ہم کتنے ہیں اور نادان کتنے ہیں

کسی دن کھینچ کر تیغ استاد کر اپنے بازو کا
کہ دیتے جان کتنے اور بچاتے جان کتنے ہیں

مجھے شکوہ نہیں اس کے ستم کا کوئی کیا جانے
کہ اس میں لطف اس کے کتنے اور احسان کتنے ہیں

ظفر آغوش میں آتے ہی میرے وہ تو گھبرائے
ابھی تو حسرتیں کتنی ہیں اور ارمان کتنے ہیں

جس جگہ ہم ہوں وہاں گر تو نہ ہو تو کچھ نہیں
اور جہاں تو وہاں نہ ہو تو وہاں قابو نہ ہو تو کچھ نہیں

وہ تو سیدھی بات سے بھی کرتے ہیں پہلو تہی
ہم کہیں گر بات بھی پہلو نہ ہو تو کچھ نہیں

تکیہ مخمل کا مرے زانوں کے نیچے ہو نہ ہو
ان کے زانوں پہ مرا زانو نہ ہو تو کچھ نہیں

عشق میں لذت ہے کیا یارو بجز سوز و گداز
لب پہ نالہ چشم میں آنسو نہ ہو تو کچھ نہیں

تن میں مجنوں کے نہیں خوں اور یہ وحشت کا زور
ورنہ انسان میں اگر لہو نہ ہو تو کچھ نہیں

آئینہ کو دل کے ہے جلوے سے تیرے روشنی
اس میں روشن تیرا عکس رو نہ ہو تو کچھ نہیں

بس میں کر لینے کو دل ہوں لاکھ افسوں لاکھ سحر
تیری آنکھوں کا اگر جادو نہ ہو تو کچھ نہیں

منہ سے ہو حق کی تو کیا اے صوفی صافی نہاد
دل میں جب تک ذکر اللہ ہو نہ ہو تو کچھ نہیں

آنکھیں ہیں سینکیں تو کیا تھوڑا سا دان تو بھی جلے
آتشیں رخسار آتش خو نہ ہو تو کچھ نہیں

بے اشارے یار کے کیوں کر چلے تیغ اجل
جب تک اس کی جنبش ابرو نہ ہو تو کچھ نہیں

چاہیے رنگیں مزا جوں کو ظفر اظہار لطف
زیب گل خوشبو سے ہے خوشبو نہ ہو تو کچھ نہیں

تگہ گزری تڑپ تیرا اجل گر بن کے پہلو میں
نہ تڑپے کس طرح دل صید مضطر بن کے پہلو میں

ترے ابرو جو کرتے وار خنجر بن کے پہلو میں
تو مرغ روح کو لے اڑتے شہپر بن کے پہلو میں

جا پہلو مرا آتش کدہ سوز محبت سے
دہے کیونکر نہ دل میرا سمندر بن کے پہلو میں

خدا جانے بنیگیا جان پر اس دل کے ہاتھوں سے
کر گھس بیٹھا ہے دشمن سخت کافر بن کے پہلو میں

بغیر اس گل کے لیتا ہوں جو کروٹ بستر گل پر
تو چبھتی ہے رگ گل میرے نشتر بن کے پہلو میں

لکھے گی لاغری کیا حال میرے صفحہ تن پر
ہوئیں جو پسلیاں موجود مسطر بن کے پہلو میں

یہی تاثیر سوز عشق ہے تو دیکھنا آخر
جلادے گا یہ دل پہلو کو اخگر بن کے پہلو میں

بنا جب ماہ تاباں رخ ترا تو کان کا موتی
ہا تابندہ مہ کے ایک اختر بن کے پہلو میں

نہ پہنچا اس پری تک ہائے مرغ نامہ بر بن کر
رہا دل لوٹتا لوٹن کبوتر بن کے پہلو میں

کہاں تک تمکنت ہاں کچھ تو بول اے سنگدل منہ سے
نہ بیٹھ اتنا بھی تو خاموش پتھر بن کے پہلو

ظفر راحت ہو گر ان کو مری پہلو نشینی سے
رہوں پہلو کا تکیہ میں نہ کیونکر بن کے پہلو میں

بھری ہے دل میں جو حسرت کہوں تو کس سے کہوں
سنے ہے کو مصیبت کہوں تو کس سے کہوں

جو ہو تو صاف تو کچھ میں بھی صاف تجھ سے کہوں
ترے دل میں کدورت کہوں تو کس سے کہوں

نہ کوہکن ہے نہ مجنوں کے تھے مرے ہمدرد
میں اپنا درد محبت کہوں تو کس سے کہوں

دل اس کو آپ دیا آپ ہی پشیماں ہوں
کہ سچ ہے اپنی ندامت کہوں تو کس سے کہوں

کو اس میں جس سے اسے ہووے سنتے ہی وحشت
پھر اپنا قصہ وحشت کہوں تو کس سے کہوں

رہا تو ہی تو غمخوار اے دل غمگیں
ترے سوا غم فرقت کہوں تو کس سے کہوں

جو دوست ہو تو کہوں تجھ سے دوستی کی بات
تجھے تو مجھ سے عداوت کہوں تو کس سے کہوں

نہ مجھ کو کہنے کی طاقت کہوں تو کیا احوال
نہ اس کو سننے کی فرصت کہوں تو کس سے کہوں

کسی کو دیکھتا اتنا نہیں حقیقت میں
ظفر میں اپنی حقیقت کہوں تو کس سے کہوں

شکایتیں ہمیں غماز اور عدو سے نہیں / گلہ ہے دست سے اپنے فقط کسو سے نہیں
جو ہاتھ پہلے ہی دھو بیٹھا آبرو سے نہیں / نماز عشق ادا اس کی وضو سے نہیں
یہ چشم تر مجھے کم ساغر و سبو سے نہیں / کدورے بادہ اگرچہ نہیں کدوے نہیں
برنگ چاک گریبان صبح اے جراح / ہمارے چاک جگر کو غرض رفو سے نہیں
ڈرانا تابش خورشید حشر سے واعظ / زیادہ گرمی رخسار شعلہ خو سے نہیں
بسان شمع سراپا زباں ہیں بزم میں یار / ولے حوش ہیں کچھ کام گفتگو سے نہیں
شگفتگی کی ہوس سے بھرا ہے ہر غنچہ / دل اس چمن میں کوئی خالی آرزو سے نہیں
اچھلتا ہے دل سوزاں سے کیوں وہ سوئے کمر / کمر باندھتا ہے کوئی شعلہ تارمو سے نہیں
کسی کی یاد گلو گیر آج ہے ساقی / اترتا قطرہ مے جو مرے گلو سے نہیں
زیادہ گل تو چلے ہیں ولے ابھی واقف / ہماری خو سے نہیں وہ ہم انکی خو سے نہیں
ملے گا وہ ہی کہ جو ہے نصیب کا اپنے / سوائے رنج کے کچھ سود جستجو سے نہیں

ظفر اس اپنے تصور کے جایئے قرباں
سرکتی یار کی تصویر روبرو سے نہیں

عیاں قطرے پسینے کے ہیں خط سبزہ جاناں میں / تماشا ہے کھلے ہیں موتیا کے پھول ریحاں میں
جگر کو چھان کر ٹھہرے ہوئے قاتل کے مژگاں میں / بھری خوں سے زیادہ آب ان تیروں کے پیکاں میں
چراغ خانہ میں بتی رنگی بہت کر محبت نے / مٹے گا یہ نشاں کب ہے جو دل کے داغ سوزاں میں
اسیری میں ترے دیوانے کی ہے جوش پر وحشت / کئی دن سے جو غل ہوتا ہے برپا روز زنداں میں
کہاں ہیں رونگٹے تھوڑے سے اس کے روئے روشن پر / مگر خط شعاعی ہیں یہ خورشید درخشاں میں
ہنسی سے اس لب لعلیں کے یوں دنداں نظر آئے / در ناسفتہ گویا بھر دیے ہیں درج مرجاں میں
جنوں صد آفریں صد مرحبا شاباش ہے تجھ کو / نہ چھوڑا نام کو اک تار بھی تو نے گریباں میں
نگاہ یار نے اک دم میں دو ٹکڑے کیے دل کے / نہ دیکھا ہم نے کاٹ ایسا کسی شمشیر براں میں
نہ کر برباد میری خاکساری خاک پاہوں میں / مجھے رہنے دے اے باد صبا تو کوئے جاناں میں
تمہارے دل جلے جلتے ہیں زیر خاک بھی دیکھو / دھواں ہے سوز دل سے اٹھ رہا گور غریباں میں

ظفر تیرے سخن کے روبرو کس کا سخن چمکے
سخن کی تاب و طاقت ہی نہیں رہتی سخنداں میں

خواب میں جو نظر آیا وہی بیداری میں / فرق مطلق نہ رہا غفلت ہوشیاری میں
جنس ناکارہ ہستی کی خریدار ہیں ہم / سود ہم جانتے ہیں اپنا زیاں کاری میں
کون مت کش شمشیر اجل ہو قاتل / طاق تیرا خم ابرو بھی ہے خونخواری میں
زلف مشکیں کی ترے بو بلا ہے کافر / مشک حسرت سے ہے خوں نافہ تاتاری میں
جو تری نرگس بیمار کا بیمار ہوا / تا دم مرگ رہا وہ اسی بیماری میں
ہونمک پاش ذرا زخم جگر پر قاتل / ہم بھی جانیں کہ مزا ہے جگر افگاری میں
موجہ آب سے ہے سرد بھی زنجیر بپا / کوئی آزاد نہیں سب ہیں گرفتاری میں
زہد و تقوی یہ تجھی کو مبارک زاہد / خوب گزرے ہے مری مستی و میخواری میں

اے ظفر چاہیے بندے کو گنہ سے پرہیز
ورنہ کچھ شک نہیں غفار کی غفاری میں

پاس اپنے اس کو کیونکہ بتدبیر کھینچ لوں
گر خواب میں بھی دیکھو تو تصویر کھینچ لوں

جتنا کھینچا وہ اتنا ہی اپنی طرف اسے
ہووے کشش میں دل کی جو تاثیر کھینچ لوں

روزن ہے بند سینے کا سوفار تیر سے
سینے سے اپنے کیونکہ ترا تیر کھینچ لوں

چاہے زلف یار کر اپنے دام میں
دل کو مثال مرغ ہوا گیر کھینچ لوں

زنداں میں کیا چھپے ہے کہے ہے مجھے جنوں
چاہوں تو میں تجھے مع زنجیر کھینچ لوں

دیکھا نہیں ارم کو پر اس گھر کو دیکھ کر
میں واں کا سارا نقشہ تعمیر کھینچ لوں

آخر تو جان صبح کو کر جائے گی سفر
دو چار اور نالہ شب گیر کھینچ لوں

جلد آکے یاں ارادہ دست قضا ہے یہ
میں تن سے روح عاشق دلگیر کھینچ لوں

اللہ ری تشنگی کہ لب زخم دل مرا
چاہے ہے آب خنجر و شمشیر کھینچ لوں

میں وہ قلندری ہوں کہ جذبہ کروں تو پھر
ساری کرامت فلک پیر کھینچ لوں

انجم کی روز نوکی تری راست دیکھ کر
کیوں دل سے آہ ہو گے نہ دلگیر کھینچ لوں

تیرا ارادہ یہ ہے کہ سارے جہان کو
میں جنتری میں اے فلک پیر کھینچ لوں

یہ کیا غزل ہے جس کو لکھوں سوچ کر ظفر
جس دم کروں اردہ تحریر کھینچ لوں

نہ عکس ابروئے خم دار ڈال پانی میں
اتر پڑے گا فلک سے ہلال پانی میں

وفور اشک میں مژگاں کو دیکھ حیراں ہوں
کہ خشک کیونکہ ہوئے یہ نہال پانی میں

ہر اک حباب ہو مانند اختر پر نور
پڑے جو عکس رخ مہ جمال پانی میں

ہے ابھی تہ دریا صدف برنگ عقیق
جو پان کھا کے وہ پھینکے اگال پانی میں

کیا ہے جنگ کا ساماں کس سے دریا نے
کہ موج تیغ ہے گرداب ڈھال پانی میں

نہیں ہے فرصت یکدم پہ سرکشی زیبا
کہو حباب کو سر مت نکال پانی میں

سرشک تر میں نہیں لخت دل ظفر تیرے
بہائے ہم نے کنوں لال لال پانی میں

ہمدمو تم میری حالت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں
دیکھ لو چہرے کی رنگ مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

تھی جو تم بن شب کو آفت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں
شب تھی یا روز قیامت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

دل سے دل کو راہ ہے دل ہی سے اپنے پوچھیے
دل کو جو ہے تم سے الفت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

آنکھ اٹھا کر بھی جو دیکھوں میں تو دکھلاتے ہیں آنکھ
ان کی کچھ چشم عنایت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

کون کہتا ہے انا الحق کون کہتا ہے نہ کہہ
کیا کہوں میں یہ حقیقت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

درد یہ پوچھو تو ہاں میرے دل پہ درد سے
اے طبیبوں درد فرقت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

میں جو ہوں سمجھا ہوا جان اپنی تم کو تم اسے
جان لو گے وقت رخصت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

حضرت یوسف ہی منصف ہوں تو انسے پوچھئے
تم ہو جیسے خوبصورت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

ڈالتے ہیں چاک میرے سینہ صافی پہ وہ صاف
کیا کہوں اس کی کدورت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

مجھ سے پوچھو گے تو جو گزری وہی کہہ دوں گا میں
اس کو گر سمجھو شکایت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

کرتے ہیں کیا کیا وہ پردہ دری کا غیر کی
ہے یہ پردے میں عداوت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

جو گرہ میں زلف کی ہو اس پہ سودا کیجیے
میری جنس دل کی قیمت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

دے کے اپنا دل ظفر اس دشمن آرام کو
مجھ پہ جو گزری مصیبت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

اک دم میں ضرب نالہ سے پتھر کو توڑ دوں
پتھر تو کیا کہ سد سکندر کو توڑ دوں

پہلو میں اپنے شہپر خنجر کو توڑ دوں
گویا کہ مرغ روح سے شہپر کو توڑ دوں

خون جگر سے لعل کا بھی مول دوں بہا
آ کر آنسوؤں سے قیمت گوہر کو توڑ دوں

جوڑا اترا بلا ہے کہے ہے کہ دل تو کیا
ماروں جو مشت کلہ اژدر کو توڑدوں

دیوانہ ہو کے تیرا کہے صاف آئینہ
زنجیر و طوق و حلقہ جو ہر کو توڑ دوں

ہمسفر ہو تیری ابروئے پرخم سے گر کماں
شاخ کمان و دست کما نگر کو توڑ دوں

جی چاہتا ہے اپنا لگاؤں گلے سے میں
بند قبائے شوخ سمن بر کو توڑ دوں

کیا دشمنی ہے فلک کرم سے کہے ہے چرخ
یاں تک جھکاؤں شاخ ثمر ور کو توڑدوں

توڑا دل اس صنم نے نہ آیا اسے خیال
ہے گھر خدا کا کیونکہ میں اس گھر کو توڑ دوں

ناچار ہوں تری صف مژگاں سے ورنہ یار
وہ صف شکن ہوں میں صف لشکر کو توڑ دوں

گو نا تواں ہوں پر ظفر اک تیر آہ سے
نہ تا بہ سپہر مدور کو توڑ دوں

محبت کی کوئی اب آنکھ تجھ سے ہم چراتے ہیں
علم ہوں گرچہ سو شمشیر کیں کب دم چراتے ہیں

چرائے کوئی کالا چور دل کی ہم نہ کھوئیں گے
کہ تیرے خال رخ اور گیسوئے پرخم چراتے ہیں

نسیم صبح کے جھونکے ہیں بادی چور وہ بلبل
کہ گلشن میں زر گل اور در شبنم چراتے ہیں

نہیں شمشیر سے جن کی جھپکتی آنکھ میداں میں
نظر وہ دیکھ تیرا ابرو پرخم چراتے ہیں

نہ روکوں کب تلک اشکوں کو اوروں کو تو ڈر یہ ہے
کہ پانی زخم دل اے دیدہ پرنم چراتے ہیں

یہ طفل اشک ہیں وہ بال باندھے چور مژگاں پر
کہ آنکھوں میں سے کاجل دیکھ تو ہیم چراتے ہیں

ظفر سر عاشق سر باز دیتے ہیں محبت میں
وگرنہ جان اپنی یاں بڑے رستم چراتے ہیں

سحر کا نور مجھ کو دونوں رخسارے پری رو ہیں
شب دیجور میرے حق میں اس کافر کے گیسو ہیں

وہ رخ پر قطرہ افشاں کب عرق آلودہ گیسو ہیں
اٹھا کر دیتے پانی صبح دم سورج کو ہندو ہیں

رہے ہے عالم بالا پہ بھی غم تیرے غمگیں کا
ستارے مت سمجھ یہ دیدہ گردوں میں آنسو ہیں

نظر آتا ہے رنگیں تختہ گلہائے محبت کا
جب اپنا دیکھتے ہم دامن قاتل پہ لہو ہیں

دکھاتے جو ہر تیغ ستم ہیں ہم کو اس ڈھب سے
نہیں غیروں پہ ہوتے دم بدم وہ چیں بر ابرو ہیں

دل پر داغ سے میرے تمہاری آنکھ لڑتی ہے
تماشا ہے کہ چیتے ہیں لڑاتے آپ آہو ہیں

کہیں زانو بزانوں ایک دن بیٹھے تھے ساتھ اسکے
ہم اس دن سے ہمیشہ کنج غم میں سر بزانو ہیں

لگاؤں اپنی آنکھوں میں نہ کاجل بڑھ کے تم افسوں
انہیں درکار کیا جادو کہ یہ تو آپ جادو ہیں

ظفر وہ آگئے ہیں اس قدر قابو میں غیروں کے
نہیں قابو پہ چڑھتے ڈھونڈھتے ہم اپنا قابو ہیں

دم تڑپ کر دے جو پائے قاتل طناز میں
قن اس کی نعش کو کر فرش پا انداز میں

سر حق نکلے ہیں کیا نے کی ہوا آواز میں
بندھ رہی ہیں لیکیں جو شے ہے وہی ہر ناز میں

دم بدم تیری محبت کا بھرے جاوے گا دم
جب تلک ہے جان تیرے عاشق جانباز میں

رخصت پرواز تو صیاد تو دیتا نہیں
طاقت پرواز پر کب ہے پر پرواز میں

روبرو اس تاب رخ کے تھا نہ مہتابی پہ رات
فرق کچھ مہتاب اور مہتاب آتش باز میں

چشم فتاں سامری عیسیٰ لب جان بخش یار
طاق وہ جادو گری میں فرد یہ اعجاز میں

ہر قدم پہ فتنۂ محشر کو ٹھکرائے ظفر
ہے وہ فتنہ اس ستم گر کی خرام ناز میں

سو ر عاجز کی طرف دیکھ کے چل رستے میں
ناتوانوں کو تو پاؤں میں نہ مل رستے میں

ہم سے وہ چھپ کے چلے تھے طرف خانہ غیر
ہم نے بھی جا ہی لیا بھیس بدل رستے میں

خانہ چشم سے آجائے مژہ تک آنسو
طفل ابتر جو یہ جائے نہ مچل رستے میں

تے تو ہم جائیں گے دنیا سے متاع ایمان
نفس شیطان بھی ہیں پر دو زو دغل رستے میں

ہے مرے گریہ سے تریار کی خاک سرراہ
پاؤں اس کا کہیں جاوے نہ پھسل رستے میں

منتظر لب پہ ہے کب سے ترے بیمار کا کام
آتے آتے گئی کیا ٹھہر اجل رستے میں

دل کا یہ حال ہوا مانگ میں چلتے چلتے
جیسے ہو جائے مسافر کوئی شل رستے میں

ہم بھی وہ سنتے ہوئے آئے تھے پیچھے پیچھے
تھی جو غیروں سے تری رد و بدل رستے میں

پہنچے گا نامہ جانسوز مرا واں کیوں کر
کر پر و بال کبوتر گئے جل رستے میں

قطرہ خون کف پا سے ہے سر خار جنوں
خوب روشن کے مجنوں نے کنول رستے میں

حسب حال اپنے دکھاؤں اسے کیونکر اشعار
جی میں ہے پھینک دوں اک لکھ کے غزل رستے میں

نامہ بر جاتا ہے کیا قاتل سفاک کے پاس
دم ترا جائے گا ہیبت سے نکل رستے میں

جا لگیں گھات پہ ہم آج وہیں پھر اے دل
ل گئے تھے ہمیں جس جا پہ وہ کل رستے میں

آنے پاتا ہی نہیں پھر کے عدم سے کوئی
کس سے پوچھیں کہ ہے کیا خوف و خلل رستے میں

نفس کو مار کے تا منزل مقصود پہنچ
سر کو اس افعی رہزن کے کچل رستے میں

منزل عشق کے دو پائے نشان فرسنگ
اے ظفر ایک ابد ایک ازل رستے میں

اتنی تو تاثیر رکھے عشق بلبل باغ میں
یاں قفس میں پر جھڑیں تو واں جھڑیں گل باغ میں

زلف اس کی پرشکن سے کیا بلا کرتی ہے تل
دیکھ کھائے گی شکستیں شاخ سنبل باغ میں

نیم وا ہوتے ہی تیرے لب کے اے غنچہ دہن
غنچہ ہائے گل کے عقدے کھل گئے کل باغ میں

روبرو اس بادہ کش کے جوش کیفیت سے آج
سرو مینا ہے تو گل ہے ساغر ل باغ میں

پہنچے اس گل تک مری رگ رگ کی یارب بامرد
ور صبا جاوے ہمیشہ بے تامل باغ میں

جلوہ قامت کو تیری دیکھ کر اے سرو ناز
کیا قیامت ڈالتی ہیں قمریاں غل باغ میں

جا بجا ہے یہ جو گل طرے کے پھولوں کا ہجوم
ڈن ہیں کیا کشتگان زلف و کاکل باغ میں

دیکھتے ہیں اس گل خوبی کی ہم شان جمال
کیا دکھاتی ہے بہار اپنا تجمل باغ میں

کردیا باد بہاری نے زرگل لا کے ڈھیر
جبکہ وہ رشک چمن بیٹھا ظفر ل باغ میں

جس نے کہ دیکھی ہوویں تیغوں کی پسلیاں
دیکھے وہ تیرے عاشق مقتوں کی پسلیاں

صدمے سے میرے نالے کے آخر نکل پڑیں
تار خطوط مہر سے گردوں کی پسلیاں

ہے ریگ دشت پر جو خط موج سے اتو
وحشت دکھائے ہے مجھے ہاموں کی پسلیاں

لہروں کو دیکھ دیکھ کر پانی کی بادہ کش
سمجھے نشے کی لہر میں بیجو کی پسلیاں

عاقل کو گوشۂ میں بھی کرتے تنگ گر فلک
خم کی بغل میں توڑے فلاطوں کی پسلیاں

ہیں گنج و زر و مال سر دوش تا بحشر
کیا کیتی ہوں گی بوجھ سے قاروں کی پسلیاں

تھا جس زمیں پہ قبض و تصرف وہی زمیں
توڑے ہے بعد رگ فریدوں کی پسلیاں

لاغر ہے یہ کہ جوں خط مسطر جدا جدا
پہلو نشیں گنے تیرے محزوں کی پسلیاں

رحم اس تن حقیر پہ شیشہ کی محتسب
ظاہر ہے موج بادہ گلگوں کی پسلیاں

دل کی طپش بلائے ہے مژگاں کی طرح سے
تیرے مریض چشم پہ افسوں کی پسلیاں

ترکیب میں ہے جس کے سخن میں خلل ظفر
توڑیں ہیں اس نے معنی و مضموں کی پسلیاں

مجھ کو وہ زلفیں بلا سے اپنے بس میں کھینچ لیں
پر مرے دل کی کہیں کافر نہ تسمیں کھینچ لیں

دے اگر پروانگی صیاد تو دل کھول کر
ور بھی دو چار نالے ہم قفس میں کھینچ لیں

سوئے جسم زار سے سرکش ہوں شعلے عشق کے
کھینچا ہو جتنا سراس خار و خس میں کھینچ لیں

کھینچ کر آہ رسا کو دل سے گر ماریں کمند
نہ فلک کو ہم زمیں پر اک نفس میں کھینچ لیں

کھینچ لیں پل میں تصور سے جو ہم تصویر یار
منہ ہے کیا گر وہ مصور سو برس میں کھینچ لیں

کس کے دل میں یہ کشش جو کھینچے اس کافر کا دل
رنج جن کو کھینچنے ہوں اس ہوس میں کھینچ لیں

اک دو کی شرم کیا ہم وہ ہیں مست شوق وصل
اے ظفر ان کو پکڑ کر ہاتھ دس میں کھینچ لیں

دل جلاتے شعلۂ رخ سے ہیں گیسو آگ میں
زندہ کو جوں مردہ کیوں پھونکے ہیں ہندو آگ میں

آب گریہ سے نہیں بجھنے کا مرا سوز دل
کام روغن کا کریں گے پلک آنسو آگ میں

یہ ہمیں ہیں عشق کی آتش میں جو یوں گر پڑے
کودنے کا ہر کسو کو کب ہے قابو آگ میں

گرئ مضمون سوز دل ہے نامے میں مرے
اے کبوتر تیرا جل جاوے نہ بازو آگ میں

روئے آتش ناک پر زلف معنبر کی شمیم
یوں کھلے جس طرح سے عنبر کی خوشبو آگ میں

ہے تن لاغر کا میرے آتش غم میں یہ حال
کھائے پیچ و تاب جل کر جس طرح مو آگ میں

ہے دل بے تاب سوز عشق سے سرگرم جست
لگ گئے سیماب کو پر اے پریرو آگ میں

شمع کی لو کھینچ کر لے تو گئی پر خوف سے
ہو گیا تھا خشک پر وہیں کا لہو آگ میں

آہ موزوں سے دل پر سوز میں اعجاز عشق
ورنہ پیدا کیونکر و سرو لب جو آگ میں

سو جو لیلیٰ دشت میں آتش فشاں مجنوں کی آہ
ناقہ آتش قدم ہوتا نہ اتو آگ میں

لوٹتا بجھ بن ہوں انگاروں پہ جو سیخ کباب
کس مزے سے میں بدل کر اپنا پہلو آگ میں

وہ کے مائل شمع رخساروں پہ کیوں بے فائدہ
دیدہ و دانستہ گرتا ہے ظفر تو آگ میں

لینے بوسہ خال لب جو پاس ہم ان کے آتے ہیں
بوسے تو وہ دیتے نہیں پر کالے تل چھواتے ہیں
دام خط سبز میں تم مت آنا سبز رنگوں کے
یہ تو باغ سبز تمہیں اے حضرت دل دکھلاتے ہیں
شب کو گرچہ ہوا سے بھی درواز ان کا کھڑکے ہے
کیا کیا اپنے درباں کو وہ اٹھ کے سحر کھڑکاتے ہیں
دل میں نگاہ کرم سے اپنی آگ لگا کر آتش خو
جنبش دامن مژگاں سے پھر اور سوا بھڑکاتے ہیں
یوں تو سوا وہ گھر سے باہر جاتے نہیں اک مدت سے
لیکن گھوڑے کاغذ کے گھر بیٹھے وہ دوڑاتے ہیں
تار زلف میں ہیں کیا کافر پیچ و تاب محبت کے
دل ہے الجھتا اور زیادہ جوں جوں ہم سلجھاتے ہیں
مارتے ہیں پر دام و قفس کو ایک ذرا جو ہم تو ابھی
ہاتھوں سے صیاد کے گویا طوطے سے اڑ جاتے ہیں
تار بسر میرے حق میں یارو مار بستر ہے
کیونکہ کاٹوں رات کہ مجھ کو یہ تو کاٹے کھاتے ہیں
ناز و غمزہ آفت گر ہیں تیغ ادا کے جنقل گر
کیا کیا قتل عاشق پر وہ اس کو ظفر چمکاتے ہیں

جب کبھی دریا میں ہوتے سایۂ افگن آپ ہیں
فلس ماہی کو بناتے ماہ روشن آپ ہیں

سیتے ہیں سوزن سے چاک سینہ کیا اے چارہ ساز
خار ہم سینے میں اپنے مثل سوزاں آپ ہیں

پیار سے کر کے حمائل غیر کی گردن میں ہاتھ
مارتے تیغ ستم سے مجھ کو گردن آپ ہیں

کھینچ کر آنکھوں میں اپنی سرمہ و دنبالہ دار
کرتے پیدا سحر سے نرگس میں سوسن آپ ہیں

دیکھ کر صحرا میں مجھ کو پہلے گھبرایا تھا قیس
پھر جو پہچانا تو بولا حضرت من آپ ہیں

جی دھڑکتا ہے کہیں نار رگ گل چبھ نہ جائے
سیج پر پھولوں کی کرتے قصد خفتن آپ ہیں

کیا مزا ہے تیغ قاتل میں کہ اکثر صید عشق
آن کر اس پر رگڑتے اپنی گردن آپ ہیں

مجھ سے تم کیا پوچھتے ہو کیسے ہیں ہم کیا کہیں

مجھ سے تم کیا پوچھتے ہو کیسے ہیں ہم کیا کہیں
جی ہی جانے ہے کہ جیسے مشفق من آپ ہیں

پر غرور و پر تکبر پر جفا و پر ستم
پر فریب و پر دغا پر مکو پر فن آپ ہیں

لم پیشہ ، ظلم شیوہ ، ظلم ران و ظلم دست
دشمن دل دشمن جان دشمن تن آپ ہیں

یکہ تازو نیزہ بازو عربدہ جو تند خو
تیغ زن دشنہ گذار و ناوک افگن آپ ہیں

تسمہ کش طراز و غارت گرتا راج ساز
کافر یغمائی و قزاق رہزن آپ ہیں

فتنہ جو بیداد گر سفاک و ظلم کینہ ور
گرم جنگ و گرم کشتن آپ ہیں

بد مزاج و بد دماغ و بد شعار و بدسلوک
بدطریق و بدزباں بد عہد و بدظن آپ ہیں

بے مروت بے وفا نا مہرباں نا آشنا
میرے قاتل میرے حاسد میرے دشمن آپ ہیں

اے ظفر کیا پائے قاتل کے ہے بوسے کی ہوس
یوں سو بسمل ہو کے سرگرم طپیدن آپ ہیں

دکھائی دی ہمیں کیفیت کونین ہستی میں
نظر آیا خدائی کا تماشا بت پرستی میں

نہ کچھ باد خزاں سے کام نے باد بہاری سے
کہ میں شکل گل تصویر ہوں اس باغ ہستی میں

بتا تو اے پری وش تیرا دیوانہ کہاں جائے
نہ ویرانے میں دل لگتا ہے اس کا اور نہ بستی میں

نہ کر تو سرکشی غافل برنگ آب فوارہ
کہ لائے گی یہ تیری سر بلندی تجھ کو پستی میں

نہ ہوا تنگدستی کا کرے متحمل جاں کو
کہ ہے نقصان حاکم ملک کی بے بندوبستی میں

خدا نے وسیع دامن ہمت کی عطا جس کو
نہیں ہونے کا ہرگز تنگدل وہ تنگدستی میں

کرے صوفی بھی کیا کیا اے ظفر پھر رقص مستانہ
دکھائے گردش چشم اپنی گروہ عین مستی میں

دل بیتاب کو ہم کیونکہ سنبھالے جاویں
کوچہ صبر سے ڈر ہے نہ نکالے جاویں

ان کے گھر جائیں اگر ہم تو نکالے جاویں
ور وہ غیر کو یوں گھر سے بلالے جاویں

ہیں یہ دزدیدہ نگاہیں تری کافر وہ چور
آنکھوں آنکھوں ہی میں جو دل کو چرالے جاویں

پھر وہ بدمست گیا باغ میں ڈر ہے مجھ
کہ گلوں کے نہ کہیں لوٹ پیالے جاویں

یوں تو جاسکتا نہیں ضعف سے میں تا دریار
میرے آنسو ہی مگر مجھ کو بہالے جاویں

اے کماں دار لگا تیر محبت ایسا
ترے قربان تیرے چاہنے والے جاویں

ہم سے وہ روٹھ گئے ہیں کوئی ان سے پوچھو
کہ جو مرضی ہو تو ہم آکے منا لے جاویں

آج میں اپنی محبت کو اگر دکھلاؤں
تو ابھی عرش بریں تک مرے نالے جاویں

صدمہ پہنچے نہ پہنچے کوئی ان سے کہہ دو
گل بازی کو نہ ہاتھوں سے اچھالے جاویں

حال مگر جی میں ہمارے بھی آتا ہے کہ ہم
دست گل خوردہ سے گلدستہ بنالے جاویں

کرکے گلگشت گلستان محبت کا ظفر
تحفہ اس گل کے لیے اور تو کیا لے جاویں

دیکھے حسن اپنا جو وہ آئینہ لے کر ہاتھ میں
روشنی پائے ید بیضا سے بہتر ہاتھ میں

ہوش اڑے صیاد کے جس دم پھڑک کر ہاتھ میں
چھوٹ گئے ہم ہاتھ سے اور وہ گئے پر ہاتھ میں

تیری مژگاں وہ چھلاوا ہیں جنھوں نے رات بھر
اشک خونیں سے اچھالے لیکر اخگر ہاتھ میں

مار بچھو کب بچے ہے ناف کی سیلی سے ہاتھ
سانپ کو پکڑا ہے ہم نے پڑھ کے منتر ہاتھ میں

مژدہ اے صید محبت ذبح کرنے کو ترے
آستیں اس نے چڑھائیں لے کے خنجر ہاتھ میں

طائر رنگ حنا بھی کچھ رہا تو اے نگار
پر رہا مرغ دل وحشی نہ دم بھر ہاتھ میں

ہاتھ رکھے نبض پر گر اس تپ غم میں طبیب
آبلے پڑ جائیں گرمی سے مقرر ہاتھ میں

تل بے تاثیر محبت ہو رواں مجنوں کا خون
گر لگے لیلیٰ کے اے فصاد نشتر ہاتھ میں

اے پری ہے تیرے دیوانے کو پھر جوش و خروش
ہر طرف لڑکے لئے پھرتے ہیں پتھر ہاتھ میں

پاس ہے سرمایہ غواصی دریائے عشق
سنگریزے ہوں اگر آ جائیں گوہر ہاتھ میں

ہو برنگ گل زرافشاں کچھ اسی میں ہے بہار
مت دبا رکھ غنچہ ساں اے تنگدل زر ہاتھ میں

یہ غزل کیا یک قلم تو نے لکھی اے ظفر
منہ ہے کیا پکڑے قلم کوئی سخنور ہاتھ میں

عیاں آئینے میں کب وہ مہ سے زیر ابرو ہیں
مگر بیٹھے وہ جینے کے لیے دریا میں رو ہو میں

تری آنکھوں میں ہے وحشی نگہ تحریر سرمے کی
کہ رکھتی سرمئی ڈورے گلے میں بہر جادو ہیں

تماشا ہے لگے ہیں موتیے کے پھول سنبل میں اے چمن
پڑے قطرے جو پانی کے سر زلف سمن بو ہیں

جاؤں کیا تجھ بن بڑے آسیب پہنچے ہیں
کہ آتے بن ترے پیکر نظر سرو لب جو ہیں

دل شامت زدہ آ جائے ہے جو پیچ میں ناگ کے
تو اپنا ہی سمجھ کر کھیلتے وہ مار گیسو ہیں

غضب ہے زہر آنکھوں میں ترے تاثیر سے جن کی
جو انکی سرمے کا دنبالہ ہے، مژگاں بھی بچھو ہیں

ظفر ہاروت کو آتا تھا کیا اور سامری کو کیا
سکھائے نرگس جادو نے اس کی سب کو جادو ہیں

لوگ کہتے ہیں کہ وہ تم سے قریں رہتے ہیں
واہ ری بے خبری ہم بھی یہیں رہتے ہیں

کیا خطا میری کہ جو ترے خط چیں جبیں
کھینچتے تیغ ستم خنجر کہیں رہتے ہیں

رہتے اک جا نہیں آوارہ ترے جوں خورشید
صبح رہتے ہیں کہیں شام کہیں رہتے ہیں

جلوہ دکھلاوے کبھی اپنا اٹھا کر پردہ
تیرے مشتاق ہم اے پردہ نشیں رہتے ہیں

دل میں بستے ہیں ہمارے صنم کافر کیش
خانہ کعبہ میں یہ دشمن دیں رہتے ہیں

ساتھ لے جاتے ہیں جو خاک میں بیتابی دل
خاک آرام سے وہ زیر زمیں رہتے ہیں

وسعت آباد جہاں میں ہے جنہیں خواہش نام
گھر میں بھی تنگ و مانند نگیں رہتے ہیں

بحر پر موج کو کیا خاک گنیں دریا دل
اہل بخشش بھی کہیں چیں بجبیں رہتے ہیں

چٹکیاں لیتی ہیں دل میں تری کافر نگہیں
ہاتھ نچلے کبھو مژگاں کے نہیں رہتے ہیں

تم کبھی راہ پہ بھی آؤ کہ جوں نقش قدم
چشم بر راہ کئی خاک نشیں رہتے ہیں

شور و فریاد سے دلہائے ستم کش کے ظفر
روز ہنگامے سر چرخ بریں رہتے ہیں

بہ ب کعبہ کعبے سے غرض رکھتے نہیں ہم ہیں
کہ محراب عبادت اپنی وہ ابروے پرخم ہیں

زیادہ عشق کی آتش اگر بڑھکے تو جلنے میں
ہمارے استخواں کو کچھ خشک ہیزم سے نہیں کم ہیں

نہیں ہے کنج تنہائی میں اپنا کوئی بھی مونس
مگر درد جگر ہمدرد و آہ نالہ ہمدم ہیں

بناتے ہیں ذقن کے پاس جب وہ خال کاجل کا
ہلال اس کو سمجھتے ہیں قریب چاہ زمزم ہیں

دم تیغ محبت پرتری دیتے ہیں دم اپنا
ارے دم باز بھرتے دیکھ ہم یوں عشق کے دم ہیں

دم تیغ صفا ہانی کو ان کے آگے کیا رتبہ
تمہاری ابروؤں کے او میاں کچھ اور ہی خم ہیں

شب فرقت کا رونا کیا کہوں میں اس قدر رویا
وفور اشک خوں سے جیب و دامن اب تلک نم ہیں

محبت کے مرے کو جانتے ہیں بس وہی عاشق
کہ لیتے زخم دل پہ جو نمک سے کار مرہم ہیں

تصور ہونے دیتا ہے جدا کب اے ظفر دم بھر
یہاں ہم ہیں وہاں وہ ہیں جہاں وہ ہیں وہاں ہم ہیں

کشش سے دل کی جو میں تم کو اے صنم کھینچوں
خیال سے تری تصویر بے قلم کھینچوں

پھپھولے سینہ سے پڑ جائیں کیوں نہ تابہ گلو
دل برشتہ سے جو آہ دم بدم کھینچوں

اگر وہ مجھ سے کشیدہ ہو بولنے سے میرے
نہ بولوں حشر تلک میں ایسا دم کھینچوں

جو اس کے تو گل رخسار سے مقابلہ ہو
تو پوست تیرا میں اے لالہ ارم کھینچوں

تمام روز نہ ہو آفتاب میں گرمی
صبا جو میں نفس سرد صبح دم کھینچو

نہ آیا رحم تجھے دل پہ چین ابروئے یار
کہ اس نحیف پہ کیا خنجر ستم کھینچوں

جو کھینچوں کلک تصور سے یار کی تصویر
ظفر مرقع مانی پہ میں قلم کھینچوں

یہ دل نقطہ جو نالے کھینچتے گھر سے نکلتے ہیں
شرر کی جائے شعلے در کے پتھر سے نکلتے ہیں

جگر میں اس قدر کرتے ہیں کاوش خار غم
کہ تن پہ رونگٹے بھی میرے نشتر سے نکلتے ہیں

تجمل کیونکر نہ ہووے غنچہ شگفتہ میں شبنم
اسی میں وہ چمکتے دانت گوہر سے نکلتے ہیں

بکا کرتے ہیں ہم جس سرزمیں پہ اشک خونیں سے
تو واں کے کنکر یاقوت احمر سے نکلتے ہیں

عجب کیا ہوئے آتشدیدہ مژگاں میرے بن جائیں
کہ اشک آتشیں اس دیدہ تر سے نکلتے ہیں

میرے پاؤں کے چھالے ہیں ہوئے خار کب سرکش
علم بردار یہ وحشت کے لشکر سے نکلتے ہیں

نکلتے چشم سے ہیں اشک خوں یا لال انگارے
بجائے دانہ اسپند مجمر سے نکلتے ہیں

ظفر شعر و سخن سے راز دل کیونکر نہ ظاہر ہو
کہ یہ مضمون سارے دل کے اندر سے نکلتے ہیں

ترے پانے کا ڈھب اے یار ہم گم ہو کے سیکھے ہیں
یہ ہاں سچ ہے کہ جو سیکھے ہیں کچھ وہ کھو کے سیکھے ہیں

لگانا غوطہ دریائے محبت میں نہیں آساں
مگر یہ ہاتھ اپنی جان سے ہم دھو کے سیکھے ہیں

سنا تھا آج تک منہ سے نہ ان کے حرف بد ہم نے
خدا جانے سکھائے سے وہ کس بدگو کے سیکھے ہیں

سکھایا تو سہی لہو زو گداز دل محبت نے
برنگ شمع لیکن ہم بہت رو رو کے سیکھے ہیں

کہاں آتی ہے شوخی و شرارت برق کو ایسی
مگر انداز کچھ اس شوخ آتش خو کے سیکھے ہیں

مجھی سا کوئی ہوگا باولا صحرائے وحشت میں
اڑاتی خاک جس سے یہ ہوا کے جھوکے سیکھے ہیں

سکھائیں سب ہمیں جاں کا دیاں عشق و محبت نے
ظفر سیکھے ہیں جو ہم فیض سے اس در کے سیکھے ہیں

ناقوس و جرس میں ہے نہ یہ نالہ ہے نے میں
آوازہ حق ہے تو کسی اور ہی شے میں

دکھلائے اگر اپنے وہ لعل لب میگوں
نے گل میں رہے رنگ نہ مستی رہے مے میں

اے مطربوس نغمہ سلائی نہ کرو تم
یاں اور ہی عالم ہے مرے آہ کی لے میں

کچھ دیدہ دل ہی میں نہیں یار سمایا
وہ جان ہے اور جان ہے ساری رگ و پے میں

افسردگی دل ہے بہار چمن اپنی
جوش گل اردی ہے ظفر موسم دے میں

اشک چشم سرمہ سا دیکھ آئینے کی آب میں
مرغ آبی نے دیے بیٹھے ہیں کیا تالاب میں

حسن یوسف کو ہے کیا نسبت جمال یار سے
یہ زلیخا نے کبھی دیکھا نہ ہوگا خواب میں

گرم جوشی یاد جو آئی تری اے شعلہ خو
شمع ساں کیا کیا جلے ہم محفل احباب میں

اس نگاہ مست کی کچھ مجھ سے کیفیت نہ پوچھ
ساقیا دیکھی نہ یہ مستی شراب ناب میں

کام سب تقدیر پہ ہے مگر تدبیر شرط
کچھ سبب بھی چاہئے اس عالم اسباب میں

پیش آ تعظیم سے جو سب جھکیں تیری طرف
کون پھر سجدہ کرے گر خم نہ ہو محراب میں

سوز غم سے کیا کہوں حال دل پر اضطراب
اے ظفر آتش لگی ہے معدن سیماب میں

مانگ ہے یا کوئی سیدھی راہ ہے ظلمات میں
یا عیاں ہے کہکشاں کا خط اندھیری رات میں

بجھ گئے ہم جل کے خاکستر بھی پر اے شعلہ خو
اب تلک وہی شرارت ہے تری ہر بات میں

اے صنم ساری پہ روپوں سے ہے تو نام خدا
ہے زیادہ ناز میں شوخی میں چھب میں گات ہے

دیکھیے کب داؤں پہ چڑھتا ہے وہ آہ نگاہ
لگ رہے ہیں ایک مدت سے ہم اس کی گھات میں

اپنی صورت دیکھ کر آئینے کو دیکھے ہے کیا
تو شبیہ یوسف کنعاں کو تصویرات میں

یوں مرے گریے سے اس کے رخ پہ نکلا خط سبز
سبزہ ہو جاوے ہے پیدا جس طرح برسات میں

آفت جاں ہے دلاوہ غمزہ و ناز و ادا
دیدہ و دانستہ کیوں پھنستا ہے تو آفات میں

مہرہ شطرنج کی صورت بساط و ہر پہ
مر گئے کتنے ہی اس دنیا کی برد و مات میں

کیا حقیقت و اصلان حق کی پوچھے ہے ظفر
ہو گئے ہیں محو بالکل وہ تو اس کی ذات میں

ہوا کیوں ہجر کا غم چار باری ہر مہینے میں
عجب ہے ہو محرم چار باری ہر مہینے میں

اگر وہ آٹھویں دن بھی قدم رنجہ کریں گھر میں
تو مل جائیں گے ہمدم چار باری ہر مہینے میں

نہ بھیجا ایک بھی اس نے جواب اے نامہ بر ہم نے
لکھے خط چار پیہم چار باری ہر مہینے میں

مہینوں میں نہ اچھا زخم دل ہو چارہ سازوں سے
اگر بدلیں وہ مرہم چار باری ہر مہینے میں

نہیں ہے روز جمعہ کا دبستان محبت میں
کہ چھوٹیں قید سے ہم چار باری ہر مہینے میں

ہوا چوتھے مہینے بھی نہ جانا واں کا اک باری
ارادہ تھا مصمم چار باری ہر مہینے میں

رہیں بارہ مہینے یاں جھڑے برسات کے نالے
جو ہم ہوں چشم پرنم چار باری ہرمہینے میں

نہ ہو جوش جنوں کم تو بھی ہرگز تیرے مجنوں کا
اگرچہ ہو لہو کم چار باری ہر مہینے میں

جو بعد از چار سال آئے ظفر وہ دو مہینے کو
تو ہووے مجھ سے برہم چار باری ہر مہینے میں

چشم و مژگاں کیا کہوں کیا اس بت دلجو کی ہیں
وہ اگر آہو ہیں تو یہ پسلیاں آہو کی ہیں

سول لیتی ہیں لڑائی یار سے لڑ لڑکے یہ
کیا کہوں یارو نہیں آنکھیں مری قابو کی ہیں

گھنڈیاں یا قوت کی ہیں آستین یار پر
یا پڑیں بوندیں کسی بدلوح کے لوہو کی ہیں

چاند کے منہ پر پڑیں ہیں چھائیاں سی رشک سے
رخ پہ وہ پرچھائیاں جو زلف اور گیسو کی ہیں

اور آوے کون یاں رونا بھی اب آتا نہیں
رہتی آنکھیں منتظر دو دو پہر آنسو کی ہیں

میرے حق میں کم نہیں اک اک ہلال عید سے
یہ خراشیں دل پہ جو اس ناخن ابرو کی ہیں

سینکڑوں ہر سطر مژگاں میں ہیں نسخے سحر کے
آنکھیں وہ کیا ہیں بیاضیں اے ظفر جادو کی ہیں

دیگر

جو دل کو دل کی خبر واں نہیں تو یہاں بھی نہیں
یہ دل محبت اگر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

وہ آپ آتے نہیں تو ہمیں بلا بھیجیں
کسی کا خوف و خطر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

جلائے آہ مجھی کو جو سنگدل ہو نہ موم
یہ کیا غضب ہے اثر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

جو آج تیغ بکف تو ہے سر بکف ہیں ہم
درنگ عربدہ گر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

علاج کار نہ بک بک کے سر پھرائیں عبث
پھرا کسی کا جو سر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

وہی صلاح ہماری ہے جو ہے ان کی صلاح
اگر مزاج میں شر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

جو عاقبت کا ہے سودا وہی ہے دنیا کا
جو اس میں تجھ کو ضرر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

نہ دیکھا دیر میں تو کیا حرم میں دیکھے گا
وہ تیرے پیش نظر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

ادھر وہ بوسہ عنایت کریں ادھر لیں دل
جو کوئی عذر ظفر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

نہیں گل تن پہ عشق دلربا میں پھول کرتے ہیں
تماشا ہم نے یہ کنج و بلا میں پھول کترے میں

گرے ہیں خاک پر لخت جگر کب دست مژگاں سے
میری آنکھوں نے یہ جوش و بکا میں پھول کترے ہیں

نجات کش ہیں جن سے تختہ گل اے گل خوبی
عجب خیاط نے تیری قبا میں پھول کترے ہیں

لکھا حال دل صد پارہ جب میں نے تو کاغذ کو
اٹھا کر یار نے دست جفا میں پھول کرتے ہیں

شفق کے دیکھ کر ٹکڑے نشے میں ہم کو یہ سوجھا
یہ کس نے دامن چرخ دوتا میں پھول کرتے ہیں

ظفر تیغ جفا نے اس کی میرے تن پہ زخموں سے
کہوں میں کیا جو میدان وفا میں پھول کترے ہیں

در مژگاں جو خوبان سیمیں تن ہلاتے ہیں
تو کیا کیا آتش دل پر مرے دامن ہلاتے ہیں

اگرچہ کان بھرتی ہے صبا پر گل ترے آگے
نہیں گلشن میں کان اے غیرت گلشن ہلاتے ہیں

جھلک رخسار آتش ناک کی بجلی سی کوندی ہے
ہوا کے جھرکے اس غرفے پہ جب چلمن ہلاتے ہیں

اگرچہ ناتوانی ہے نہیں مل سکتے بستر پر
و لے نہ آسماں کو ہم دم شیون ہلاتے ہیں

مری زنجیر کی جھنکار ہے وہ روز وحشت سے
کوئی جانے کہ لیزم رستم و بیژن ہلاتے ہیں

پھرے ہیں دل میں شکوے سینکڑوں پر روبرو تیرے
کبھی کلاب بھی ہم اے بت پر فن ہلاتے ہیں

وبال گردن اپنی زندگی ہ جائے ہے ہم کو
ظفر انکار بوسہ پہ جو وہ گردن ہلاتے ہیں

زیر خنجر ترے بسمل جو یہ دم توڑتے ہیں
کوچہ غم میں پھر آنے کی قسم توڑتے ہیں

دل مرا لے کے جو وہ سنگ ستم توڑتے ہیں
کیا ستم کرتے ہیں کیوں ساغر جم توڑتے ہیں

ہر قدم پر ترے دیوانے سر دشت جنوں
سینکڑوں خار سدا زیر قدم توڑتے ہیں

ابر مژگاں سے بندھی رہتی ہے اشکوں کی جھڑی
تار رونے کا نہیں دیدہ نم توڑتے ہیں

دل شکستوں کے جو لکھتے ہیں کبھی خط کا جواب
تو وہ جھنجھلاتے ہیں اتنا کہ قلم توڑتے ہیں

جام مل دیجے میں تو کراہ نال ساقی
توبہ ہم آج ترے سر کی قسم توڑتے ہیں

ہیں ہمیں سبحہ و زنار برابر دونوں
نہ وہ ہم جوڑتے ہیں اور نہ یہ ہم توڑتے ہیں

آتے ہیں پھر سر کاوش جو کبھی حضرت عشق
سینکڑوں دل میں مرے نشتر غم توڑتے ہیں

نفس سرکش کو ظفر توڑتے ہیں جو اپنے
میرے نزدیک بڑا ہی وہ صنم توڑتے ہیں

دخت رز کو کوئی بھاتا جز خراباتی نہیں
اس سے ہتی صحبت شیخ منا جاتی نہیں

کب ہجوم غم سے میری جان گھبراتی نہیں
میں تو مر جاؤں کروں پر کیا کہ موت آتی نہیں

کون ہے جس کو نہیں ڈر آہ سوزاں کا مری
کانپتا شعلہ نہیں یا برق تھراتی نہیں

کیا ہوا بداصل گر ظاہر میں ہیں نیکو صفات
جو ہر ذاتی پہ ان کا غیر بدذاتی نہیں

ساقیا فرقت میں تیری نار بارش سے گھٹا
مشکیوں کے سر پہ کیا کیا تیر برساتی نہیں

صاف خوب وحشت کہہ دیتا ہے منہ پر آئینہ
تل بے دیدے کی صفائی آنکھ شرماتی نہیں

آسمان لاتا ہے وہ چکر کہ جس کو دیکھ کر
کون ہے ایسا کہ اس کی عقل چکراتی نہیں

چشم مشتاقوں کی تیری حسرت دیدار میں
جنبش مژگاں سے کس دن کوئی چھاتی نہیں

اے ظفر ہے دیکھ کھٹکا باغباں کا کس قدر
باغ میں بلبل کی آج آواز بھی آتی نہیں

وہ پھر یوں بات دل کی جب ہے لے چٹکے پکڑتے ہیں
کہ خال لب کے اک بوسہ پہ سو نکتے پکڑتے ہیں

نہ جائیں یاں سے یہ چاہیں ہیں پیران دوتا قامت
زنخ دانتوں سے اپنے جب وہ ہیں جھکتے پکڑتے ہیں

ستمگر رستہ اپنے گھر کا عاشق تیرے کوچے سے
محبت سے جب ان کے دل نہیں سکتے پکڑتے ہیں

نہیں جب روکنے سے رکتے وہ اور دل میں کہتے ہیں
تو ہم دامن پکڑنے سے نہیں رکتے پکڑتے ہیں

ظفر مانند چوب آتش سے ہوں کیونکر نہ خاکستر
کہ صورت ور ہی ہم جب کہ ہیں پھکتے پکڑتے ہیں

جو ہوں میں جوش وحشت سے شتاب آہنگ صحرا میں
تو ہو یک گام سے کم راہ صد فرسنگ صحرا میں

کرے ہے چارہ سازی عشق کچھ مجنوں کے زخموں کی
تو ہو سنگ جراحت پارہ ہر سنگ صحرا میں

اڑائی خاک ہم نے ایسی بس صحرا نوردی میں
اگر دیکھے ہمیں رہ جائے مجنوں دنگ صحرا میں

تمہارے عشق میں دونوں جہاں سے جا چکا وہ تو
بہر سو مثل آواز درا ہو زنگ صحرا میں

گیا ہے قافلہ آگے نکل اور ہم بھٹکتے ہیں
وہ ہے اب شہر میں یا عاشق بے ننگ صحرا میں

قفس میں چپ ہیں اے صیاد ہم ورنہ ان روزوں
ہزاروں بولتے ہیں مرغ خوش آہنگ صحرا میں

نہیں دیوانے کو تیرے کہیں بھی جائے آسائش
کہ زنداں سے زیادہ وہ رہے ہے تنگ صحرا میں

چمن ہی پر فقط موقوف کیا ہے اس کی قدرت سے
ہزاروں ہیں ظفر گلہائے رنگا رنگ صحرا میں

عین محبت میں ہیں ملاتے باہم جب دو چار آنکھیں
ہوتی ہے باہم مہر و وفا سے دو آنکھوں کی چار آنکھیں

بعد فنا بھی ہم ترے دیدار کی حسرت باقی ہے مسجد میں
کیوں نہ ہماری خاک سے پیدا ہوویں نرگس وار آنکھیں

بدمستوں کا کیا کام ہمارے ہوش میں ہم
ابرو ہے محراب عبادت اور تری مے خوار آنکھیں

ہے یہ ہماری عین تمنا گرچہ برنگ نقش قدم
زیر قدم ہوں تیری سر راہ اپنی دم رفتار آنکھیں

دیکھا ہم نے سیہ پوش اکثر سرمہ سے یا کاجل سے
کشتہ تیغ نگاہ کی اپنے ہیں وہ ماتم دار آنکھیں

گو کو تجھ کو رشک مسیحا کہتے ہیں لیکن فائدہ کیا
مرا ادھر بیمار ہے دل اور تیر ادھر بیمار آنکھیں

سب میں وہی ہے جلوہ نما خورشید سے لیکر ذرے تلک
پر جو ہوں اس کی گرم نظارہ ہیں وہ ظفر درکار آنکھیں

پر وہ اس سوز جگر کا کبھی ہونے کا نہیں
داغ پر بھی مرے پھاہا کبھی ہونے کا نہیں

دفن ہووے گا ترا کوئی جہاں سوختہ جاں
سبزہ واں خاک سے پیدا کبھی ہونے کا نہیں

ہیں اغیار تو یہ کیا آئے مسیحا بھی اگر
تیرا بیمار غم اچھا کبھی ہونے کا نہیں

لکھ دیا جو تری تقدیر میں ہووے گا وہی
جو نوشتے میں نہ ہوگا کبھی ہونے کا نہیں

آسمان کینہ عالم سے نہ ہوگا لبریز
خالی اس مے سے یہ مینا کبھی ہونے کا نہیں

دے کے دل اپنا پشیماں ہوں کہ گر جاں اب کی
بچ گئی کام پھر ایسا کبھی ہونے کا نہیں

کر لے نظارہ گلزار جہاں اے غافل
پھر میسر یہ تماشا کبھی ہونے کا نہیں

وعدہ وصل سے ہو اس کے مجھے کیا تسکیں
جانتا ہوں کہ وہ سچا کبھی ہونے کا نہیں

اے ظفر آئے گا جب تک کہ نہ وہ رشک بہار
غنچہ دل یہ مرا وا کبھی ہونے کا نہیں

وہ دل کیا ہے نہ ہو پیکاں جس میں میں
وہ گھر کیا ہے نہ ہو مہماں جس میں

نہ دنیا تھا دل اس کو ہائے ہم نے
کیا وہ کام جاوے جان جس میں

علاج درد ہجراں ہے وہ مشکل
کہ ہیں سب چارہ گر حیران جس میں

وہ ہے اس زلف کا کوچہ کہ مجھ سے
بہت رہتے ہیں سر گردان جس میں

کمال عقل اپنا اہل دنیا
اسے سمجھے کہ ہے نقصان جس میں

نہیں مطلب ہمیں حوروپری سے
وہ انساں ہو کہ ہو اک آن جس میں

ہمارا دل عجب حسرت کدہ ہے
پھرے ہیں سینکڑوں ارماں جس میں

کبھی کچھ کیجئے لیکن نہ کیجے !
کہ جاوے اے ظفر ایماں جس سے

اے ستم گر ہم جو ضابط دل پہ ہوتے عشق میں
مثل بلبل کیوں تڑپ کہہ جان کھوتے عشق میں

شعر تر پڑھ پڑھ کے ہیں ہر بار روتے عشق میں
دیکھ تو کیا کیا ہیں ہم موتی پروتے عشق میں

ہوتے دست انداز خوان نعمت غم پہ نہیں
جان سے اپنی نہیں جو ہاتھ دھوتے عشق میں

واہ دیکھی حضرت دل آشنائی آپ کی
آپ اپنے ساتھ ہیں مجھ کو ڈبوتے عشق میں

وائے کیوں فریاد دل فسانہ خواب اس کی کی
پہ کریں کیا بخت عاشق کے ہیں سوتے عشق میں

دل میں رکھتے ہیں میرے خار مژگاں کا خیال
کانٹے اپنے واسطے ہیں آپ بوتے عشق میں

اے ظفر فرہاد و مجنوں اس زمانے میں نہیں
اور اگر ہوتے مرے پیرو وہ ہوتے عشق میں

تجھ بن اے آرام جاں کب جان گھبراتی نہیں
پیٹتے ہم سر نہیں یا کوٹتے چھاتی نہیں

ہمسری کرتا ہے گل عارض سے اس کی اے صبا
دو طمانچے مار کر تو اس کو سمجھاتی نہیں

ہے جو مرغان چمن کو تیرا کھٹکا باغ میں
پہ زباں پہ شکوۂ سوز جگر لاتی نہیں

شمع کل بے حوصلہ تیرا کہ جل جاتی ہے تو
باغ میں بلبل کی آج آواز بھی آتی نہیں

جنبش دامان مژگان تیری کس دم شعلہ خو
دل میں تیرے تفتہ جاں کے آگ بھڑکاتی نہیں

پہنچے ہے چاک گریباں تا بداماں ہر گھڑی
میں کہوں کیونکہ کہ وحشت پاؤں پھیلاتی نہیں

یاں تو ہم باتیں بناتے ہیں ہزاروں اے ظفر
جا کے واں کوئی بھی ہم سے بات بن آتی نہیں

پھپھولے دل پہ جو دس بیس داغ ہیں دو تین
تو گل ہیں بہت اور چراغ ہیں دو تین

نمود سینہ پہ اپنی جو داغ ہیں دو تین !
یہی تو عشق کے چشم و چراغ ہیں دو تین

رہیں نہ ہوش بجا جس کے ایک جرعہ سے
ہم اس شراب کے پیتے ایاغ ہیں دو تین

نہیں ہیں اس کی دو سہ خال خط سبز کے پاس
قریب بیٹھے یہ طوطی کے زاغ ہیں دو تین

وہ پائے آنکھوں میں یا سینہ و دل و جاں میں
جو ڈھونڈو اس کے مقام سراغ ہیں دو تین

جو تو سنے تو زیادہ نہیں مرا مطلب
وہ باتیں اے بہت نازک دماغ ہیں دو تین

ظفر زمانے میں آرام کا ہے یہ احوال
ہزار تنگ ہیں گر با فراغ ہیں دو تین

ہے غلط کہیے اگر تدبیر پھر سکتی نہیں
وہ تو سکتی ہے پر تقدیر پھر سکتی نہیں

دل کا سودا ہو گیا جس وقت زلف یار سے
پھر یہ جنس اے عاشق دلگیر پھر سکتی نہیں

اس قدر اے صید افگن ہے ترا پاس ادب
زیر خنجر گردن نخچیر پھر سکتی نہیں

ایک ہے اپنا سخن جو کہہ چکے سو کہہ چکے
ورنہ ہم پھیریں تو کیا تقدیر پھر سکتی نہیں

دشت میں اب تو ہمارے توسن وحشت کی باگ
اٹھ گئی اے خار دامن گیر پھر سکتی نہیں

اس قدر ہوں محو حیرت میں کہ عارض سے ترے
آنکھ مثل دیدۂ تصویر پھر سکتی نہیں

باعث جذبات محبت حلق پہ میرے چھری
تجھ سے اے قاتل دم تکبیر پھر سکتی نہیں

خط کے ٹکڑے ہوں کہ پرزے نامہ بر کے اے ظفر
جو نوشتے میں ہوئی تحریر پھر سکتی نہیں

تجھے دیکھیں تو پھر اوروں کو کن آنکھوں سے ہم دیکھیں
یہ آنکھیں پھوٹ جائیں گرچہ ان آنکھوں سے ہم دیکھیں

دکھاتا یار ہے ہر رنگ میں جلوہ ہمیں لیکن
کہاں سے لائیں وہ آنکھیں کہ جن آنکھوں سے ہم دیکھیں

لگے نا رگ گل سے بہ رنگ خار آنکھوں میں
جو گل کو اس گل رخسار بن آنکھوں سے ہم دیکھیں

تصور میں جنوں کے کیا تماشا ہے کہ گھر بیٹھے
خدائی کے تماشے رات دن آنکھوں سے ہم دیکھیں

ہم بیٹھ کے اس در پہ کب آنسو بہاتے ہیں
ناحق یہ عدو ہم پہ طوفان اٹھاتے ہیں

قاصد وہ مرے خط کے پرزے جو اڑاتے ہیں
معلوم نہیں ان کو کیا غیر پڑھاتے ہیں

لگتی ہے اگر آتش پانی سے بجھاتے ہیں
پہ اشک مرے دل میں اور آگ لگاتے ہیں

ہیں بخت جو خوابیدہ وہ بھی تو کبھی جاگیں
ہر رات مرے نالے سوتوں کو جگاتے ہیں

جو بات کر غصے سے کہتے ہیں وہ اوروں کو
ہم خوب سمجھتے ہیں یہ ہم کو سناتے ہیں

دل اس بت کافر سے پھرنے کا نہیں اپنا
ناصح یونہی بک بک کے سراپنا اٹھاتے ہیں

ہم ہیں وہی جو آگے روتوں کو ہنساتے ہیں
اب حال ہے یہ اپنا ہنستوں کو رلاتے ہیں

کب داغ ہیں سینے میں سوز غم ہجراں سے
یہ حضرت عشق آنکھیں درپرہ وہ ملاتے ہیں

احوال ظفر ان سے کس طرح کہیں اپنا
ہو جاتے ہیں ہم بے خود جس وقت وہ آتے ہیں

روز ہے اک غم نیا میرے دل غمناک میں
روز ہے اک درد تازہ سینہ صد چاک میں

تیرا صید بستہ فتراک کھل کر گر پڑا
رہ گیا لوہو کا دھبہ دامن فتراک میں

انکو انجم مت سمجھنا میرے تیر آہ سے
ہو گئے روزن ہیں یکسر سینہ افلاک میں

اشک خود مژگاں سے ہیں اس طرح سے لپٹے ہوئے
لگ رہی جس طرح ہو آتش خس وخاشاک میں

پروہ جتائے تو جلدی نکل اے دخترز
دیکھ تو بیٹھے ہیں کب سے مست تیری تاک میں

اس کے رخسار مصفا کی جو دیکھی آب وتاب
مل گئی بس آئینے کی آبرو سب خاک میں

عشق کے دریا میں تیرے کون عاشق کے سوا
اے ظفر اتنی کہاں طات کسی تیراک میں

جو تیرے آستاں پہ تیرے مائل ہو کے بیٹھے ہیں
تجھے دل دے کے وہ دنیا سے بیدل ہو کے بیٹھے ہیں

انھیں کھینچیں آفتیں آگے ہزاروں جن کی صحبت میں
سنا ہم نے انھیں میں پھر وہ شامل ہو کے بیٹھے ہیں

مرے پہلو میں وہ کس وقت بیٹھے مہرباں ہو کے
کبھی بیٹھے ہیں تو میرے قاتل ہو کے بیٹھے ہیں

کچھ ایسا ہو کہ ٹل جائے رقیب سنگدل یاں سے
اٹی میری چھاتی پہ یہ کیوں سل ہو کے بیٹھے ہیں

برنگ نقش پا انھیں یک کیا مل بھی نہیں سکتے
ترے کوچے میں ہم تو ایسے کامل ہو کے بیٹھے ہیں

ہلال بدرساں سب چرخ میں ہیں چرخ کے ہاتھوں
نہ ٹھہرے ہو کے ناقص ورنہ کامل ہو کے بیٹھے ہیں

اٹھو اور آؤ دیکھو حال اس بیمار ہجراں کا
مری جانب سے کیوں آپ اتنے غافل ہو کے بیٹھے ہیں

گھڑی اک پاؤں سے ہے شمع محفل کس طرح دیکھو
وہ محفل میں جو زیب افزائے محفل ہو کے بیٹھے ہیں

تماشا ہے نہیں ہیں بات کرنے کے بھی جو قابل
ظفر سے شعر کہنے کو مقابل ہو کے بیٹھے ہیں

مانند شمع عشق میں گردن بریدہ ہوں ۔ پردل بے سرکشی کے وہی سرکشیدہ ہوں
مطلب نہ آشنا سے نہ دام وقفس سے کام ۔ میں اس چمن میں طائر رنگ پریدہ ہوں
بدلے زلال خضر نہ منہ کا مرے مزا ۔ میں تلخ کام زہر محبت چشیدہ ہوں
مقدور کیا کہ چشم سے اک بوند بھی گرے ۔ رکھتا مثال آئینہ کو آب دیدہ ہوں
وحشت کیدو ہی ڈھنگ ہیں ہستی سے تا عدم ۔ میں وحشی رمیدہ کہاں آرمیدہ ہوں
تا شمع انجمن ہوں نہ میں لالہ چمن ۔ پھر کیوں جہاں میں داغ بدل آفریدہ ہوں

ہوں خاک بھی خو خاک رہ پر مے فروش
میں رند مشربوں میں ظفر خوش عقیدہ ہوں

سو بار کی بغور نگہ آفتاب میں ۔ ترا سا جلوہ دیکھا نہ مگر آفتا میں
خالی اس کے رخ پہ ہے کہ سیاہی سی رات کی ۔ کھا کل گرہ گئی ہے یہ رہ آفتاب میں
دکھلاؤں دل کا داغ تو ' نکلے ذرا نہ فرق ۔ کچھ اس میں اور غیرت مہ آفتاب میں
آئے اگر عرق ترے رخ پہ تو کیا عجب ۔ شبنم سے جائے آب جو یہ آفتاب میں
اک تیرہ آہ خانہء زنبور کی طرح ۔ روزن پڑے ہزار جگہ آفتاب میں
وہ جائے زیر سایہ دیوار دے کے ۔ بیٹھا رہے کوئی سرِ رہ آفتاب میں !
حیراں ہوں میں خطوط شعاعی کو دیکھ کر ۔ کس نے لگائے تیر مژہ آفتاب میں
تو جام مے میں مردمک چشم مست دیکھ ۔ ہے مثل ماہ داغ سیہ آفتاب میں

شاہان عصر میں ہے ظفر تو وہ سربلند
پڑتا ہے عکس تاجکلہ آفتاب میں

ہوئے واقف نہ جو دنیا کے غم سے ووہی اچھے ہیں ۔ جو ہستی میں نہیں آئے عدم سے ووہی اچھے ہیں
جھڑے یوں تو ہزاروں گوہر خوش آب نیساں سے ۔ مگر جو اشک ٹپکے چشم نم سے ووہی اچھے ہیں
برابر ہیں پریشانی میں ہم اور بال زلفوں کے ۔ وہ اکثر تیرے منہ تکتے ہیں ہم سے ووہی اچھے ہیں
جو پوچھے کوئی اچھے کون ہیں گبرو مسلمان میں ۔ کہوں جو آشنا ہیں اس صنم سے ووہی اچھے ہیں
بڑے جتنے زمانہ میں ہیں سب ہیں ہم نشیں اکے ۔ مگر اس بزم میں اک اپنے دم سے ووہی اچھے ہیں
ترا کیا نام ہے اچھا کہ جتنے حرف ہیں اس کے ۔ نکلتے ہر جگہ میرے قلم سے ووہی اچھے ہیں
بہادر اچھے اچھے ہیں مگر میدان الفت میں ۔ جو ہیں سینہ سپر تیغ ستم سے ووہی اچھے ہیں
جو داغ عشق دیں تو کیا کروں میں گنج زر لے کے ۔ مرے نزدیک دینا رو درم سے ووہی اچھے ہیں

ظفر یوں تو سب اچھے ہیں برا کہیے کسے لیکن
بنے اچھے ہیں جو اس کے کرم سے ووہی اچھے ہیں

خط غلام اپنا صنم لکھ کے بھیج دوں
اور جو کہے خدا کی قسم لکھ کے بھیج دوں

ڈرتا ہوں وہ قلم نہ کرے ہاتھ ورنہ میں
جو جو کیے ہیں اس نے ستم لکھ کے بھیج دوں

ظالم ہزار دستہ ء کاغذ سیاہ ہوں
گر ایک قصہء شب غم لکھ کے بھیج دوں

آ سکتا رفتگاں کا نہیں کوئی بھی جواب
خط کس کے ہاتھ سوئے عدم لکھ کے بھیج دوں

معلوم ہوتا اس کو مری آرزوئے وصل
وصلی پہ حال رنج و الم لکھ کے بھیج دوں

جا کر دکھاؤں دل پہ ہے جو داغ بے حساب
گر ہو حساب دام و درم لکھ کے بھیج دوں

یہ کیوں لکھوں کہ میں ہوں سیہ روز تیرہ بخت
مضمون خط و خال بہم لکھ کے بھیج دوں

باور نہ ہو تجھے کبھی اے شوخ بے وفا
سو عہد نامہ گر بقسم لکھ کے بھیج دوں

پرزے پہ میں جگر کے ظفر اس کو حال دل
مژگاں تری اگر ہو قلم لکھ کے بھیج دوں

یار ہو پیش نظر یہ کبھی ہونے کا نہیں
ہو تو دیکھوں نہ ادھر یہ کبھی ہونے کا نہیں

آہ دکھلائے اثر یہ کبھی ہونے کا نہیں
سرو میں آئے ثمر یہ کبھی ہونے کا نہیں

کھینچ کر تیغ ستم ہو وہ مقابل جس دم
دل ترا موم ہو پر یہ کبھی ہونے کا نہیں

ضبط گریہ کا نہ لے نام تو ہم چشموں میں
ہوں نہ میں سینہ سپر یہ کبھی ہونے کا نہیں

دل حیرت زدہ ہے غنچہ تصویر اپنا
تجھ سے اے دیدہ تر یہ کبھی ہونے کا نہیں

غرق ہوجائے گا گریہ سے مرے ایک جہاں
پر مجھے سوز جگر یہ کبھی ہونے کا نہیں

گھر میں اس نے ہمیں اپنے بلایا لیکن
چاہے دل میں ہو گھر یہ کبھی ہونے کا نہیں

صبر مشکل ہے نہ کر صبر کا دعوی ہرگز
عشق میں تجھ سے ظفر یہ کبھی ہونے کا نہیں

رہیں ہیں موج زن یہ اشک خوں آمیز آنکھوں میں
کہ ہے ہر موج جن کی موج طوفاں خیز آنکھوں میں

کرے ہے ضبط کچھ گریہ کو پاس آبرو ورنہ
بھرے ہیں اشک مثل ساغر لبریز آنکھوں میں

الہی دیکھئے کیا ہو کہ سنگ سرمہ سے قاتل
کرے ہے آج پھر تیغ نگہ کو تیز آنکھوں میں

تماشا ہو جو سوز دل سے ہوں پھول آگ سے پیدا
بجائے اشک خود گلریز ان گلریز آنکھوں میں

تری تیغ نگہ کے سر چڑھا خوں بے گناہوں کا
نہیں سرخی نشے کی قاتل خوں ریز آنکھوں میں

مجھے آئے نہ رونا دیکھ کر کیوں سنبل تر کو
کہ پھر جائے ہے اسکی زلف دل آویز آنکھوں میں

ظفر دیوانہ ہوں میں تو خطوں کے سبز خط کا
لگے ہے خار میرے سبزہ نو خیز آنکھوں میں

پاس آئیں نہ دل لوٹ کے دستور سے لوٹیں
آنکھیں ترے قزاق ہیں وہ دور سے لوٹیں

نے بزم میں رہے خرقہ نہ سر پہ رہے دستار
صوفی کو جو وہ نرگس مخمور سے لوٹیں

کیوں کر نہ لٹے دل جو ذرا کرتی ہی مژگاں
ظالم اسے دوشنہ وساطور سے لوٹیں

حکم شہ خوباں ہے کہ غارت گر عشاق
لوٹیں جسے باہر حد مقدور سے لوٹیں

لوٹیں گل مہتاب یک شب ہم جو بہاریں
تیرے ہی گل عارض پرنور سے لوٹیں

کم رہزنوں سے نہیں مکار و مزور
لوٹیں وہ اگر زور سے یہ زور سے لوٹیں

کھل جائے کہیں ہم سے وہ جلدی کہ ظفر ہم
باتوں کے مزے اس بت مغرور سے لوٹیں

اس در کی نہ ہو خاک جو یک مشت کفن میں
تو میری زمیں سے نہ لگے پشت کفن میں

اعجاز شہادت سے شہیدوں کے عجب کیا
اٹھ جائے شہادت کو جو انگشت کفن میں

دیکھا جو گل زخم تو پھولا نہ سمایا
ہر کشتہ ترا بعد زد و کشت کفن میں

ہمدم ہے عبیر کفن اس در کی مجھے خاک
خوشبو نہ لگا تو مرے چل ہشت کفن میں

اس غنچہ کا سوز غم عشق پس از مرگ
بھڑکائے ہے اک آتش زر دشت کفن میں

دیکھا ترے حسرت زدہ کو بعد فنا بھی
دانتوں کے تلے دابے سرانگشت کفن میں

مقدور حریفوں کو ظفر ہو تو زر وسیم
لیں باندھ پس از مرگ بھی یکمشت کفن میں

ردیف واؤ

تیغ ابرو کی نہیں جس کو دکھائی آب ہو
کیوں نہ ہر دم زہرہ اس کا یارجائی آب ہو

وصل سنتے ہی صنم کا کاروان ہجر کا
بہہ چلی آنکھوں سے اپنی سب نشانی آب ہو

قدر جانے ہے ہمارے اشک و مژگاں کی دلا
جس کو اس در نجف کی آہ پانی آب ہو

جال درد عشق اپنا گر کہیں دو چار میں
لیلے و مجنوں کی پھر اس جا کہانی آب ہو

چشم پر خوں کو ہماری دیکھ کر ساقی مدا
کیوں نہ پھر جام شراب ارغوانی آب ہو

نقش وہ کندہ کرے گا ان بتوں کا دل کے بیچ
جس کو پھر ایسے نگینے کی نشانی آب ہو

کھینچ کر تیغہ جو نکلے چشم سے یاں فوج اشک
اے ظفر خجلت سے تیغ اصفہانی آب ہو

ہمارے دیکھ کے دریائے دل کا یار چڑھاؤ
گھٹا ہے کیا ہی سمندر کا ایک بار چڑھاؤ

ہمیں تو ایک ہی کافی ہے برش ابرو
تم اپنی تیغ کو اب چرخ پہ ہزار چڑھاؤ

خیال زلف بتاں آؤ چھوڑ دو بخدا
بلا کو سر پہ نہ تم اپنے زنہار چڑھاؤ

گلی میں رہنے دو اپنی اڑا کے تم یکمشت
فلک تلک نہ مری خاک کا غبار چڑھاؤ

جلن سے آتش الفت کی دیکھو تم ہر دم
بہانہ کرکے نہ تم آپ کو بخار چڑھاؤ

بجائے مطرب و اس وقت تار بارش کے
بجاتا رعد ہے مردنگ ' تم ستار چڑھاؤ

پتنگ وار ظفر روز تار الفت پر
وہ اڑ کے آوے جو تم چنگ ایک بار چڑھاؤ

پیدا کی دل میں داغ نے اک آب و تاب تو
نخشب میں جلوہ گر یہ ہوا ماہتاب تو

سودائی و جنونی و شیدا و شیفتہ
دیوے ہے ایک روز مجھ کو خطاب تو

اس کو نہ ماہ تو کہو ہر ماہ دوستاں
بدلے ہے اب یہ توسن گردوں رکاب تو

کب تار زلف سے دل صد پارہ ہے بندھا
کرتا ہے جمع تیرا پریشاں کتاب تو

شبنم نے صبح آتش گل سے چمن کی
لے کر سبوئے غنچہ کشیدہ گلاب تو

بھر بھر کے مجھ کو جام تو ساقی دیے ہی جا
یار از شراب کہنہ دیا از شراب تو

کیا جانیے کہ عرصہ یک دم میں پھر یہاں
بدلے ہے کیا یہ دور فلک انقلاب تو

تو بوسہ روز لینے لگا میں تو یوں کہا
ایجاد روز تم نے کیا یہ حساب تو

لکھتے ہیں خط ہم اس بت نو خط کو جب ظفر
ایجاد کرکے بھیجے ہے وہ اک جواب تو

ہم سے شرماؤ نہ تم چشم حیا کو کھولو
مثل گل شوق سے اک بند قبا کو کھولو

پاؤں میں مہندی لگا بیٹھے ہو تم واں بیہات
خون دل ہوتا ہے یاں جلد حنا کو کھولو

مار رکھے گی سراسر ہی یہ کافر دل کو
جان من رخ پہ تم زلف دوتا کو کھولو

مجھ کو رسوا نہ کرو رو رو کے تم اے آنکھو
راز آنکھوں میں مت مانو خدا کو کھولو

غنچہ ساں دل میں گرہ ہم سے نہ رکھو اب تم
گلے لگ جاؤ بس آغوش وفا کو کھولو

شدت گرمی سے دم اپنا بہت رکتا ہے
یا الہی کہیں جلد سے ہو کو کھولوا

بخدا یارو ظفر سے وہ بہت رکتا ہے
کوئی باتوں میں بت ہوش ربا کو کھولو

کام دن رات جسے چشم گرفتار سے ہو
کیوں نہ پرہیز اسے نرگس بیمار سے ہو

محو نظارہ آئینہ فقط وہ ہی نہیں
دام حیرت میں گئے ہم ہی گرفتار سے ہو

آبرو خاک میں تیری ابھی مل جائے گی
روکش اے ابر نہ اس چشم گہر بارے ہو

زخم دل پر ہے مرے عکس خط سبز اس کا
فائدہ کیوں نہ تجھے مرہم زنگار سے ہو

زلف کو چھوڑ گیا مانگ کا رستہ دل نے
سوئے ظلمات چلا کشور ناتارے ہو

کر سکے دل کی نہ اس آئینہ رو سے کچھ بات
روبرو اس کے کھڑے رہ گئے ناچار سے ہو

منہ پہ مہتاب کے گر شب کو ہوئی چھوٹے
جب مقابل وہ مرے آہ شرر بار سے ہو

سنگ کا بھی غم فرہاد سے ہے زہرہ آب
کیوں نہ سیلاب رواں چشمہ کہسار سے ہو

اے ظفر ایسی ہی اک اور غزل ہم کو سنا
تا کہ محظوظ طبیعت تری گفتار سے ہو

حال دل پوچھتے اپنے نہیں بیمار سے ہو
آہ تر سائے مجھے شربت دیوار سے

بخدا جس کو محبت بت عیار سے ہو
کار کیونکر نہ اس رشتہ زنار سے ہو

خوں فشاں چشم ہوئی ہجر میں یہ گل رو کے
پاٹ دامن کے گئے تختہ گلزار سے ہو

تری تابندگی رہنے کی نہیں یک ذرہ
روکش اے مہر نہ اس آئینے رخسار سے ہو

سر بسر ڈھانپ لیا زلف سے اس نے رخ کو
کام برہم نہ مرا کیوں شب تار سے ہو

جھانک تاک اور کسی سے ہے تمہیں کیا منظور
لپٹے رہتے جو سدا رخنہ دیوار سے ہو

زندگانی کی حلاوت وہی سمجھے ہے تری
خواہش بوسہ جسے لعل گہر بار سے ہو

کیا خدا سے وہ ملا دے گا بت خانہ خراب
سر کو ٹکراتے جو اس کے در و دیوار سے ہو

اے ظفر اس سے بھلا کیا ہے لگانا دل کا
جو کہ واقف نہ کبھی عشق کے آزارے سے ہو

خنجر ہی نہ دکھلاؤ نہ تلوار دکھاؤ
تم ابروئے مژگاں مجھے یک بار دکھاؤ

پھرتا ہوں میں جوں ساغرِ مے تشنہ لبی سے
یارو مجھے اب خمخانۂ خمار دکھاؤ

حوران بہشتی کا بھی دل میں نہ خیال آئے
تم خواب میں بھی گر مجھے دیدار دکھاؤ

موجود ہے یاں جنس دل اے حضرت عشق اب
گر لیوے کوئی اس کا خریدار دکھاؤ

سنبل کی لہر سے نہ رہے پھر ہمیں مطلب
یک دست جو تم کاکل خمدار دکھاؤ

بیعت کروں پھر تم سے میں اے حضرت واعظ
تسبیح جو بے رشتۂ زنار دکھاؤ

کر قافیہ تبدیل ظفر اور غزل بھی
لکھ صفحۂ قرطاس پہ یک بار دکھاؤ

خال اب نہ تہ زلف سیہ فام دکھاؤ
مارا مجھے مت ایک سر شام دکھاؤ

اس نرگس بیمار کا بیمار ہوں میں آہ
لالا کے نہ مجھ کو گل بادام دکھاؤ

معلوم ہوئے آپ کے جوہر ہمیں صاحب
ہر دم نہ بس اب کھینچ کے صمصام دکھاؤ

اس کی ہی بلائیں کہیں لے لے کے چھٹیں ہم
اے کاش تم اپنا ہمیں ہمنام دکھاؤ

پہنچا نہ کبھی قافلے تک آہ عزیزو
مجھ سا بھی جہاں میں کوئی بدنام دکھاؤ

بے وجہ نمود اب ہے خط رخ پہ تمہارے
مت طائر دل کو یہ مرے دام دکھاؤ

کہتے ہیں سخنداں ظفر اک اور غزل تم
تغییر قوافی سے کر ارقام دکھاؤ

یارو نہ مجھے سرو نہ شمشاد دکھا دو
جس قامت موزوں کی ہو اب یاد دکھا دو

جاوے گا نہ اس کاوش مژگاں کا تصور
گر لاکھ مجھے نشتر فصاد دکھا دو

دل نیم نگہ سے ہوا اس یار کے بسمل
کشتہ کوئی ایسا ہو جو جلاد دکھا دو

مرغان چمن دام میں ہرگز نہ پھنسوں میں
گر مجھ کو ذرا صورت صیاد دکھا دو

سو دل سے میں قرباں ہوں جو دیکھی کوئی تصویر
تم لا کے اگر مانی و بہزاد دکھا دو

دیوانہ صفت جس کی تمنا میں ہوں پھرتا
یارو مجھے وہ شوخ پری زاد دکھا دو

شیریں نہ ہو کوہ کنی میں بھی تو دیکھوں
تم چل کے مجھے مرقد فرہاد دکھا دو

مے خانے میں کیا برہمو جا کے کروں گا
ٹک تم مجھے وہ حسن خداداد دکھا دو

خاک قدم فخر جہاں ہے ظفر اس کو
ابدال نہ دکھلاؤ نہ اوتاد دکھا دو

گر قتل کا ہے عزم تو شمشیر دکھا دو
یا آ کے تم اپنی مجھے تصویر دکھا دو

تا حشر نہ ہو خواہش نظارہ سنبل
تم ہم کو اگر زلف گرہ گیر دکھا دو

پتھرا گئیں آنکھیں اسی حسرت میں عزیزو
ٹک مجھ کو دیار کی زنجیر دکھا دو

یاں تک کشش دل تمہیں لائی ہے یہاں کھینچ
ہے مجھ سا کوئی صاحب تاثیر دکھا دو

اپنی ہی ہے یہ آہ کہ پہنچی ہے فلک تک
ورنہ کوئی ایسا تو ہمیں تیر دکھا دو

تم تیغ بکف پھرتے ہو کیوں کس لئے کیا ہے
ہے آج قضا کس کی گلوگیر دکھا دو

تبدیل قوافی سے ظفر دیکھیں تو اس دم
ایک اور غزل کر ہمیں تحریر دکھا دو

دکھا کر گر مسی آلودہ دنداں وہ بجلے شب کو
خجالت کش کرے تا صبحدم ہی چشم کوکب کو

قلم مشق ستم سے یک قلم سر کو مرے مت کر
قلم آسا زباں پر کب ہیں لاتے حرف مطلب کو

یہ موج بادہ گلرنگ محراب عبادت ہے
نہیں کم ساقیا ہر ایک ہذ اہل مشرب کو

برنگ بیٹھکر سمجھیں اسے بس حق میں ہم اپنے
لگا دے گر تے قلیاں سے تو شیریں دہن لب کو

سدا سے خانہ زنجیر ہے جاگیر مجنوں کی
جو ہو اس سلسلے میں پائے ہے وہ ایسے منصب کو

کرے ہے خندہ دنداں نما اب زاہد تجھ پر
پڑی ہے سوچ میں الماس تیرے دیکھ مذہب کو

نہیں لخت دل سیپارہ رہ ہم پہلو یہ اشکوں کا
بغل میں داب سیپارہ چلا ہے طفل مکتب کو

نہیں اس کان کے بالے پہ ہر دم زلف بلتی ہے
ہم گری سے دیکھا آج تم نے ماہ و عقرب کو

ظفر جس شکل سے چاہ ذقن سے اس کے دل نکلا
نکلتے یوں نہیں دیکھا کنویں سے ماہ نخشب کو

خطا بخشو کہیں دل کی بس اب زلف دوتا کھولو
یہ قیدی مر نہ جائے اس کی تم مشکیں ذرا کھولو

حجاب اتنا بھی کیا لازم ہے عقدہ بحر عالم
حباب آسا ذرا تم آنکھ اے اہل فنا کھولو

سحر خون شفق میں پنجہ خور ڈوبے خجلت سے
جو تم دست حنا بستہ کو اپنے مہ لقا کھولو

جو اک عقدہ دانستہ ہے جان حزیں میری
تم اس کو ناخن شمشیر سے بہر خدا کھولو

نہیں وہ تو دکھانا ہے ہمیں یاقوت لب اپنے
تمہیں اے دیدہ تر درج در بے بہا کھولو

برنگ غنچہ ہو لب بستہ تم جو یوں کئی دن سے
ارادہ حضرت دل آپ کا ہم سے ہے کیا کھولو

لٹایا اور تو سب کچھ تمنائے تو صل میں
رہی ہے ایک جاں اس کو بھی بہر مدعا کھولو

ظفر کر عرض پہ اپنی جناب شاہ داں سے
شتابی عقدہ مشکل مرا مشکل کشا کھولو

دکھاؤں آہ سے گر اپنے دل کے داغ کی لو
نہ نکلے روزن فانوس سے چراغ کی لو

تجلی ہے شعلہ دل سے مرے چراغ کی لو
نہ کیونکہ دیکھ کے کانپے اے اجاغ کی لو

جلائے ہے پر پروانہ باد کش اے شمع
فرو ہو کیونکہ تری سوزش دماغ کی لو

بھری ہے تو نے شراب دو آتشہ ساقی
نہ کیونکہ دل کو لگے اپنے اب ایاغ کی لو

بغور دیکھ دلاتاب در سے کیا یکسر
چم رہی ہے عجب گوش خوش دماغ کی لو

بدن میں دیکھ کے اس کے قبائے پھلکاری
ہمارے دل سے مٹی تحت ہائے باغ کی لو

ظفر نہیں ہے خط پشت لب پہ اس کے وہ خال
لگی ہے طوطی شکر شکن سے زاغ کی لو

شعلہ جو سوز دل سے گلو گیر آہ ہو
پیکاں نمط عیاں وہ سر تیر آہ ہو

سیل سرشک چشم بھی ہمراہ ہو اگر
جوں سرو آب جو یہاں تو قیر آہ ہو

دکھلائے ہے جو سوزش دل کو تو برق بھی
حیران دیکھ عالم تنویر آہ ہو

کلک جلی تو شمع جگر سوز سے بنا
مانی جو کھینچے تو مری تصویر آہ ہو

نالاں ہیں ایک عمر سے ہم اس لئے ظفر
کب اس کے دل میں دیکھئے تاثیر آہ ہو

یونہی بنا ہیں گے دوستی ہم ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو
کریں گے الفت نہ یہ کبھی کم ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو

عرق جو رخ پر ہے یہ تمہارے بڑا تعجب ہے ورنہ پیارے
کبھی نہ ٹھہرے گی خور پہ شبنم ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو

کب اشک شوق ہاں میں تیرے تھمیں کہ بھرتے نہیں ہے بھرتے
رہے گا یہ ہی رہے گی دائم ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو

یہ زخم چھاتی پہ ہے ہماری کسی کے خنجر کی یادگاری
لگانے دیں گے نہ اس پہ مرہم ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو

یہ ہیں جو لخت جگر مژہ پر مجھے تعجب ہے دیدہ تر
شرار و خاشک ہوں نہ باہم ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو

تم اس کے پھر حسن عارضی کا ظفر بھروسا نہ کیجے گا
رہے گا ہرگز نہ یہ تو عالم ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو

مرے رکھ ہاتھ سر پہ جھوٹ مت قرآن سے بولو
خدا سے تو ڈرو تم اے بتو ایمان سے بولو

کہاں تک میری جانب سے رہے گی بستگی تم کو
گرہ دل کی کہیں کھولو ذرا ایمان سے بولو

سبک باتیں نہ مجھ سے اس قدر ہر دم کیا کیجے
لیاقت میری کچھ سمجھو اور اپنی شان سے بولو

وہ دن تھے کون سے بوسے پہ جو ہم کو جھڑکتے تھے
وہی دیوانہ ہم ہیں گے کسی انسان سے بولو

مجھے ہر دم جو کہتے ہو کہ تو غیروں سے ملتا ہے
سر بازار تم جا کر ہر اک دکان سے بولو

ڈرو رونے سے میرے تم کہیں طوفاں نہ برپا ہو
نہ تہمت مت دھرو مجھ پر نہ اس طوفان سے بولو

اگر روکیں تو رک جانا ظفر تم اس کے کوچے میں
تمہیں میری قسم ہے جو کبھی دربان سے بولو

نہیں اس دل میں دل اس پر بھی ہے بند جادو
ہو گیا ہائے گرفتار کمند جادو

مہ کو کیونکہ نہ جانی وہ کہیں ہم سوزن
چشم فتان بھی ہے خوبان کی پسند جادو

سامری حلقہ گوشوں میں ہے اس ساحر کے
جس کا خط دم افسوں خال پسند جادو

زلف کے مارے کو مارو نہ کبھی پڑھ کر ماش
نہیں افعی کا یہ کاٹا ہے گزند جادو

مخلص کیونکہ ہو اس دل کی ظفر زلفوں سے
ہو گیا ہائے گرفتار کمند جادو

کریں ہیں غرق اک دم میں تمام عالم کے گھ دیکھو
بڑی ہے جوش پر مردم ہے بحر چشم تر دیکھو

دل سوزاں کا ہر ٹکڑا کنار چشم تر دیکھو
چراغاں کا تماشا بر لب جو آن کر دیکھو

لہو تھمتا نہیں اک دم بھی زخم چشم عاشق سے
تمھارا کیا لیا ناوک نے کار دگر دیکھو

کسی لعل مسی آلودہ پر خود ہے دل مجنوں
نہیں ہوتی شفق ہر شام یہ افلاک پر دیکھو

طرح منصور کی ہو چشم حق میں مرد ماں تو یہاں
نمایاں وار ہر مژگاں پہ ہے لخت جگر دیکھو

گئی شب باتوں ہی میں اب تو چھوڑو جنگ ٹک مل لو
یہی خطرہ ہے ہم کو دم میں ہوتی ہے سحر دیکھو

فلک بے وجہ تو رہتا نہیں ہے چرخ میں اس کو
تزلزل میں رکھے ہے نالہ کا میرے اثر دیکھو

تم از خود دلبر ابرو کماں آتے ادھر کب تھے
کشش دل کی ہماری کھینچ لاتی ہے ادھر دیکھو

دلاتا کون ہے تجھ کو ستم غیروں کے ملنے کی
طلب سے پر الفت کی نہ ہو ان پر نظر دیکھو

ابھی یہ ذوالفقار اک دم میں قتل عام کرتی ہے
میاں ابرو کی اپنی کھینچو مت تیغ دو سر دیکھو

تمہارے آتشیں رخسار جوں شعلہ فروزاں ہیں
جو اشک گرم ہے میرا وہ ہم رنگ شرر دیکھو

کسی کا دل جلانا شعلہ رویاں کیا بھلا ہے گا
کٹے ہے شمع کا سر آہ کس تقصیر پر دیکھو

نہیں بے وجہ لاکھا رنگ پاں کا اس کے ہونٹوں پر
ہوا وہ مستعد تازہ کسو کے خون پر دیکھو

شتابی اس زمیں میں اور لکھو اک غزل تازہ
تکلف مت کرو اچھا نہیں ہے اے ظفر دیکھو

مکان چشم کو میرے ذرا تم آن کر دیکھو
کیا ہے صاف کیا جاروب مژگاں نے یہ گھر دیکھو

وہاں ہالے کے حلقے میں ہے عارض جلوہ گر دیکھو
عزیزو دن ہی کو نکلا ہے ہالے میں قمر دیکھو

خدا کے واسطے دکھاؤ مت یہ جنبش مژگاں
دو عالم کو نہ اک پل میں کو زیرزبر دیکھو

عجب صورت سے اس کے حسن کا ہے جلوہ اے یارو
اسے آئینہ ساں ہر دم با آئین دگر دیکھو

نہ چھوڑا پنجہ مژگاں سے چشم یار نے دل کو
گری شاہین کبوتر پر ہے کیا باندھ کر دیکھو

نہیں موقوف شیخ و برہمن کچھ دیر و کعبہ پر
ہر ایک سو جلوہ گر حق ہے جدھر چاہو ادھر دیکھو

چمن میں تم سے چشم لطف کی رکھی تمنا ہے
تمہاری نذر کو نرگس لئے ہے سیم و زر دیکھو

بہار ابر سیہ سے باغ میں دو چند ہوتی ہے
ذرا تم چھوڑ کر چہرے پہ زلفیں سر بسر دیکھو

غزل اک اور لکھو اس زمیں میں لیکن ہی رنگیں
قلم کو ہاتھ سے رکھ دو نہ تم اب اے ظفر دیکھو

در گوش اس کے رخ سے متصل ہے جلوہ گر دیکھو
نمود اختر تاباں ہے نزدیک قمر دیکھو

تمہارے حسن کا دریوزہ گر ہے مہر کیا تنہا
پھرے ہے ماہ بھی کاسہ لئے شب دربدر دیکھو

مرے ہر موئے تن سے چھوٹتے ہیں خون کے فوارے
رگ جاں میں لگا ہے اس مہ کا نیشتر دیکھو

تمہیں کچھ قدر بھی ہے اشک لخت دل کی اے آنکھو
لٹاؤ تم نہ اس صورت سے یہ لعل وگہر دیکھو

تمہارے دل سے اپنے دل کو رکھتا ہوں میں ہم پہلو
بھڑا یا سنگ سے شیشے کو ہے میرا جگر دیکھو

نہیں کم تار بارش سے لڑی اشک مسلسل کی
رگ ابر سیہ ہے یہ مری مژگاں تر دیکو

سراسر خاک ہیں اے غافلو آثار ہستی کے
حباب آسا ہوا پر ہے یہ بنیاد بشر دیکھو

نظر آئے گی تم کو ہیچ یہ سب زندگی اپنی
تم اس کا شاعر و باندھو نہ مضمون کمر دیکھو

بچاؤ کشتی دل کو شتابی اے ظفر اس سے
خط چین جبین یار ہے موج خطر دیکھو

جب کہ پہلو میں ہمارے بت خود کام نہ ہو
گریے سے شام و سحر کیوں کہ ہمیں کام نہ ہو

لے گیا دل کا جو آرام ہمارے یارب
اس دلارام کو مطلق کبھی آرام نہ ہوا

جس کو سمجھے لب پاں خوردہ وہ مالیدہ مسی
مرو ماں دیکھیو پھولی وہ کہیں شام نہ ہو

آج تشریف گلستاں میں وہ مے کش لایا
کف نرگس پہ دھرا کیونکہ بھلا جام نہ ہو

کر مجھے قتل وہاں اب کہ نہ ہو کوئی جہاں
تا مری جاں تو کہیں خلق میں بدنام نہ ہو

دیکھ کر کھولیو تو کاکل پیچاں کی گرہ
کہ مرا طائر دل اس کے تہ دام نہ ہو

بن ترے اے بت خود کام یہ دل کو ہے خطر
تیرے عاشق کا تمام آہ کہیں کام نہ ہو

آج ہر ایک جو یارو نظر آتا ہے نڈھال
اپنی ابرو کی وہ کھینچے ہوئے صمصام نہ ہو

ہے مرے سوخ کی مالیدہ وہ کافر آنکھیں
جس کے ہم چشم ذرا نرگس بادام نہ ہو

صبح ہوتی ہی نہیں اور نہیں کٹتی رات
رخ پہ کھولے وہ کہیں زلف سیاہ فام نہ ہو

اے ظفر چرخ پہ خورشید جو یوں کانپے ہے
جلوہ گر آج کہیں یارلب بام نہ ہو

دل سوزاں کو مرے اے بت خونخوار نہ چھو
اخگر عشق ہے یہ تو اسے زنہار نہ چھو

اے طبیب آبلے پڑ جائیں گے ہاتھوں میں ترے
نبض بیمار تپ عشق کو ہر بار نہ چھو

ڈر تف آہ اسیران قفس سے صیاد
ہر گھڑی بال و پر مرغ گرفتار نہ چھو

وادی قیس میں پھر آگ نہ لگ جائے کہیں
دامن گرم رو عشق کو اے خار نہ چھو

دل نہیں سینے میں میرے وہ دبی آتش ہے
ہاتھ ہرگز نہ لگا اس کو خبردار نہ چھو

کہیں لگ جائے نہ اس سقف کہن میں آتش
قصر افلاک کو اے آہ شرر بار نہ چھو

صورت شانہ یہ ہوتا نہ دل اپنا صد چاک
زلف کا اس کی اگر لیتے ہر اک تار نہ چھو

کر نہ اے باد صبا خاک شہیداں برباد
دامن گرد رہ کوچہ دلدار نہ چھو

وہ برہمن بچہ ہر دم تجھے کہتا ہے ظفر
تو مسلمان ہے سررشتہ زنار نہ چھو

لشکر درد و الم بھیج نہ اے جن تو
کشور دل کو نہ کر اب مرے ویران تو

کیا ہے ارادہ ترا شوخ ستمگر بتا
چھیڑے ہے آ کر مجھے جو ہر گھڑی ہر آن تو

اس میں پھنسا ہے مرا طائر دل رات سے
اے بت سرکش نہ کر زلف پریشان تو

تیغ پکڑ ہاتھ میں سب سے ملاتا ہے آنکھ
آج کرے گا یہاں پھر کہیں گھمسان تو

اشک کے قطرے مرے ہیں گے بہت آبدار
لیجئے اگر ہیں تو لے یہ در غلطان تو

داغوں سے ہے بھر گیا سینہ مریاں جو آہ
وہاں کہیں کیا دیکھے ہے سرو چراغاں تو

چھید دیے سب کے دل تیر مژہ چھوڑ کر
تھوڑے ہی دن میں ہوا تو وہ طوفان تو

کیونکہ ہو روشن ترا عشق کے کشور میں نام
روز کٹاتی ہے سر شمع شبستان تو

خانہ دل چھوڑ کر لیت ابرو کمان
اور کے گھر میں نہ جا میں ترے قربان تو

کیونکہ جہاں اب نہ ہو زیر و زبر یک قلم
سب کو دکھاتا ہے یار جنبش مژگان تو

اس قدموزوں سے کیا کی ہے کہیں سرکشی
خاک میں جو گڑ گیا سرو گلستان تو

وصل تب اس کا دلا ہووے گا حاصل تجھے
پہلے تو واں لانگھ لے عشق کے میدان تو

مجھ سے بھی یاں بات ہے غیروں سے بھی ہے پیام
دوستی میں جان من ہے نہیں یکسان تو

میں جو ہوں عاشق ترا مجھ کو نہ دیکھے تو حیف
غیر سے الفت رکھے خاک ہے انسان تو

کہنے کو شاعر ہیں یاں کہتے ہیں ہر بات میں
شاعری کے فن میں ہے زباں دان تو

مشق تجھے شعر کی ہے گی جو اب یک قلم
کہتا کر ہوائے ظفر صاحب دیوان تو

لخت جگر نہیں ہیں مژگان تر سے دو
گلبرگ تر پڑی ہے شاخ شجر سے دو

آنکھوں کو دیکھ اس کے دم میں حباب دریا
ٹک شرم سے ہو پانی بیٹھے او بھر سے دو

ابرو پہ اس کی زلفیں کیا اڑ کے آ گئی ہیں
جاسوس لگ رہے ہیں دیوار و در سے دو

یارو قدم سمجھ کر رکھنا تک اس کے گھر میں
ظالم کی تیغ سے ہیں وابستہ پر سے دو

بس قتل کو ہے میرے ابرو کا اک اشارہ
تلوار ہاتھ سے تم رکھو اب سپر سے دو

یارو نہ اب گھٹاؤ دل کو گھٹا دکھا کر
یہ وقت مے کشی ہے ساغر نہ دھر سے دو

شیشے قریب ساغر کس نے دھرے ہیں ساقی
یہ آبلے نہیں ہیں داغ جگر سے دو

کانوں میں یہ نہیں ہیں اس رشک مرے کے موتی
تارے سے ہیں چمکتے اپنی نظر سے دو

نیند آ گئی ظفر کو زانو سے یار پر اب
اے یارو کوئی تکیہ رکھ اس کے سر سے دو

جب لب پہ ترے رنگ مسی جلوہ نما ہو
تب چشمہ حیواں پہ نمودار گھٹا ہو

نرگس کی روش ہاتھ میں لے کیوں نہ عصا وہ
آنکھیں جو تری دیکھ کے بیمار ہوا ہو

عکس رخ دلدار وہیں ہووے نمایاں
جوں آئینہ کچھ دل میں اگر اپنے صفا ہو

جب کھولتے ہو کاکل پیچاں کو تم اپنے
تب سر پہ مرے ایک نئی لاتے بلا ہو

کیوں دیدہ و دانستہ نہ ہم خاک میں مل جائیں
اے شوخ جو سرمہ تری آنکھوں میں لگا ہوا

بوسہ جو طلب میں نے کیا اس سے تو وہ ہیں
جھنجھلا کے لگا کہنے کہ چل یاں سے ہوا ہو

وحشت سے گریباں کو کرے کیونکہ نہ گل چاک
زنجیر چمن میں جو لئے موج صبا ہو

محراب حرم کیونکہ نہ سمجھے وہ بہر شکل
سر جن کا خم ابروے جاناں میں جھکا ہو

جب اس کو تو پامال کرے یوں تو پھر اے شوخ
باندھے ہوئے ہاتھ آگے ترے کیوں نہ حنا ہو

میں تم پہ دل و جاں سے مری جان فدا ہوں
بہکانے سے غیروں کے نہ تم مجھ سے خفا ہو

کیا خاک جئے آہ وہ بیمار بھلا اب
جس کو کہ ظفر عشق کا آزار لگا ہو

یہ کہہ دے اے صبا ان سے کہ یہاں آؤ ہوا کھاؤ
چمن میں صبحدم تک سیر فرماؤ ہوا کھاؤ

مجھے ڈر ہے کہ گرمی میں دل نازک نہ گھبرائے
ذرا ایوان کے پردوں کو اٹھواؤ ہوا کھاؤ

کیا بوسہ طلب جس دم تو وہ جھنجھلا کے یہ بولے
نہ بیہودہ بکو تم یاں سے بس جاؤ ہوا کھاؤ

نسیم اس یار سے کہہ دے کہ تم بیٹھے ہو کیا گھر میں
گلستاں میں ذرا تشریف تک لاؤ ہوا کھاؤ

نہیں کم آہ سرد پانی نسیم صبح سے پیارے
چمن ہی میں دل پر داغ کے آؤ ہوا کھاؤ

یہ ہے ہنگام گرمی بے حجابانہ ذرا بیٹھو
قبا کے کھول دو بند اب نہ شرماؤ ہوا کھاؤ

جو اس کے گال کو چھیڑا تو گالی دے کے یوں بولا
چلو بس اے ظفر مت گالیاں کھاؤ ہوا کھاؤ

جب یہ چمک تمہارے ابرو کے خال میں ہو
یہ کہیے کیونکہ تار شب کو ہلال میں ہو

اے حضرت دل اب تو فکر رہائی کیجے
بے وجہ پھنستے تم تو زلفوں کے جال میں ہو

فرقت کی رات جس نے کاٹی تڑپ تڑپ کر
یا رب وصال اس کا روز وصال میں ہو

آگے لبوں کے تیرے بھرتا ہے قند پانی
لیکن کہاں سے لذت آب زلال میں ہو

مجلس میں مے کشوں کی کیا کام ہے تمہارا
ہاں تم تو شیخ صاحب مست اپنے حال میں ہو

کبک دری کو تو نے پامال کر دیا ہے !
کیونکر نہ چلبلاہٹ اب تیری چال میں ہو

کو چرخ پر بھرا وے مہ آپ کو ولیکن
ہمسر نہ تو بھی تم سے حسن جمال میں ہو

نکلے ہے مہر تاباں جو صبحدم شفق میں
لگتے مجھے تم ایسے اس سرخ شال میں ہو

اٹھو کہیں ظفر اب بیٹھے عبث ہو در پہ
وہ خواب ناز میں ہے تم کس خیال میں ہو

چشم و دل میں مرے نشہ نے دو
تیر مژگاں اسے لگانے دو گر ستاوے وہ تو ستانے دو

کیوں ستاتے ہو ناصحو مجھ کو
داغ دل مجھ کو تم دکھانے دو

بعد مدت وہ لالہ رو آیا
بخت خوابیدہ کو جگانے دو

مجھ کو رونے دو آج گریہ سے
گر جلاوے مجھے جلانے دو

سر کی پرواہ نہیں ہے شمع صفت
آہ کو میری لب تک آنے دو

وہیں اس سنگ دل کو ہوگا اثر

اے ظفر رہا عشق ہے مشکل
اس سے تم باز آؤ جانے دو

مجھے ہر بات پر دیتے ہو لاکھوں گالیاں اوہو
تصدق اس زباں کے تم بھی یہ سیکھے زباں اوہو

دلا صد آفریں سر پہ اٹھایا بار غم تو نے
کہ تو یہ ناتواں ہے اور یہ بار گراں اوہو

دم آیا میرا آنکھوں میں نہ آ کیا آنکھ بھر تو نے
تغافل اس قدر انداز اتنا مہرباں اوہو

گھٹا بھی گھٹ گئی دریا بھی اترا یہ نہیں رکتا
مری آنکھوں سے بھی ہیں کس قدر آنسو رواں اوہو

یہاں تک ناتوانی ہے کہ دم گھٹتا ہے سینے میں
ہزاروں کوس بھی پہنچوں گا میں کب تک کہاں اوہو

مرا کہنا کہ کیا عالم ہے تجھ پر واہ واہ صدقے
وہ ان کا ناز سے ہنس ہنس کے یہ کہنا کہ ہاں اوہو

ظفر مت پوچھو مجھ سے کہ کیا کیا لطف دیکھا ہے
وہاں آنکھ یہاں وہ وہ یہاں ہے ہے وہاں اہو

دل کو مارا پارہ دل دوں نگاہ ناز کو
چاہیے ہے طعمہ بعد از صید دینا باز کو

بن کے پا جائے ہیہ میرے دل کے راز کو
وہم نے اس کے بٹھایا ہے بڑے غماز کو

دے کے سر الفت میں اس نے تازہ سر پیدا کیا
دیکھنا روشن دلو تم شمع کے اعجاز کو

وہ قیامت ہے مرا نالہ کہ دم میں بھر دیا!
بند کر دوں صور اسرافیل کی آواز کو

ہے لب زخم جگر کو یہ جنبش دم بدم
دے ہے اے قاتل دعائیں تیری تیغ ناز کو

زردی رخسار نے تیرے مریض عشق کو
کر دیا فق چھٹتے ہی مہتاب آتش باز کو

ہاتھ سے صیاد کے اڑ جاؤں جوں رنگ حنا
ہاں و پر کی کچھ نہیں حاجت مری پرواز کو

سامری کرتا ہے دعوی ساحری کا اے ظفر
یک نظر دیکھا نہیں اس چشم افسوں ساز کو

خواب میں جلوہ جو شب اس نے دکھنا مجھ کو
صبح تک غش میں رہا ہوش نہ آیا مجھ کو

چین تھا خواب عدم میں مجھے اے شور ظہور
تو نے کیوں دشمن آرام جگایا مجھ کو

جل اٹھا نبض کی گرمی سے مری دست طبیب
تپ ہجراں نے ترے ایسا جلایا مجھ کو

دل دکھانے کے لئے تجھ کو بنایا میرے
دکھ اٹھانے کے لئے تیر بنایا مجھ کو

دل نخچیر سے تیر اس کا یہ کہتا ہے کر لے
جذبہ شوق ترا کھینچ کے لایا مجھ کو

میں نے جانا تھا کہ آنکھوں میں رکھے گا وہ مجھے
اس نے آنکھوں ہی سے جوں اشک گرایا مجھ کو

لے گیا خضر تصور تجھے اس راہ سے واں
راہ میں نقش قدم ایک نہ پایا مجھ کو

گردش چشم ظفر اس نے دکھا کر آخر
چرخ کی طرح سے دن رات پھرایا مجھ کو

اگرچہ عقل سے الٹے ہزارا دفتر کو
پلٹ سکے نہ کسی کے کوئی مقدر کو

مٹا سکے نہ کوئی سرنوشت کا اک حرف
ہزار پٹکے اگر سنگ پر کوئی سر کو

جہاں دکھائے تماشا ظہور قدرت حق
نہ واں فلک کو ہے طاقت نہ تاب اختر کو

محال ہے کہ رہے ایک طرح پر یہ جہاں
کر روز دور سنا ہے فلک کے ساغر کو

جلانہ ہاتھ کو گل کھا کے بوالہوس بے عشق
کب اعتبار ہے مہر دروغ محضر کو

یہ جمع دے گی تجھے آخرش پریشانی
نہ پھول باندھ کے اے غنچہ گانٹھ میں زر کو

گئے جو اور کے در پر وہ دربدر ہیں خراب
ظفر نہ چھوڑیو تو آستان حیدر کو

داغ میرا اور لالے کا برابر کر تو دو !
دیکھیں تو کرتے ہوں دن سے رات کیونکر کر تو دو

ان کا اقرار اور انکار آج سب کھل جائے
ہم کو اور ان کو اکیلا ایکدم بھر کر تو دو!

دیکھیں خنجر کی تمہاری آب ہم پھر ایک بار
ہر گل زخم کہن کو تازہ و تر کر تو دو

دوستو آنے نہ نہ آنے کا اسے ہے اختیار
حال سے آگہ مرے تم اس کو جا کر کر تو دو

خندہ دنداں نما سے تم ہو گر معجز نما
تو عوض شبنم کے پیدا گل میں گوہر کر تو دو

ہم کو تو غیروں سے اور غیروں کو ہم سے مہرباں
دوستی میں کس طرح کرتے ہو ہمسر کر تو دو

ایک بے ہے ایک بالا سب برابر کیونکہ ہوں
انگلیاں ہاتھوں کی تم پانچوں برابر کر تو دو

اے ظفر ہے جام گل میں بادہ رنگیں بہار
تم بھی خون توبہ سے سرسبز ساغر کر تو دو

وہ زلف و روئے نورانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو
وہ ابرو اور پیشانی آہو ہو ہو اہو ہو ہو

وہ صداں کیا کہ ملک در آہا ہا ہا آہا ہا ہا
وہ لب کیا لعل رمانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

تمہارے روئے روشن سے نقاب اک دم اگر اٹھے
کہے پھر ماہ کنعانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

دیا دل اس کو جس کو قدر مطلق ہی نہیں دل کی
ہوئی کیا ہم سے نادانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

ہمارے اشک دریا کی یہ تم کو سیر لازم ہے
کرے ہے موج طغیانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

صنم کا نقش کھینچا ہم نے وہ کلک تصور سے
کہ مانی نے بھی چیں مانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

کسی کی یاد فندق میں لہو کا قطرہ مژگاں پر
بنا لعل بدخشانی اہو ہو ہو اہو ہوہو

وہ پودا دوستی میں ہوں کہ ہر دم میرے پاؤں پر
گرا وہ دشمن جانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

ظفر تاثیر تخردیں سے میرے کام کا عقدہ
کھلا کیا ہی باآسانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

جگر نظارہ گل کی ہوا ہوس میں لہو
نہ روؤں آنکھوں سے میں کس طرح قفس میں لہو

بہے ہے اس قدر آنکھوں سے یک نفس میں لہو
کہ اتنا ہووے نہ پیدا کئی برس میں لہو

کہاں ہے دل کا یہ مژگاں کے خاروخس میں لہو
چھپتا تیر کی آنکھوں سے ہے قفس میں لہو

ملایا رشک نے لعل نمک فشاں کے ترے
نمک شراب میں اور نیشکر کے رس میں لہو

یہ کس شہید کی تم نعش روند کر آئے
کہ لگ رہا ہے تمہارے ہم فرس میں لہو

کرے جو میرے طرح نالہائے سینہ خراش
تو موج زن ہوا ابھی سینہ جرس میں لہو

دلا نہ بن مگس قاب منعمان جہاں
یہ مکھی چوس نہیں چھوڑتے مگس میں لہو

رواں ہو چشم سے خوں کیوں نہ وقت بیتابی
کہ اپنے بس میں نہ دل ہے نہ اپنے بس میں لہو

نہ لاؤ غیروں میں ہاتھوں کی فندقوں کا ذکر
کہ خشک ہوتا ہے غیرت سے میرا دس میں لہو

اترنے پایا گلے سے نہ میرے جرعہ مے
کہ شب اترنے لگا دیدہ ہوس میں لہو

تمہارے ہے کوئی مجنون زار کی کیا فصد
نہ ایک عضو میں دم ہے نہ ایک نس میں لہو

ہوا نہ پائے نگاریں کا اس کے بوسہ نصیب
دل اپنا کیونکہ ظفر ہو نہ اس ہوس میں لہو

نہ جب تک کھوپڑی اے کجکلہ الٹی سے سیدھی ہو
کہاں برگشتہ بختوں سے تمہ الٹی سے سیدھی ہو

یقیں ہے رات کا پردہ الٹ کر صبح روشن میں
ہوا اے رخ پر گرزلف سیہ الٹی سے سیدھی ہو

صبا کھولے ہزار اے عندلیبو رحمت غنچے کو
جو تہ الٹی ہو اس میں وہ نہ الٹی سیدھی ہو

ہراساں ہے دل عاشق کجی سے فوج مژگاں کی
کچھ ایسا ہو یہ برگشتہ سپہ الٹی سے سیدھی ہو

اگر ہے سرنوشت الٹی جھکا سر کو عبادت میں
کہ بے سجدہ نہ مہرائے روسیہ الٹی سے سیدھی ہو

کبھی سیدھا نہ ہوتے ہم نے دیکھا نیش کژدم کو
تری کس طرح سے نوک مژہ الٹی سے سیدھی ہو

کجی اور راستی جو ہے سو ہے خلقت میں انسان کی
نہ کر سیدھی سے الٹی ہو نہ کر الٹی سے سیدھی ہو

ظفر تقدیر سیدھی جس کی ہو حق کی عنایت سے
کرے وہ بات الٹی جس جگہ الٹی سے سیدھی ہو

کان دھر کر وہ سنے تقریر ہو اتنی تو ہو
بات ہو ایسی تو ہونا تاثیر ہو اتنی تو ہو

تو نے قاتل اک نگہ میں دل کے دو ٹکڑے کیے
واہ رے برش اگر شمشیر ہو اتنی تو ہو

خط مرا وہ دیکھ کر قاصد کو دیں ہنس کر جواب
نامہ ہو ایسا تو ہو تحریر ہو اتنی تو ہو

بوسے کیے لیتے ہی مارا تازیانہ زلف کا
اس خطا پر ہاں اگر تعزیر ہو اتنی تو ہو

بن گئے تصویر سب دیکھ کر تصویر یار
واقعی صورت اگر تصویر ہو اتنی تو ہو

اللہ اللہ خط مشکیں اس کے روئے خوب پر
سورہ یوسف کی گر تفسیر ہو اتنی تو ہو

ان کے آتے آتے یاں آئی لبوں پر اپنی جاں
خوب وہ آئے ظفر تاخیر ہو اتنی تو ہو

ہم وہ بے کھٹکے ملیں تدبیر ہو ایسی تو ہو
کھل نہ جائے راز دل تقریر ہو ایسی تو ہو

جس نے تصویر اس کی دیکھی بن گیا تصویر وہ
اے مصور ہاں اگر تصویر ہو ایسی تو ہو

نیم غمزہ نے کیا ایک وار میں دو ٹکڑے دل
ہاتھ ہو ایسا تو ہو شمشیر ہو ایسی تو ہو

خط کا عالم دیکھنا اس مصحف رخسار پر
گر و قرآں کے اگر تفسیر ہو ایسی تو ہو

واہ واہ تم کھاؤ غیروں کے نصیبوں کی قسم
اے زہے تقدیر گر تقدیر ہو ایسی تو ہو

جس قدر کھینچے ہے وہ اتنا ہی کھینچا جائے ہے
جذبہ الفت کی گر تاثیر ہو ایسی تو ہو

گنبد گردوں نہ ٹوٹے گا قیامت تک کبھی
تل بے استحکام گر تعمیر ہو ایسی تو ہو

دیدہ دربند ہوں بے دل ہے پابند ہوا
قفل ہو ایسا تو ہو زنجیر ہو ایسی تو ہو

غفلت دنیا کا ثمرہ دیکھا عقبے میں ظفر
خواب ہو ایسا تو ہو تعبیر ہو ایسی تو ہو

آپ کے مشتاق صورت ہم نہ ہوں کون ہو
آئینہ سال محو حیرت ہم نہ ہوں تو کون ہو

ہم نے اس ابرو کماں کو دے دیا کیوں اپنا دل
تو وہ یہ ملامت ہم نہ ہوں تو کون ہو

کہتے ہیں وہ آئینہ میں جلوہ اپنا دیکھ کر
ماہ پیکر مہر طلعت ہم نہ ہوں تو کون ہو

ہم ہیں عاشق ہم کو آپ تیغ بے آب بتا
تشنہ جام شہادت ہم نہ ہوں تو کون ہو

جب نہ ہووے آشنا کوئی حقیقت آشنا
فی الحقیقت بے حقیقت ہم نہ ہوں تو کون ہو

آکے بالیں تک ہمارے جبکہ پھر جاوے وہ یار
واقعی برگشتہ قسمت ہم نہ ہوں تو کون ہو

دیکھ کر آہو کو یاد آیا کوئی آہو نگاہ
دشت میں سرگرم وحشت ہم نہ ہوں تو کون ہو

شیفتہ ہیں ہم نشیں ہم اس دہان تنگ پر
تنگ اے حضرت سلامت ہم نہ ہوں تو کون ہو

ساتھ غیروں کے لگاتے ہیں وہ غوطے حوض میں
غرق دریائے خجالت ہم نہ ہوں تو کون ہو

ہے گنہگاروں کی خاطر اس کی بخشش اے ظفر
مستحق عفو رحمت ہم نہ ہوں تو کون ہوا

ارادہ اور کچھ ہے یار جانی اور کہتے ہو
خطوں میں اور لکھتے ہو زبانی اور کہتے ہو

جو ان سے حال دل کہتے تو کہتے ہیں خفا ہوکر
کہ کہہ تو اور بھی گر کچھ کہانی اور کہتے ہو

بھروسہ کیا تمہارا تم نہیں اک بات پر قائم
دم قہر اور وقت مہربانی اور کہتے ہو

نہیں کہتے ہو تم کیا کیا مجھے اس جانفشانی پر
جو کرتا ہوں زیادہ جانفشانی اور کہتے ہو

نہیں ہے داغ دل سے بڑھ کوئی نشاں بہتر
نہیں معلوم تم کس کو نشانی اور کہتے ہو

کہی جاتی نہیں اے حضرت دل بات بھی تم سے
پھر اس پر اپنا حال ناتوانی اور کہتے ہو

ظفر جب شعر کہہ کر اور شاعر بند ہوتے ہیں
دکھا کر تم طبیعت کی روانی اور کہتے ہو

میرے قاصد سے پیام اے یار جانی سن تو لو
چاک کرنا پیچھے خط پہلے زبانی سن تو لو

میں بھی تو دیکھوں کہ تم کو کس طرح آتی ہے نیند
اک ذرا میری مصیبت کی کہانی سن تو لو

داد میری جانفشانی کی نہیں دیتے نہ دو
پر کروں جو کچھ بیاں میں جانفشانی سن تو لو

حال دل میرا نہیں سنتے تو میرے حسب حال
مجھ سے کوئی شعروقت شعر خوانی سن تو لو

میں نہیں کہتا کرو تم رحم میرے حال پر
ایک میں کہتا ہوں کیونکہ زندگانی سن تو لو

جانتا ہوں میں کہ ہو غیروں ہی کے تم راز دار
پر کہوں میں بھی جو کچھ راز نہانی سن تو لو

اے ظفر گرچہ سناتے ہوئیں وہ تم کو گالیاں
گالیوں میں بھی ہے لیکن مہربانی سن تو لو

منہ سے میں کیا کہوں کیا ہوں کیا ہوں تنا پایا ہو
میں کسی درگا گدا ہوں تنا پایا ہو

ہوں جو اس زلف کے سودے میں پریشاں احوال
میں گرفتار بلا ہوں تنا پایا ہو

مرض عشق کی تدبیر اطبا نے نہ کی
ڈھونڈتا پھرتا دوا ہوں تنا پایا ہو

کفر کچھ حق پرستی نہیں اے زاہد ایک
دیکھتا نور خدا ہوں تنا پایاہ و

خندہ وگریہ کا کیا پوچھتے ہو مجھ سے حال
مست سرشار بنا ہوں تنا پایا ہو

میں ہوں وہ خاک کا پتلا کہ بگولے کی طرح
دشت پیمائے فنا ہوں تنا پایا ہو

نکلے ہے تار نفس سے مرے اک نغمہ شوق
ہر نفس نغمہ سرا ہوں تنا پایا ہو

ہوں تو زنجیر م یہ پر خانہ زنجیر سے میں
بھاگتا عشق صدا ہوں تنا پایا ہو

مرشد پاک مرا فخر جہاں ہے اس پر
اے ظفر دل سے فدا ہوں تنا پایا ہو

کیے تدبیر کر کر لاکھ انساں یہ نہ ہو وہ ہو
بجز تقدیر لیکن کب ہے امکاں یہ نہ ہو وہ ہو

نہیں گر نالہ ہمدم آہ ہی دم ساز ہو اپنے
کوئی تو ہو انیس کنج احزاں یہ نہ ہو وہ ہو

شگفتہ دل ہو غنچے اور میرا دل رہے غمگیں
ہزار افسوس بس گلشن میں شاداں یہ نہ ہو وہ ہو

جو نکلے گھر سے وہ شب ماہ وش اور چاند بھی نکلے
خدا شاہد ہے ہر عالم میں تاباں یہ نہ ہو وہ ہو

کرے نظارہ گل تو نہ دیکھے داغ دل میرے
تجھے منظور اے رشک گلستاں یہ نہ ہو وہ ہو

جگر دل دونوں اب تو آرزو مند جراحت م یں
یہ ہو کیونکر نشان تیر مژگاں یہ نہ ہو وہ ہو

سدا گردش میں ہم ہوں اور نہ اک دم دور ساغر ہو
یہ کیا انصاف ہے اے چرخ گرداں یہ نہ ہو وہ ہو

بھرے نالے سدا بلبل رہے خاموش پروانہ
عجب ہے عشق کے ہاتھوں سے نالاں یہ نہ ہو وہ ہو

مزاج میکشی کا ہے کہ ساقی ہووے یار اپنا
نہیں کیا لطف میر ابر و باراں یہ نہ ہو وہ ہو

تڑپتا گے تو تڑپے گو نہ لوٹے پاؤں پر تیرے جو ہو آشفتہ
کر نکلے کچھ تو اس بسمل کا ارماں یہ نہ ہو وہ ہو

زلف اس کی سراسیمہ نہ کیوں دل ہو
کہ امکاں ہی نہیں ہرگز پریشاں یہ نہ ہو وہ ہو

تر زہر آب پیکاں ہے زلال خضر سے خوشتر
گوارا مجھ کو کیوں کر تیرے قرباں یہ نہ ہو وہ ہو

کرے غرق اک جہاں کو اور بجھے میرا نہ سوز دل
تعجب ہے کہ تجھ سے چشم گریاں یہ نہ ہو وہ ہو

لگائے تو جو تکمہ لعل کا دل خوں نہ ہو کیوں کر
کہ ہے حیرت کی جا زیب گریباں یہ نہ ہو وہ ہو

ادا ہو یا نگہ ہو دل کے میں دینے کو حاضر ہوں
کوئی ہو پر ہو وہ اس دل کا خواہاں یہ نہ ہو وہ ہو

الہی شام غربت ہی ہو بدلے شامیانے کے
بلا سے بر سر گور غریباں یہ نہ ہو وہ ہو

ستم ہو تیرا عاشق پر کرم ہو غیر پر تیرا
غضب ہے واں ن ہو وہ اور بھلا یاں یہ نہ ہو وہ ہو

کہا میں نے کہ موت آئی نہ جانے یار پر یارب
تو آمیں کر کے دل بھی یوں اٹھاہاں یہ نہ ہو وہ ہو

زلیخا گر تجھے دیکھے نہ دے یوسف کو دل اپنا
کہے ایسا نہ ہووے ماہ کنعاں یہہ نہ ہو وہ ہو

ہوئی ہے گر نادم دلا میں قاتل کو نہیں پروا
غضب ہے مار کر مجھ کو پشیماں یہ نہ ہو وہ ہو

ظفر جاں ہی نیا ناز کر کے دل دیا تو نے
کہیں ایسا نہ ہو منظور جاناں یہ نہ ہو وہ ہو

مدت میں ملاقات اگر ہووے تو یوں ہو
ہم وہ ہوں نہ ہو کوئی بشر ہووے تو یوں ہو

واں تیر نظر ہو یہاں داغ جگر ہو
شمشیر ہو تو ووں ہو سپر ہووے تو یوں ہو

جب تک کہ نہ اشک آئے لئے پارہ دل کو
کیونکر ہو خبر دل کی اگر ہووے تو یوں ہو

رخسار سے تو اپنے وزا زلف اٹھا دے
ہے وصل کی شب آج سحر ہووے تو یوں ہو

جیسے میں کھینچے دل سے یہاں آئیں وہ کھینچ کر
یا رب کشش دل میں اثر ہووے تو یوں ہو

گر چیر کے پہلو کو نکالیں تو نہ نکلے
اس تیر کا دل م یں مرے گھر ہووے تو یوں ہو

کیا کہیے ظفر کیسے لب یار میں ناوک
شاید کوئی برگ گل تر ہووے تو یوں ہو

تمہیں بھلا کے تم اٹھ جاتے کیوں ہو
بھلے ہو کر برے کہلاتے کیوں ہو

نہیں ہستی مقام خواب راحت
بس اتنے پاؤں یاں پھیلاتے کیوں ہو

رنگ گل ہنساتے گر نہیں تم
تو شبنم کی طرح رلواتے کیوں ہو

یہ دل کافر نہیں میرا سمجھتا
مجھے تم ناصحو سمجھاتے کیوں ہو

نہ ڈالو ناز کے کشتہ پہ آنسو
شہیدوں کو بھلا نہلاتے کیوں ہو

گرہ الفت کے رشتہ میں نہ پڑ جائے
جو سلجھاتے نہیں الجھاتے کیوں ہو

وہ مجھ پہ آگ یوں ہی بن رہا
رقیبو اور اسے بھڑکاتے کیوںہ و

ابھی ہے دور لب سے حرف مطلب
مجھے کہنے تو دو جھنجھلاتے کیوں ہو

بہت بھڑکائے گا صیاد تم کو
اسیران قفس گھبراتے کیوں ہو

پرائے سرکو ہیں قرآن کہتے
ہمارے سر کو تم ٹھکراتے کیوں ہو

نہیں پہچانتے چاہت کی گر آنکھ
ظفر کو دیکھ کر شرماتے کیوں ہو

ہم سا جانباز ہے وہ کون بشر دیکھیں تو
رکھ دے اس تیغ جفا کے تلے سر دیکھیں تو

ذرہ گر اس رخ پر نور سے اٹھ جائے نقاب
روکشی کیوں کریں شمس قمر دیکھیں تو

جن کو دعوی ہے بڑا اپنی جگرداری کا
ان سے کہہ دو کہ مرا زخم جگر دیکھیں تو

خندہ یار نے تو برق پہ مارا چھاپا
کرتے ہیں ابر سے کیا دیدہ تر دیکھیں تو

وہ نظر باز ہیں اک عمر نظر میں رکھیں
ان کی صورت ہم اگر ایک نظر دیکھیں تو

دل کھینچے اس کا ادھر ہے وہ کشیدہ خاطر
ہاں ترا اے کشش عشق اثر دیکھیں تو

ساعتوں خون بہے چشم میں عاشق کے جواب
یک نظر چشم عنایت سے ادھر دیکھیں تو

گل میں کیا خار میں کیا سب میں ہے یک رنگ بہار
کھول کر چشم حقیقت کو اگر دیکھیں تو

عشق میں ہم ہیں ہتھیلی پہ لئے سر پھرتے
ایسا سرباز ہے یاں کون ظفر دیکھیں تو

نہیں درکا کچھ محضر ہماری دادخواہی کو
نشانی اپنے داغ دل کی کافی ہے گواہی کو

کمر بستہ ہو دل کیوں کر نہ میدان محبت میں
کمر کا کھولنا زیبا نہیں مرد سپاہی کو

گئی افسوس عمر اپنی یونہی نامہ سیہ کرتے
قلم کی طرح سے روتے ہیں ہم اس روسیاہی کو

غبار کوئے جاناں ہوں کہوں کیا خاک حال اپنا
تباہی سے کوئی پوچھے مرے حال تباہی کو

چمن میں سبزہ سیراب کو کیا دیکھتے ہو تم
دم گریہ ذرا دیکھو ہمارے رنگ کاہی کو

محبت کا ہوں دیوانہ مجھے اک ڈر ہے بکنے کی
بٹھالے کیونکہ وہ محفل میں اپنی مجھ سے واہی کو

وہ دولت دے خدا ہوں تاجور جس سے دو عالم میں
فقط دنیا میں زیبائش ہے تاج بادشاہی کو

وہ رکھ لٹ زلف کی اور پہ ظفر اپنی روز کہتے ہیں
لپٹا سانپ نے کس پیچ سے دریا میں ماہی کو

ظفر ساری خدائی ہووے ان کے تابع فرماں
بجالائیں جو صدق دل سے فرمان الہی کو

رونا میرا پوچھتے کیا ہو چشم سے آنسو بہنے دو
مجھ کو تصور اور بندھا ہے ایک ذرا چپ رہنے دو
چاہو پہنو زیور دنیا چاہو پہنو زیور دین
کرلو پسند ایک اس میں سے یہ دیکھو ہے ہیں گہنے دو
میں تو بکے ہی جاؤں گا جورڈ میں اپنی کہتا ہوں
اس پہ مجھے سودائی وحشی کوئی کہے تو کہنے دو
ہوئے گا اور ہی حسن دوبالا تیرا سارے حسینوں میں
کانوں میں اے کان ملاحت تو نے جو بالے پہنے دو
تیغ جفا سے وار کرے تو ہاتھ نہ روکو قاتل
اس کو سینے لگانے دو اور مجھ کو جفائیں سہنے دو
قاتل ناحق تیغ سے اپنی پنجہ نازک رنجہ نہ کر
کر دیے میرے دل کے ٹکڑے تیری ایک نگہ نے دو

دل نے جو مانگا رات ظفر اک بوسہ خال عارض کا
ہو کر برہم مارے کوڑے وہ ہیں زلف سیہ نے دو

نصیب ایسا تو سوز جگر کسی کو نہ ہو
کہ جل کے خاک ہو دل اور خبر کسی کو نہ ہو
جلے رقیب دل اس کا نہ موم ہو اے آہ
یہ کیا کسی کو تو ہووے اثر کسی کو نہ ہو
جو ایک عیب ہو دیکھیں ہزار غور سے یار
ستم ہے لاکھ ہنر پہ نظر کسی کو نہ ہو
تمام سود ہے سودا دکان ہستی کا
جو تجھ سے نفع ہو سب کو ضرر کسی کو نہ ہو
ہزار رنج و الم ہوں تو سب گوارا ہیں
کسی کا درد جدائی مگر کسی کو نہ ہو
بجائے بیمہ دوزخ کے گر ہو طوبی خلد
وہ نخل جس سے کہ حاصل ثمر کسی کو نہ ہو

جو داغ دل پہ ہو تو زخم ہو جگر پہ بھی
کہ ہو تو یں کو نہیں اے ظفر کسی کو نہ ہو

یہ تو رک سکتا نہیں روکوں تو کیونکر آنسو
خانہ بردوش ہے مژگاں یہ سراسر آنسو
تیرے دیوانے کا ہے دشت نوردی سے یہ حال
منہ پہ ہے خاک پڑی آنکھ کے اندر آنسو
خانہ چشم میں ٹھہرے ہے کوئی اس کا پاؤں
ایک طوفان ہے یہ کودک ابتر آنسو
منہ میں ہے بیٹھ لئے سورچہ اپنے دیکھو
آ کے ٹھہرا ہے کہاں نوک مژہ پر آنسو
رونا آتا نہیں جب تک نہ ہو دل پرصدر
خون دل آنکھ سے نکلا مرے بن کر آنسو
کان بالوں کے لئے کان ملاحت تیرے
کاش آویں نہ مرے دانہ گوہر آنسو

قدر ہر اشک ظفر کیوں نہ ہو مردم میں تیری
ہیں سمجھ ترے موتی کے برابر آنسو

کیا رنگ دکھاتی ہے یہ چشم ترا اہو ہو
خون جگر آہا ہا لخت جگراہو ہو
اس ہستی یکدم پہ اف تل لے تری گری
ہنستا ہے شرارت سے کیا کیا شرار اہو ہو
مرغان چمن تم کو مدہ ہو کہ گلشن میں
پھر موسم گل کی تو آئی بہ اہو ہو
اک وار میں دو ٹکڑے کرتی ہے مرے دل کے
کیا تیز ہے قاتل کی تیغ نظر اہو ہو
پروانہ سر شعلہ جلنے سے نہیں جلتا
رکھتی ہے محبت کی لو کیا اثر اہو ہو
چھڑکے ہے نمک قاتل لے لے کے نمداں سے
لیتے ہیں مزے کیا کیا زخم جگر ہو ہو
ہستی کو عدم سے ہم مرمر کے پہنچے ہیں
اک دم کی مسافت پر اتنا سفر اہو ہو
ہر تار جو زلفوں کا ہے بار نزاکت سے
بل کھائے ہے بس کیا کیا وہ موئے سر اہو ہو
کیا شور شرابہ ہے مے خانہ عالم میں
ہر دم ادھر آہا ہا ہر دم ادھر اہو ہو
یہ خاک کا پتلا ہو مسجود ملائک کا
کس مسند عزت پہ پہنچا بشر اہو ہو

غفلت کا ظفر پردہ اٹھ جائے جو آنکھوں سے
آ جائے تماشا پھر کیسا نظر اہو ہو

وہ مری جاں میرے پاس آئے تو کیا اچھا ہو
اور نہیں جان نکل جائے تو کیا اچھا ہو
نہیں معلوم کہ میں کون ہوں اچھا کہ برا
کوئی اس بھید کو بتلائے تو کیا اچھا ہو
خواب میں جو کہ دکھا جاتا ہے صورت اپنی
شکل ظاہر بھی وہ دکھلائے تو کیا اچھا ہو
ساغر جم میں جو آئی تھی نظر کیفیت
وہ نظر دل ہی میں آجائے تو کیا اچھا ہو
اے مسیحا نفس اٹھ بیٹھے ترا کشتہ ناز
ابھی قم منہ سے جو فرمائے تو کیا اچھا ہو
کوچہ تنگ ہے دنیا نہیں آرام کی جا
یاں کوئی پاؤں نہ پھیلائے تو کیا اچھا ہو
جو برا آپ کو سمجھے تو وہ ہووے
کہ برا اور کو ٹھہرائے تو کیا اچھا ہو
ہے بڑا وصل مریض غم ہجراں کا علاج
یہ دوا ہاتھ نہ جب آئے تو کیا اچھا ہو

آئے سب ایک نظر گر یہ دوئی کا پردا
اے ظفر بیچ سے اٹھ جائے تو کیا اچھا ہو

ابرو ہیں تماشا ترے اے رشک قمر دو
اک جامہ نو سامنے آتے ہیں نظر دو
اک بوسہ دندان مصفا مجھے گر دو
گویا کہ دہن موتیوں سے تم مرا بھر دو
پالے ہیں ترے حسن کے دریا میں بھنور دو
اور اس پہ غضب یہ ہے کہ ہیں ان میں مگر دو
آنکھوں سے دو چار اس کے ہوا ہے دل عاشق
پر دیکھئے کیا ہو کہ ادھر ایک ادھر دو
اے آنسوؤ کچھ جلد روی اپنی دکھا دو
جلدی ہے مجھے لا کے مرے دل کی خبر دو
ہے طرفہ طلسم ابروؤں میں تیرے جو نکلے
اک قبضہ تلوار میں ہیں عربدہ گر دو
ڈرتا ہوں کہیں جنبش مژگاں سے تم اپنے
زیر و زبر اک پل میں دو عالم کو نہ کر دو
پھر زیست کا عرصہ ہو کہاں منزل آرام
ہر آمد و شد میں جو نفس کے ہوں سفر دو
دکھلا دے وہ بت اپنا اگر طاق دو ابرو
اے زاہد و ایماں تم ابھی طاق پہ دھر دو

ہر ایک میں آتا ہے نظر ایک ہی ہم کو
جس کے ہے دوئی دل میں وہ سمجھے ہے ظفر

مجھ کو تم شاباش ہے یہ وقت شاباشی کرو
صبرا دیکھو میرا زخموں پہ نمک پاشی کرو
منزل دنیا کو اے یارو نہ سمجھو عیش گاہ
یہ مقام رنج و غم ہے یاں نہ عیاشی کرو
اس کا نقشہ کھینچا وہ کلک تصور نے مرے
دیکھو مانی شو اگر تم ترک نقاشی کرو
دل کی گرمی کو ہے بس پلکوں بھری بانکی جھوک
اے ہوا خواہو نہ پنکھا مجھ کو فراشی کرو
حکم فوج اشک کو دیتا ہے یہ سلطان عشق
قطرہ خوں سے کلاہیں تم قزلباشی کرو
یہ نزاکت ہے کہ معدے میں گرانی ہو وہیں
رنگ تم پوشاک کا اپنی اگر ماشی کرو

کرتے ہو کیوں غم کہ دنیا چند روز ہے ظفر
زندگانی تم پہ حشاشی وبشاشی کرو

عارض روشن سے روکش ماہ کامل ہو تو ہو
ماہ نو تھوڑا سا ابرو کے مقابل ہو تو ہو

تم کو کیا پروا کسی کو رنج حاصل ہو تو ہو
تم تو دل لے لو بلا سے کوئی بیدل ہو تو ہو

جس طرح رہتا ہے تجھ بن میرے دل کو اضطراب
مضطرب اس طرح کوئی مرغ بسمل ہو تو ہو

کب دل دیوانہ آتا ہے کسی کی قید میں
پر تری زلفوں میں پابند سلاسل ہو تو ہو

ہم وفا سے منہ نہ موڑیں یہ ہے شرط دوستی
وہ وفا دشمن ہمارا گرچہ قاتل ہو تو ہو

کیوں کر ہوں اس شمع رو بن بزم آرائے نشاط
رونق محفل مرے وہ زیب محفل ہو تو ہو

عشق کے نزدیک ہے آسان رہ دشوار غم
آدمی ہمت نہ ہارے دور منزل ہو تو

وہ تو ہے دکھلا رہا ہے پردہ صاف اپنا جمال
کچھ تری غفلت کا غافل پر وہ حائل ہو تو ہو

جب تلک ہے دم میں دم تیرا بھرے جائیگا دم
دم کا لینا ضعف سے عاشق کا مشکل ہو تو ہو

ہووے یوں معلوم کیا یاروں کو قدر عافیت
جب کہیں دل ان کا میری طرح مائل ہو تو ہو

اب گریہ سے بجھے کیا آتش غم اے ظفر
بلکہ اس سے اور افزوں سوزش دل ہو تو ہو

جو کوئے عشق میں ہم نے ذرا جمائے پاؤں
تو عقل و ہوش نے کیا جلد جلد اٹھائے پاؤں

جو آگے عشق کے میدان میں بڑھائے پاؤں
تو شرط ہے کہ پیچھے نہ پھر ہٹائے پاؤں

گڑا ہووے گا ہم دل جلوں کا خاک پہ کیوں
غرض ہے کیا اسے آئی جو وہ ہلائے پاؤں

بہت پھرے حرم و دیر میں کہیں اس کو
نہ پایا شیخ و برہمن نے کیوں تھکائے پاؤں

دبائے اس لئے عاشق کو پیچ مژگاں
کہ تا وہ آنکھوں سے اپنی ترے دبائے پاؤں

پری کو حسن سے اس حور وش کے کیا نسبت
کہ وہ پری سے نہ اپنے کبھی دھلائے پاؤں

بلا سے آنکھیں ملیں میرے تو نے تلوے سے
کہ اپنی آنکھوں سے میں نے ترے لگائے پاؤں

عجب نہیں کہ تجھے تیرے زیر پا گلبرگ
خدا نے ایسے ہی نازک ترے بنائے پاؤں

سنبھل کے کچھ نظارہ اے ظفر اس کا
صفائے رخ سے نگہ کا پھسل نہ جائے پاؤں

جو دیکھا عین جوش غم میں میرے اشک پینے کو
تو دیا خوب دست موج سے دریا نے سینے کو

گل خورشید پر اک اوس سی پڑ جائے گلشن میں
ترے رخسار پر گر یک نظر دیکھے پسینے کو

فقط نام و نشان کے آرزو کاوش میں لاتی ہے
وگرنہ سینہ کاوی سے غرض کیا تھی نگینے کو

لب شیریں سے ہے تیری حلاوت زندگانی کی
کلام تلخ لیکن تلخ کر دیتی ہے جینے کو

لگاتا ہوں جو دل اس سنگدل سے دل یہ کہتا ہے
کہ پتھر سے بھڑاتا کیوں ہے ظالم آبگینے کو

نہ دی محفل میں مجھ کو جائے پر یہ بھی غنیمت ہے
کہ اپنے دل میں تو اس نے جگہ دی میرے کینے کو

ظفر بخت رسا اپنا کرے گر رہبری میری
تو یاں سے جائیے مکے کو مکے سے مدینے کو

خط مرا شوق سے غیروں میں مری جاں کھولو
یہ کسی پر نہ یہ حال غم پنہاں کھولو!

میرا گھونٹے ہے گلا وحشت دل جاں ہے تنگ
ناخن تیغ سے کھولو جو گریباں کھولو

سر پہ ہر آبلہ پا نے تمہاری منڈیل
خوب باندھی ہے نہ اے خار بیاباں کھولو!

تو سن ناز کو گرا اور ہے کوڑا منظور
اپنے رخسار پہ تم طرہ پیچاں کھولو

دل بیتاب ہے آنکھوں کا تمہارے بیمار
قصد کھولو تو نہ جز نشتر مژگاں کھولو

زلف کو مصحف رخسار ہے تم سرکاؤ
فال سودا زدگاں کھول کے قرآں کھولو

ناظرو دیکھو تم اپنے ہی میں اس کی صورت
آنکھ گر صورت آئینہ حیراں کھولو

وہ ہی پاؤ گے جو قسمت میں ہے دنیا طلبو
تم کو کھلنا ہے اگر مفت میں ایمان کھولو

اے ظفر باندھتے ہو گر کمر ہمت کو
شرط یہ ہے کہ نہ تم پھر کسی عنواں کھولو!

جن آنکھوں نے دیکھا ہے حسن رخ جاناں کو
چڑھتی ہے تپ لرزہ خورشید درخشاں کو

ذرہ جو دکھاتا ہوں داغ دل سوزاں کو!
رونق شب تیرہ سے ہے انجم تاباں کو

کیوں ننگ ہستی سے ہو زیب اس کے نہ زنداں کو
وحشی نے ترے زنداں سمجھا ہے بیاباں کو

ہے دیدہ ترا آہو زنجیر کا حلقہ سا
گر خواب میں بھی دیکھے اس نرگس فتاں کو

سوفتہ خوابیدہ بیدار ہوں اک پل میں
جھاڑوں جو دم گریہ میں دامن مژگاں کو

لگ جائے جھڑی برسوں پھر اتنے جھڑیں آنسو
کرتا ہے رفو صبح کیا مرے چاک گریباں کو

سینہ تو سینے اس کو گر چاک ہوا ایسا
ہے لب سے ترے نسبت کیا لعل بدخشاں کو

وہ سنگ کا ٹکڑا یہ گل برگ سے بھی نازک
پھرکون گلے اپنے اس خنجر براں کو

یہ کہہ کر ترا بسمل تڑپا کر لگائے گا
خالی جو نمک سے وہ دیکھے ہے نمکداں کو

ہے چشم میں بھر لاتا پھر زخم جگر آنسو

ہو زیر فلک راحت کس طرح ظفر ہم کو
آرام نہیں آپ ہی اس گنبد گرداں کو

کیوں مارتا ہے سامنے قاتل کے ہاتھ پاؤں
کٹوائے اس گزند نے بسمل کے ہاتھ پاؤں

گر پڑ کے پہنچے ہم ترے کوچے میں اس طرح
سارے لہو لہان ہیں چپل چپل کے ہاتھ پاؤں

کس کس مزے سے رات کو مستی میں دم بدم
ہم چومتے تھے ساقی محفل کے ہاتھ پاؤں

رہاد قیس داتے ہیں خادموں کی طرح
منزل میں عاشق کے مرے ل کے ہاتھ پاؤں

پایا کنارہ ہاتھ نہ دریائے عشق کا
اور تھک گئے شناور کامل کے ہاتھ پاؤں

بھی جو ہاتھا پائی ترے ساتھ غیر کی
ہوں سرد کیوں نہ عاشق بیدل کے ہاتھ پاؤں

خط بھی لکھے گا آپ بھی آئے گا تیرے پاس
چلتے ہیں جب تلک ترے مائل کے ہاتھ پاؤں

جب کہاں پری کو کہ دھلوائے جوں کنیزا
مہندی بھرے وہ حور شمائل کے ہاتھ پاؤں

بے دست و پائی ان سے بھی بہتر ہے ظفر
بے کار کاہلی سے ہوں کاہل کے ہاتھ پاؤں

کیا دل کو تاب ہو بت سرکش کے روبرو
سیماب کوئی ٹھہرے ہے آتش کے رو برو

کیا کیا جلی ہے رشک سے شب ہو کے بے فروغ
محفل میں شمع عارض مہوش کے روبرو

رتبہ خطوط مہر کو کب آسمان پر
اے ترکش کماں تری ترکش کے روبرو

زاہد بحر دعائے قدح کچھ چلے نہ ذکر
محفل میں دیکھ بعد قدح کش کے روبرو

دل ہے وہ داغ داغ کو سوختانہ باغ ہو
بے رنگ اس مکان منقش کے روبرو

گر نغمہ نشاط ہو شیون سے کم نہیں
آفت رسیدگان مشوش کے رو برو

ملا جو جب مذاق سخن بھی نہ ہو ظفر
کیا پڑھیے شعرا اس بڑا خفش کے روبرو

دکھاؤں میں اگر اپنے فروغ داغ ہجراں کو
رہے جا منہ دکھانے کی نہ خورشید درخشاں کو

چھپا لیتی ہے کیوں وہ زلف کافر وے جاناں کو
تعجب ہے رکھے ہندو بغل میں اپنی قرآں کو

ہوئی وحشت میں سوز دل سے یہ کثرت پھپھولوں کی
کہ پھلکاری کا پیراہن ملا ہے جسم عریاں کو

سر ہنگام صحرا میں ہمارے تار دامن سے
جنون بندھوائے ہے دستار ہر خار مغیلاں کو

خیال اس زلف کا ہے کیوں نہ میرے داغ دل چمکیں
کہ ہوتی ہے شب تاریک میں رونق چراغاں کو

عجب دیوانے ہیں وہ جو خط جادو سمجھتے ہیں
کیا وحشت نے میرے چاک دامان بیاباں کو

نہ دیکھی ہووے جس نے غنچہ شگفتہ میں شبنم
دہن میں وہ ترے وقت تبسم دیکھے دنداں کو

جگر سو ٹکڑے ہووے ایک دم میں صبح محشر کا
ترے عاشق دکھائیں اپنے گر چاک گریباں کو

نظر بھر ان کو دیکھا جس نے وہ چنتا پھر پچھتے
فسوں کوئی بلا ہے یاد تیری چشم مژگاں کو

ہوا خواہی سے دل سوزی کے کب ہوں دل جلے ٹھنڈے
پر پروانہ کیا پنکھا جھلے شمع شبستاں کو

ظفر مشتاق ہوں میں جلوہ راہ حجازی کا
بھلا دیکھوں کن آنکھوں سے جمال ماہ کنعاں کو

زیب مہتابی اگر وہ رخ پر نور نہ ہو
شب مہتاب مجھے کیوں شب دیجور نہ ہو

تاک کر عقد ثریا کو نشے میں ساقی
سوچتا یہ کوئی خوشہ انگور نہ ہو

لب جاناں کو ہو دعوے تو مسیحائی کا
اور ستم ہے کہ علاج دل رنجور نہ ہو

ہم کو اس دور میں ہو کیوں طلب ساغر مے
یہ تو جب ہے کہ تری نرگس مخمور نہ ہو

دل کا ٹھہرا ہے تری نیم نگہ کا سودا
پر کریں کیا کہ جو لینا مجھے منظور نہ ہو

داغ پروانہ دل سوز پہ حسرت ہے اگر
اشک اے شمع ترا مرہم کافور نہ ہو

ضعف سے ہاتھ میں بیمار الم کے تیرے
گر عصا بھی ہو تو غیر از مژدہ ممور نہ ہو

اے ستم کیش ترا زخم خدنگ مژگاں
کوئی دل میں نہیں ایسا کہ وہ ناسور نہ ہو

اس پری رو کو دکھائے ہے شتاب آئینہ
اے ظفر حسن پہ اب کیونکہ وہ مغرور نہ ہو

ہم سے تم کیا پوچھتے ہو مہرباں اچھے تو ہو
ہم تو اچھے ہیں سو ہیں تھے تم کہاں اچھے تو ہو

تم برے کا ہے کو ہو تم کو برا کہتا ہے کون
گالیاں دیتے ہو لاکھوں بدزباں اچھے تو ہو

حضرت دل چاہئے پرہیز کیوں کھاتے ہو غم
ہورے ہو تم مریض و ناتواں اچھے تو ہو

کیسے باطن میں تم اللہ جانے اے بتو
ظاہرا معلوم ہوتے ہم کو ہاں اچھے تو ہو

دردمندوں سے کبھی بے درد تو اتنا تو پوچھ
کیا وا کرتے ہو کیوں آہ وفغاں اچھے تو ہو

دل ہوا یاد کمر میں گم مری پائی نہ بات
اب جو ل جائے تو پوچھوں کیوں میاں اچھے تو ہو

اچھے ہو جائیں ابھی بیمار غم اس کے اگر
پوچھے اتنا وہ مسیحا نے زباں اچھے تو ہو

کہتے ہو کیا چارہ گر سے بھر گیا مرہم سے دل
تم ابھی اے زخمہائے خونچکاں اچھے تو ہو

کہتے ہو دارالشفا اس کی گلی کو تم ظفر
پھر بھلا یہ ہم بھی کو دیکھیں اے میاں اچھے تو ہو

ایسا ہو گر کلام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو
تسکین دل تمام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

قاصد وہاں سے کوئی نشانی تو لائیو
گر نامہ و پیام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

اس تند خو کو گرچہ ہو منظور کشت و خوں
بالفرض قتل عام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

کر صرفہ ایک جرعہ کا ساقی نہ ہم سے تو
گرچہ سبو جام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

وہ کون ہو توا ترے دیوانے کے جسے
پروائے ننگ ونام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

تو چاہے اگر کر نہ ہوں ملک دل خراب
کس طرح انتظام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو ہو

دو چار گالیاں ہی ہمیں خط میں لکھ کے بھیج
گرچہ دعا سلام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

جا سکتا کوئی اس بت خود کام تک نہیں
جاوے کیوں کام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

وہ تار زلف طائر دل کے لئے ظفر
پھندا تو ہو جو دام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

گر ہو پاس عہد بشر کو جس کا ہووے اسی کا ہو
پھیرے نہ سوئے غیر نظر کو جس کا ہووے اسی کا ہو

دل کے مکاں میں کون مکیں ہو تیرے سوا کس طرح کوئی
کر لے اپنا اور کے گھر کو جس کا ہووے اس کا ہو

گر یہ نے گر نا شیرنہ کی تو نالہ ہی کچھ تاثر کرے
پر ہو اثر اس غارت گر کو جس کا ہووے اسی کا ہو

ترنگہ کا گر نہ ہدف ہو ہووے خدنگ مژگ اس کا
پر وہ نشانہ کرتے جگر کو جس کا ہووے اسی کا ہو

ہم نہیں دیتے اس کو دل جو ہوس جاں ہو ہزاروں کا
چاہئے ہے اس رشک قمر کو جس کا ہووے اسی کا ہو

راہ وفا پر ہو جو قائم اس کو نہیں ہے لغزش
تن سے اڑ دے گر کوئی سر کو جس کا ہووے اس یکا ہو

گرچہ ہزاروں لالہ رخا ہوں باغ جائیں جلوہ نما
لیکن شوق دید ظفر کو جس کا ہووے اسی کا ہو

ہم کہتے ہیں بے ہوش ہیں آغوش میں آؤ
وہ کہتے ہیں بے ہوش نہ ہو ہوش میں آؤ

وہ حلقہ سو کرتے دلوں پر ہیں ترحم
کہتے ہیں نہ اس فوج زرہ پوش میں آؤ

اے چپل تو موت سے چلنے کا نہیں زور
تم دیکھو نہ پندرا تن و توش میں آؤ

اے حضرت دل باندھ چکے زلف کے مضموں
کچھ فکر کریں وصف برو دوش میں آؤ

کیا کرتے ہو گوشے میں اچ شیخ جی صاحب
تک محفل رندان قدح نوش میں آؤ

کچھ منہ سے نکل جائے نہ اے بادہ پرستو
مانند خم مے نہ بہت جوش میں آؤ

کہتا ہوں ظفر ان سے جو اشعار ہیں بے ربط
تم لب پہ نہ لاؤ نہ کبھی ہوش میں آؤ!

اپنے ہاتھوں کو جو تم رنگ حنا میں رنگو
ناخن تیغ کو خون شہدا میں رنگو

خیمہ چرخ کو آہوں کے دکھو میں میں اپنے
حضرت دل نہ غم ماہ لقا میں رنگو

ہیں شہیدان م جبت کے نصیب اے کہاں
تم جو پوشاک سیہ اپنی عزا میں رنگو

جیتے جی خاک میں مل جاؤ فقیری یہ ہے
کپڑے مٹی سے نہ حل کر فقرا میں رنگو

پرے تم نہیں ہونے کے جواں کرکے خضاب
غافلو ریش نہ اس رنگ دغا میں رنگو

ہو نزاکت سے وہیں دود تمہارے سر میں
تم گلابی جو کلہ سرد ہوا میں رنگو

جیب و دامن کو ظفر اپنے سرشک خوں سے
دیکھو اس رنگ نہ مجوش بکا میں رنگو

رسم الفت نہ عدوئے دل و دیں سے پوچھو
دوستو اس کو جو پوچھو تو ہمیں سے پوچھو

رات آنکھوں میں کٹی مجھ کو ستاروں کی طرح
کس سے ہمخواب تھا اس ماہ جبیں سے پوچھو

ہے غم یار کو معلوم حقیقت دل کی
اس مکاں کا ہے جو احوال مکیں سے پوچھو

روش نقش قدم خاک میں ملنے کا مزا
اپنے کوچے کے کسی خاک نشیں سے پوچھو

دل کو آزر ہیں محبت کے مطالب سارے
بے تامل یہ بتائے گا کہیں سے پوچھو

سینہ کا وی سے تری کوئی ہوا گر ناک
اس میں حاصل تجھے کیا ہو گا نگیں سے پوچھو

مجھ سے کیا پوچھتے ہو تم سبب سوزش عشق
اک ذرا اپنے ہی حسن نمکیں سے پوچھو

کیا بتائیں تمہیں ہم باعث رنجش ان کا
ہم دوا! ہم سے نہ تم پوچھو انہیں سے پوچھو

اس کے انجم ہیں بہت یا مرے دل کے روزن
اے ظفر دے کے قسم چرخ بریں سے پوچھو

غباروں کا مرے دور ہو تو کیوں کر ہو
صفائی تجھ کو نہ منظور ہو تو کیوں کر ہو

ہمارے درد محبت سے سے واقف اے ناصح
جو تو نہ عشق کا رنجور ہو تو کیوں کر ہو

نہ مے نہ جام نہ مینا نہ ساقی گلفام
دل اپنا باغ میں مسرور ہو تو کیوں کر ہو

ہمیشہ دیدہ نمناک سے ہیں جاری اشک
الٰہی بند یہ ناسور ہو تو کیوں کر ہو

نہ ہووے باعث شہرت اگر ہمارا عشق
یہ حسن آپ کا مشہور ہو تو کیوں کر ہو

چڑھائیں دار پہ جب تک نہ دل کو وہ مژگاں
نصیب رتبہ منصور ہو تو کیوں کر ہو

جو دل میں ایک ہو روزن تو کچھ ہو اس کا علاج
تمام خانہ زنبور ہو تو کیوں کر ہو

برا کہیں نہ اگر یار کیا کہیں ہم کو
وہاں ہمارا جو مذکور ہو تو کیوں کر ہو

ہمارے داغ کو سوزش سے ہے ظفر بہبود
مفید مرہم کافور ہو تو کیوں کر ہو

ظاہر تو دوست اے بت پرفن بنے رہو
باطن میں کیا ستم ہے کہ دشمن بنے رہو

گل کھاؤں کیوں نہ میں کہ جو گل پوش ہو کے تم
غیروں میں ایک غیرت گلشن بنے رہو

حلقے میں تم ہو حضرت دل زلف یار کے
ہوا اب اسیر طوق پہ گردن بنے رہو

اے یاس و غم ہے شرط رفاقت کے بعد مرگ
خادم ہمارے تم سر مدفن بنے رہو

جاؤ مکان دیدہ و دل چھوڑ کر نہ تم
دونوں تمہارے واسطے مسکن بنے رہو

گردش سے آسمان کی سنگین دلو ! ڈرو
ایسا نہ ہو کہ سنگ فلاخن بنے رہو

چلتا ہے زور مرگ سے اب اپنے زعم میں
تم غافلوں نہ رستم و بیژن بنے رہو

دیں گے بگاڑ بد صحبت کو شیخ جی
دیکھو ملو نہ ان میں مشیخن بنے رہو

دلا سے یہ زمانہ مخالف ہے دوستو
دلائی اب بھی ہے کہ کو دن بنے رہو

اے آنسوؤ بجھے نہ مری سوزش جگر
تم واسطے اس آگ کے روغن بنے رہو

ظفر سے کہتا ہے جنوں کہیں درد دل محزوں
جو غم سے فرصت اب اک دم ہمیں بھی ہو تمہیں بھی ہو

دیکھ کے خط سبز کو اس کے یہ بیماری پیدا ہوا
جتنا ہووے ظفر پیدا سب زنگاری پیدا ہو

ہووے اگر آزار مرا تم سے تمہاری آنکھوں کو
عین حکمت ہو وہ مجھ کو جو بیماری پیدا ہو

بعد فنا بھی ہیں وہ سوزاں دل میں داغ محبت کے
کیونکہ نہ آتش خاک سے جائے لالہ ہماری پیدا ہو

باد بہار حسن میں تیرے آہ بھریں گر سوختہ جاں
درد جگر سے ان کے فلکپر ابر بہاری پیدا ہو

یار ہوں یا عیار کسی کا وہ عیارہ یار نہیں
یاری بخت کریں تو شاید اس سے یاری پیدا ہو

ہووے حریص گرچہ غنی دل دولت سے نہ قناعت ہے
حاصل کیا اکسیر بھی گر قسمت سے ہماری پیدا ہو

وقف زلال سبزہ تربت ہو جو زلف کے ماروں کا
پھر تو ناف میں ہو آہو کے مشک تتاری پیدا ہو

جانے دو اے حضرت دل کیا فائدہ آہ و زاری سے
دوتی آہ و زاری سے جب واں بیزاری پیدا ہو

مجھ کو تیغ عشق ظفر گلکاری اپنی دکھاتی ہے
سینہ و دل میں میرے یہ کیونکر زخم کاری پیدا ہو

کہیں گے حال دل اس دل ربا سے کچھ ہی ہو   وہ سن کے خوش ہو کہ ناخوش بلا سے کچھ ہی ہو
ہمارا حال تمہاری جفا سے کچھ ہی ہو   نہ ہاتھ اٹھائیں گے پر ہم بلا سے کچھ ہی ہو
قدم رکھیں سر میدان عشق جب سرباز   نہ پھیریں منہ کبھی تیغ جفا سے کچھ ہی ہو
دکھاؤں صدف سے گر میں خمیدہ قد اپنا   تو فرق آپ کی زلف دوتا سے کچھ ہی ہو
دل آشنا ہو کہ نا آشنا گلی میں تری   پر آج دیں گے اسے دم دلا سے کچھ ہی ہو
اڑانا خاک پھروں یا پھروں گریباں چاک   کوئی تو کام دل ان دست و پا سے کچھ ہی ہو
کسو کی جان پہ آفت کسو کا دل غارت   نہیں تو کام ہے نازو ادا سے کچھ ہی ہو
جو پینے دے گا نہ مے محتسب تو یہ مے خوار   رہیں گے اس کے لہو کے پیاسے کچھ ہی ہو

بلا سے کفر ہو یا دیں یہاں ہیں دونوں ایک
ظفر ہو دل کو محبت خدا سے کچھ ہی ہو

ہمسر اس زلف سے مشک ختنی ہووے تو ہو   روکش اس لب سے عقیق یمنی ہووے تو ہو
وار ہوتے ہیں جو اس تیغ نگہ کے دل پر   یہ کسی معرکہ میں تیغ زنی ہووے تو ہو
صدقے اے رشک چمن اس قد موزوں کے ترے   سیدھا ایسا کوئی سرو چمنی ہووے تو ہو
جو تری نوک مژہ رکھتی ہے تیری ظالم   تیز ایسی کسی برچھی کی انی ہووے تو ہو
جاں کنی عشق میں ہو میری طرح کیا طاقت   تیشہ فرہاد کا گرکوہ کنی ہووے تو ہو
راز دل فاش کرے کون بجز طفل سرشک   ایسا غماز وہی ناشدنی ہووے تو ہو
درد دل ناصح بے درد مرا کیا جانے   اس کو معلوم جو کچھ جی پہ بنی ہووے تو ہو
پہنچے تا منزل مقصود زلیخا اے عشق   اس میں یوسف کو اگر بے وطنی ہووے تو ہو

نہیں ظاہر تو ظفر باعث خاموشی یار
کوئی پنہاں سبب کم سخنی ہووے تو ہو

نہ میں خوش ناخفا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں بھی   سبب کیا کام کیا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں ہو
یہ چھیڑے زلف مشکیں کو تو باندھے اس کی وہ مشکیں   اگر سرزد خطا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں بھی ہو
بغیر از آگہی دل ہو کسی کو کیا خبر دل کی   اگر چہ آشنا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں بھی ہو
زباں میں ہو اثر میری تو شاید دل پھرے اس سے   اگر ناصح و عادل سے کوئی یوں ہو تو یوں ہی ہو
جو ہووے شکل دل غنچہ رکھے پکڑے جگر غنچہ   مشابہ اے صبا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں ہی ہو
بغیر از جاں نثاری کب کرے ہے یار دلداری   جو اس پر مبتلا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں ہی ہو
کرے غمخوار کیا داں اگر ہو غم نصیبوں میں   پڑا باتیں بنا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں بھی ہو
ہیں شاکی چشم سے اس کی میں یہ کیوں ہے آزردہ   اگر مجھ کو گلہ دل سے کوئی یوں ہو تو یوں بھی ہو

کشش میں ہو اثر دل کی تو خاطر ہو ظفر دل کی
کہ حاصل مدعا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں بھی ہو

آن و انداز و ادا ناز و نگہ وہ یکہ تاز
وقت میدان منتخب جن کو ہزاروں میں گنو

دیکھو تم گر ترک نازی اپنی چشم میت کی
تو یقیں ہے اس کو بھی پانچوں سنواروں میں گنو

اے ظفر تسبیح کو چھوڑو طریق عشق میں
اشک کے دانوں کو تم مژگاں کے ماروں میں گنو

خواہ کر انصاف ظالم خواہ کر بیداد تو
پر جو فریادی ہیں ان کی سن تو لے فریاد تو

دم بدم بھرتے ہیں ہم تیری ہوا خواہی کا دم
کر نہ بدخووں کے کہنے سے ہمیں برباد تو

کیا گنہ کیا جرم کیا تقصیر میری کیا خطا
بن گیا جو اس طرح حق میں مرے جلاد تو

قید سے تیری کہاں جائیں گے ہم بے بال و پر
کیوں قفس میں تنگ کرتا ہے ہمیں صیاد تو

دل کو دل سے راہ ہے تو جس طرح سے ہم تجھے
یاد کرتے ہیں کرے یوں ہی ہمیں بھی یاد تو

دل ترا فولاد ہو تو آبجو آئینہ دار
صاف یکباری سنے میری اگر روداد تو

شاد و خرم ایک عالم کو کیا اس نے ظفر
پر مجھکیا ہے کہ ہے رنجیدہ ناشاد تو

پوچھتے ہو آج آ کر ہم سے کیا اچھے تو ہو
پر کہو تم تھے کہاں اے دل ربا اچھے تو ہو

ہم غم دوری سے جس کے پہنچے مرنے کے قریب
اس نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا اچھے تو ہو

دیکھی نباضی تری جا کام کر اپنا طبیب
دیکھ کر تو نبض سے یہ پوچھتا اچھے تو ہو

ہو گئی پرسوں کی پرسوں تم نہ آئے کیا سبب
آپ نے اچھا کیا وعدہ وفا اچھے تو ہو

اپنے بیماروں سے کہتی ہے ذرا کر چشم یار
تم دوا کرتے ہو پر دیکھیں بھلا اچھے تو ہو

کون کہتا ہے تمہیں پیارے کہ تم اچھے نہیں
اچھے اچھے کہتے ہیں سب واہ واہ اچھے تو ہو

زخم میرے چاہتے ہیں اے ظفر جب تازگی
میں انہیں کہتا ہوں کم بختو ذرا اچھے تو ہو

خم گیسو میں ڈھونڈھو دل جو پانا ہو تو یاں سے ہو
کہ اس گم گشتہ کا پیدا ٹھکانہ ہو تو یاں سے ہو

غنیمت جان تو اے مرغ دل یہ چشم میں آنسو
تری قسمت میں شاید آب و دانہ ہو تو یاں سے ہو

ہوئی ناچیز دنیا چیز جب قدرت نے یہ چاہا
عدم کا جو ظاہر کارخانہ ہو تو یاں سے ہو

مری آنکھوں میں جو اشک رواں ہے ایک طوفاں ہے
کوئی قاصد اگر واں کو روانہ ہو تو یاں سے ہو

دل پر داغ کا ہونا بڑی دولت ہے بیدردو
نصیبوں میں کسی کے گر خزانہ ہو تو یاں سے ہو

جناب عشق کے صدقے کہ یہ وہ آستانہ ہے
کوئی گر صدر آرائے زمانہ ہو تو یاں سے ہو

ظفر ان کو یہاں جانا وہاں سے دیر کر آنا
مگر یہ سیر ہے جب جلد آنا ہو تو یاں سے ہو

ہدف تو ہو چکا میں بس کمان و تیر کو رکھ دو
مری گردن پہ اب تم کھینچ کر شمشیر رکھ دو

اٹھا دے اے صبا گر اس کے سرخ سے تو دوپٹے کو
تو کھل جاوے یہ مجھ پر اس پری رخسار کا پردہ

چمن میں شوق سے آواز نالہ عتنا ہرگز
بہت نازک ہے بلبل دیکھ گوش یار کا پردہ

مرا منہ سامنے لوگوں کے کہتا ہوں نہ کھلواؤ
ابھی کھل جائے گا جو کچھ کہ ہے سرکار کا پردہ

رکھے ہے اشک کو یوں اے ظفر یہ چشم پردے میں
صدف ہے جس طرح سے گوہر شہوار کا پردہ

سوتا تھا جو شب رکھ کے ترے سر کے تلے ہاتھ
بیٹھا ہے زنخداں کے سو وہ ڈھیر کے تلے ہاتھ

فرہاد بسر آتا ہے اس عشق سے شیریں!
پر کیا کرے جو دب گیا پتھر کے تلے ہاتھ

اس سے نہ ملے ہائے دعا کے لئے ہر چند
پھیلائے بھی اس چرخ ستم گر کے تلے ہاتھ

گلدست ہے یوں زیر مہ اس کے دل اپنا
فصاد کے جس طرح ہو نشتر کے تلے ہاتھ

ہے جی میں تمنا یہ کہ سوتے میں تو گا ہے
آ جائے مرا عارض دلبر کے تلے ہاتھ

پڑ جائے اگر ہاتھ مرا سینے پہ اس کے
دو ہیں رہے تا حشر نہ پھر سر کے تلے ہاتھ

دل ہاتھ میں اس کا لیا پر ہے یہ ظفر حال
جنبش میں رہے جیسے کہ ساغر کے تلے ہاتھ

کھینچ کر آہ گیا میں تو نہ یاں ہانپ کے بیٹھ
زلزلے سے گیا یہ چرخ دنی کانپ کے بیٹھ

کرے رونے کا گلہ غیر نہ کوئی اے یار
پاس مت میرے جنازے کے تو منہ ڈھانپ کے بیٹھ

وہ بلا زلف ہے کالی تری وہ سم والی
دیکھ کر جس کو گئے دانت یہاں سانپ کے بیٹھ

دم مرا بیٹھ گیا صدمہ غم سے اس شکل
جس طرح جائے چڑھائی سے کوئی ہانپ کے بیٹھ

مد سب بیٹھے ہوئے تھے درے خانہ پہ
دختر رز کو ظفر ہم بھی گئے بھانپ کے بیٹھ

اچھالے دست مژہ گاہ آپ دو دو ہاتھ
ہوا یہ خوف سے کانپے سحاب دو دو ہاتھ

سدا میں اپنے ہوں دمساز نالہ دل سے
نہ چھیڑو مطربو تار رباب دو دو ہاتھ

طپش سے درد جدائی کے میرے پہلو میں
اچھلتا ہے دل پر اضطراب دو دو ہاتھ

لیا جو اس لب شیریں کے خال کا بوسہ
مگس نے چٹ لیا سر شتاب دو دو ہاتھ

پلا لا دے اگرق سامنے تو لروں
سپہر تا کے میں جام شراب دو دو ہاتھ

چمن میں کیونکہ نہ ہو عندلیب نغمہ سرا
بجاتا تال ہے برگ گلاب دو دو ہاتھ

تپ فراق سے اس رشک مہ کے لرزاں ہے
فلک پہ صبح سدا آفتاب دو دو ہاتھ

غریق بحر گنہ ہوں مدام میں تم سے!
کبھی نہ جاوے گا یا بوتراب دو دو ہاتھ

ظفر کا آپ کی بدخوئی سے قسم ہے دل
جلا ہی جاتا ہے خانہ خراب دو دو ہاتھ

دل بیتاب کی کچھ ہمدمو ہو صورت تسکیں!
اگر سینے پہ میرے یار کی تصویر کو رکھ دو

جو ہیں تقدیر کے سائے میں وہ تدبیر والوں کو
یہ کہتے ہیں کہ چھپر پر تم اس تدبیر کو رکھ دو

نہ سوجھے راہ گمراہوں کو یارو تیرہ بختی سے
سر رہ گر چراغ مہر پہ تنویر کو رکھ دو

بلائے ناگہانی پر اثر سبقت نہیں کرتی
تم آگے حضرت دل آہ بے تاثیر کو رکھ دو

کہے ہے اور وحشت میری دیوانوں سے زنداں میں
چلو یاں سے کنارے توڑ کر زنجیر کو رکھ دو

اگر وہ روئے نو خط دیکھ لو تم واعظو پھر تم
اٹھا کر طاق پر قرآن کی تفسیر کو رکھ دو

عزیزو گر نہ حکم دفن دے وہ اس کے کوچے میں
امانت ہے کوئی دن عاشق دلگیر کو رکھ دو

تمہارے ہاتھ دولت آ گئی ہے خاکساری کی
ظفر تم کیوں نہ لے کر ہاتھ میں اکسیر رکھ دو

ردیف ہائے ہوز

پیدا ترے اشکوں کے ہے قطرات میں سب کچھ
حاصل ہے ہر اک دانے سے برسات میں سب کچھ

دیجے دل و دیں کیوں نہ تجھے اے بت کافر
جلوہ یہ خدائی کا تری گات میں سب کچھ

زلف اس کی دکھا دیجیے اے خضر تصور
کہتے ہیں کہ ہے پردہ ظلمات میں سب کچھ

حاصل ہیں کچھ مزرع دنیا سے کسی کو
ہے کشور دل کے مرے دیہات میں سب کچھ

نقد دل و دیں کیوں نہ کروں پیش کش اب میں
لازم ہے کہ ہو اس کی مدارات میں سب کچھ

انداز و ادا سے نہیں کچھ اور کے مطلب
ہوتا ہے ادا تیرے اشارت میں سب کچھ

قطعہ

بوسہ جو مطلب اس سے کیا میں نے تو بولا
موجود ہے بس اپنی ملاقات میں سب کچھ

سائل سے کبھی آج تلک منہ نہیں موڑا
حاصل ہے ہر اک کو مری خیرات میں سب کچھ

بیتابی و زاری کی شکایت ہے عبث اب
ہوت ہے ظفر عشق کے حالات میں سب کچھ

کھلا اس پر مری الفت کے جب آثار کا پردہ
اٹھایا تب بلند اس نے وہاں دیوار کا پردہ

مری چاہت محبت خلق جانے ہے تو دے بوسہ
بھلا تجھ کو رہا ہے اب تلک اغیار کا پردہ

نہ کس صورت سے چھوڑے زلف کو اپنی وہ عارض پر
رکھے ہے منہ پہ بجلی ابر گوہر بار کا پردہ

کبھی تو بے حجابی سے ہمارے پاس آ بیٹھو!
نکالا ہے کہاں سے تم نے سو سو بار کا پردہ

بے سبب کب ہے جبیں کے دیکھو قاتل میں گرہ
کس سے ہو عقدہ کشائی جو پڑے دل میں گرہ

ہائے وہ دل کو تڑپتا صید افگن لے چلا
دے کے اب فتراک سے اس نیم بسمل میں گرہ

نقش ہستی کو اپنے کب کوئی پاوے گا پھر
کھل گئی جس دم یہ دم کی شہر باطل میں گرہ

دیدہ و دانستہ اب تک سوجھتا کچھ بھی نہیں
پڑ گئی ایسی کہاں کی چشم قاتل میں گرہ

ایک دن ہوں گے ظفر تیرے عدو سارے اسیر
ڈیل بندی کیجو دے کر سلاسل میں گرہ

رکھتے نہیں ہم صحبت اغیار میں گھس بیٹھے
وہ اور ہیں جو کرتے ہیں دو چار میں گھس بیٹھے

اک آفت جاں صبر و تواں نے کیا مردم
کیا جانئے کس طرح دل زار میں گھس بیٹھے

سب عیش کیا ہم نے بہم دختر رز ہے
اے بادہ کشو خانہ خمار میں گھس بیٹھے

لے تاک کسی وجہ سے اس پردہ نشیں کو
اے مرغ نظر روزن دیوار میں گھس بیٹھے

ہیں نالہ کناں مرغ چمن موسم گل میں
تو دیکھ تو کیا سایہ اشجار میں گھس بیٹھے

صیاد ستم پیشہ خدا سے تو ذرا ڈرا
مت دام لگا تختہ گلزار میں گھس بیٹھے

کاوش دل صد چاک سے اب کرتا ہے شانہ
کاکل کے ظفر اس کے ہر اک تار میں گھس بیٹھے

یوں نہ جا اس عاشق دلگیر کے پہلو سے اٹھ
ہاں مگر دل کو مرے بس چھیڑ کے پہلو سے اٹھ

گر نہیں اے صید افگن قابل فتراک یہ
کوئی دم تو اپنے مت نخچیر کے پہلو سے اٹھ

جو کوئی ہے سربکف وہ مرنے سے ڈرتا نہیں
شمع جاتی ہے کہاں گلگیر کے پہلو سے اٹھ

یارو میں حیراں ہوں اس آئینہ رو کی بزم میں
مت کہو تصویر کو تصویر کے پہلو سے اٹھ

دل کو ہے وابستگی حلقے سے تیری زلف کے
بیٹھے دیوانہ کدھر زنجیر کے پہلوسے اٹھ

ہوک سی اٹھتی ہے رانجھے کے وہیں سینے میں آہ
جب کوئی کہتا ہے چل یہ ہیر کے پہلو سیاٹھ

ایک مدت میں خدا نے دن دکھایا ہے یہ پھر
اے ظفر مت اس بت بے پیر کے پہلو سے اٹھ

پڑا ہمارا جو اس سیم بر کے ہاتھ پہ ہاتھا
رقیب بیٹھ رہے غم میں دھر کے ہاتھ پہ ہاتھ

ہزار جاں سے قربان اس ادا کے ہائے
رکھا جو شوخ نے اک غمزہ کر کے ہاتھ پہ ہاتھ

نہ اعتبار ہے قول و قرار کا جس کے
دلا نہ رکھیو پھر ایسے بشر کے ہاتھ پہ ہاتھ

رقیب خاک بسر ہوں گے مثل نقش قدم
رکھوں گا اس کے جو نیچے میں سر کے ہاتھ پہ ہاتھ

کچھ اس کے ہاتھ لگا کچھ ہمارے ہاتھ لگا
رکھا جو بام سے اس نے اتر کے ہاتھ پہ ہاتھ

رقیب تیری تمنا حصول ہوگی آہ
ہزار رکھ لیا اس بے خبر کے ہاتھ پہ ہاتھ

ہزار طور کے لوگوں کو پھر گماں ہوویں
ظفر نے جب کر رکھا نامہ بر کے ہاتھ پہ ہاتھ

نکل کے آنکھوں سے اشک لے ہے ہماری جیب آستیں کا بوسہ
تو ہم بھی نور بصر سمجھ کر لیا کریں ہیں جبیں کا بوسہ

لب و دہان و رخ زنخداں تمہارے ہر وجہ سے ہیں بہتر
جو ٹالنا ہے تو خیر ورنہ شتاب دیجئے کہیں کا بوسہ

خرام تو نے یہاں کیا ہے طریق ناز و ادا سے ظالم
عجب نہیں ہے جو لے فلک بھی جھکا کے سر یاں زمیں کا بوسہ

بسان مار سیہ ہیں زلفیں رخ مصفا پہ اس کے یارو
یہ منہ ہے کس کا گلے لپٹ کے جو لیوے اس نازنیں کا بوسہ

بلاق تیرے کا ہے پہ موتی کہ قائم انار ہے یہ پارا
عجب ہی صورت سے لے رہا ہے ترے لب آتشیں کا بوسہ

وہ اپنی صورت کو آئینے میں کبھے ہے کیا دیکھ کر پری رو
کہ ہو رہا ہوں میں محو حیرت سکاں کا لوں یا نگیں کا بوسہ

ظفر یہ کیوں کر کہوں زباں سے کہ اس کے دل تک نہ ہو رسائی
ہماری آہ جگر نے ہر دم لیا ہے عرش بریں کا بوسہ

نہ ڈال عکس تو کر کے نگاہ در تہ چاہ
کبھے ہے خلق کہ ڈوبا ہے ماہ در تہ چاہ

تو چاہ عشق میں دل کیوں پھرے ہے ڈانواں ڈول
کہیں بھی بھولے ہے غواص راہ در تہ چاہ

حباب شرم سے بس ہو ہیں پانی پانی ہو
پڑے اگر ترا عکس کلاہ در تہ چاہ

کبھے ہے خلق ترے دیکھ چاہ غبغب کو
اگا ہے نیلوفر اک زور واہ در تہ چاہ

غریق چاہ محبت کی یوں صدا ہے نحیف
جواب دے بھی کوئی جیسے آہ در تہ چاہ

فقط ہوئی نہ زلیخا ہی باولی یوسف
تجھے بھی کھینچ ہی لائی ہے چاہ در تہ چاہ

وہ ہوئے خط ہے زنخداں میں یا ظفر کائی
جمی ہوئی ہے یہ ہم رنگ کاہ در تہ چاہ

روکشی کا کرے کس منہ سے ارادہ شیشہ
دل سے نازک نہیں دیکھا تو زیادہ شیشہ

ابر و باراں ہے گلستاں ہے ہوا اور سبزہ
ساقی لبریز کر اب لے کے تو بادہ شیشہ

خاک اس دور میں کیفیت مے نوشی ہو
سرنگوں ہے قدم خم پہ فتادہ شیشہ

شیشہ بازوں کی طرح رکھ کے حباب دریا
سر پہ کیا اپنے پھراتا ہے تو سادہ شیشہ

محتسب پر ہو ظفر کیوں کر یہ ناوک انداز
موج صہبا نہیں کھینچے ہے کیا وہ شیشہ

ساقی ترے اس دست قدح گیر کا سایہ
ہے بادہ مرے سر پہ ہے شمشیر کا سایہ

نے جن کا ہے آسیب نہ پریوں کا جھپیٹا
ہے دل کو مرے زلف گرہ گیر کا سایہ

مجنوں کو ترے ضعف سے کیا حاجت زنجیر
پاؤں پہ گراں جس کے ہو زنجیر کا سایہ

کھاتا جو نہیں باد صبا غنچۂ تصویر
اس پر بھی پڑا کیا کسی دل گیر کا سایہ

تو بھی ہے وہ تصویر کہ یوسف ترے آگے
سایہ ہے ترا بلکہ تری تصویر کا سایہ

فردوس ہے کوچہ ترا اے حور شمائل
ہے سایہ طوبیٰ تری تعمیر کا سایہ

وحشی ہے ترا دھوپ میں بھاگا ہوا پھرتا
اس طرح کہ جیوں مرغ ہوا گیر کا سایہ

یوں پیک اجل ہے نگہ یار کے ہمراہ
جوں تیر کے ہو ساتھ رواں تیر کا سایہ

میں ڈھونڈھوں ظفر اور کا کیوں ظل حمایت
کافی ہے مجھے حیدرؑ و شبیرؑ کا سایہ

دل کو ہم دیکھ چکے بیچ کے دو چار کے ہاتھ
اب اسے بیچیں گے اک اور خریدار کے ہاتھ

روتا ہوں کوٹ کے میں سینے کو یاد آتا ہے
ہنستا اس یار کا زانو پہ ترے مار کے ہاتھ

ابر چاہے ہے کہ ہم چشم ہمارا ہووے
آبرو اپنی ہے اب دیدۂ خونبار کے ہاتھ

ہاتھ پانی کے لئے خوب مری بن آئی!
اے حنا باندھ دیئے تو نے جو اس یار کے ہات

میں نے چوری سے جو شب زلف کو چھیڑا تو کہا
کاٹنے چاہیں اس دزد سیہ کار کے ہات

بسمل تیغ محبت نے اجل سے یہ کہا
چوم تو لینے دے اس قاتل خونخوار کے ہات

ہو گیا روئے مصفا پہ اسے اور غرور
کیوں دیا آئینہ اس آئنہ رخسار کے ہاتھ

دل جگر سینہ و پہلو مرا کیجئے رنگ چو
صاف کرنے ہیں اگر آپ کو تلوار کے ہاتھ

ہوں گنہگار ظفر پر ہے بھروسا اس پر
کر شفاعت سے تیری احمدؐ مختار کے ہاتھ

کہتے ہیں مرد دانا دل الا اللہ الا اللہ
ذکر یہ کرتا ہے ان کا دل الا اللہ الا اللہ

دولت دنیا دل وت دیں ہوگی حاصل دو ہیں
جس نے کہا باصدق یقیں الا اللہ الا اللہ

ارض و خورشید و قمر حور و ملک اور جن و بشر
پڑھتے ہیں دل سے آٹھ پہر الا اللہ الا اللہ

وہی یہاں ہے وہی وہاں ہے وہی نہاں ہے وہی عیاں
رکھے ہمیشہ ورد زباں الا اللہ الا اللہ

عقدہ اس سے ہوں وا جملہ امراض کو اس سے شفا
چاہیے کہنا دل سے سدا الا اللہ الا اللہ

جب تک تیرے دم میں ہے دم ہر لحظہ ہر پل ہر دم
دل سے بھرا کر تو یہ دم الا اللہ الا اللہ

ہے یہی اس کے ملنے کی راہ ورد ظفر کر شام و پگاہ
الا اللہ الا اللہ الا اللہ الا اللہ!

جہاں میں ہو نام کیونکہ پیدا اگر نہ ہو نامور پہ صدمہ
نمود کب ہوں حروف سکہ نہ پہنچے جب تک کہ زر پہ صدمہ

ہوا وہ کٹے سے تیرے جوڑے کے دل پہ صدمہ جگر پہ صدمہ
کہ پہنچا آہ دل و جگر سے فلک پہ صدمہ قمر پہ صدمہ

لاسے گر خط کو ٹکڑے کر کر ملے کف پا سے وہ ستم گر
خطر ہے مجھ کو کہ اس خطا پر نہ پہنچے کچھ نامہ بر پہ صدمہ

جنوں کی گرمی سے اپنے خوں کی طپش کیوں کیا کوئی بلا ہے
کہ رگ دم فصد اپنی تڑپی پہنچ گیا نیشتر پہ صدمہ

جو تو ہے باریک بیں زیادہ چڑھا لے دو لے کے جام بادہ
بغیر عینک نہ کر ارادہ وگرنہ ہو گا نظر پہ صدمہ

جو کوئی صدمہ کو عاشق کے جہاں میں پوچھے تو کوہ کن سے
کہ ضرب تیشہ سے آہ اس نے اٹھا لیا اپنے سر پہ صدمہ

نہ پہنو پھولوں کی دیکھو بدھی کہ ہے نزاکت سے ڈر رہا جی
کہیں گرانی سے ان گلوں کی پہنچ نہ جائے کمر پہ صدمہ

اکیلا تم چھوڑ کر ظفر کو سدھارے جس وقت اپنے گھر کو
تو اس نے ٹکرایا اپنے سر کو کہ پہنچا دیوار و در پہ صدمہ

لوگ تو روز سناتے ہیں خبر کچھ کی کچھا
پر ہمیں اور ہی آتی ہے نظر کچھ کی کچھ

سرد مہری سے تری سرد ہے دل اس پہ بھی
ہے مری گرمی بازار جگر کچھ کی کچھ

چھپ سکے عاشق و معشوق سے کیا راز بہم
کچھ سے کچھ حال ادھر شکل ادھر کچھ کی کچھ

ہو گئی شکل تیرے صید کی اے عید قلن
لگتے ہی ایک ترا تیر نظر کچھ کی کچھا

پڑتے ہی آئینہ چرخ میں عکس رخ یار
ہو گئی روشنی شمس و قمر کچھ کی کچھ

آگے ہوتا تھا کبھی حال دگرگوں دل کا
حالت اب رہنے لگی آٹھ پہر کچھ کی کچھ

رات بھر گر ترے بیمار کی یہ شکل رہی
دیکھنا صورت امید سحر کچھ کی کچھ

کچھ کہیں بھی ہم اگر دل سے حقیقت اپنی
فی الحقیقت نہ کہی جائے مگر کچھ کی کچھ

ان سے کہنا ہو جو کچھ تم کو سمجھ کر کہنا
کر بنا لیتے ہیں وہ بات ظفر کچھ کی کچھ

نہ دکھلا مجھ کو مانی کھینچ کر اوراق میں غنچہ!
نہیں خوب اس دہن سے دیدہ مشتاق میں غنچہ

ہنسا جو دیکھ کر وہ غنچہ لب مجھ کو محبت سے
ہوا گویا شگفتہ گلشن اشفاق میں غنچہ

نزاکت سرگراں وہ بھی ہو وقت رقص گر باندھے
بجائے زنگلہ تو اپنی سیمیں ساق میں غنچہ

گرفتہ دل مرا اس چشم و ابرو میں ہے کیا باعث
گلابی کی جگہ سے میکدہ کے طاق میں غنچہ

کیوں کیا تیرا رنگ فندق پا اے گل خوبی
نہیں خوش رنگ ایسا گلشن آفاق میں غنچہ

ترا پیکان تیر اے ناوک افگن غرق ہے خوں میں
یہ لایا رنگ کیا باغ دل عشاق میں غنچہ

نہیں کھلتا ظفر عقدہ ہمیں اس کی خموشی کا
خدا جانے کہ اتنا کیوں ہے استغراق میں غنچہ

ہے یوں تو وہ رخ بھی گل شاداب زمانہ
لیکن ہے دہن نادر و نایاب زمانہ

دیتی ہے نکلنے یہ کوئی کشتی مفقود
ہے ایک بلا گردش گرداب زمانہ

کچھ دور نہیں پر وہ دری سے تری اے چرخ
صد پارہ ہو گر چادر مہتاب زمانہ

چھٹتا ہے پل مرگ کے کب پیچ سے کوئی
گو رستم دوراں ہو کہ سہراب زمانہ

پہلو میں مرے وہ دل بیتاب ہے جس سے
اکسیر نہ ہو صدمعدن سیماب زمانا

کیا سبز کرے کوئی کہ جوں سبزہ شمشیر
ہے تشنہ خوں سبزہ سیراب زمانا

ہو کیونکر کسی سے ظفر امید محبت!
ہم جانتے ہیں جیسے ہیں احباب زمانہ

خال کے دانے سے دیکھ اس سیب غبغب میں گرہ
جتنی سیب خلد ہوں دے تخم سے سب میں گرہ

زلف کے حلقے میں وہ تابندہ اختر دیکھنا
قرص مہ سے کیا لگی ہے دامن شب میں گرہ

دل کی واشد سے کھلتا ہے کہ شاید دل کی جا
غنچے سان پیدا ہوئی انساں کے قالب میں گرہ

دل گرفتوں کے بگولا خاک کا اے شہسوار
ڈال کر لنگر لگائے پائے کوکب میں گرہ

عکس چشم مست ساقی سے ہے کیا نسبت اسے
ہے حباب مے تو اک جام لبالب میں گرہ

ڈونج بالے کی تمہارے ہی ہلانے سے ہے کیا
کھل گئی ہے زہر کی کیا نیش عقرب میں گرہ

سوج دود آہ سے میری فلک پر کیا عجب
ہو سیہ جوں مردمک گر چشم کوکب میں گرہ

سینکڑوں قصے کہوں میں روبرو اس کے ولے
پڑتی ہے میری زباں پر حرف مطلب میں گرہ

رکھتے ہیں رشتہ محبت کا ظفر جو دل میں صاف
دانہ تسبیح بھی ہے ان کے مذہب میں گرہ

جعد مشکیں کو تو اے رشک قمر کھینچ کے باندھ
دل کی مشکیں مری باندھی ہیں اگر کھینچ کے باندھ

رکھتا ہے راہ محبت میں قدم گر اے دل
تو کمر بند سے ہمت کی کمر کھینچ کے باندھ

ہالہ گرد ماہ کے گرد آئیں گے کھینچ انجم چرخ
دے گا بالی میں وہ مہوش جو گرہ کھینچ کے باندھ

چارہ گر خون نہیں تھمنے کا ہوں زخمی عشق
لاکھ پٹی تو سر زخم جگر کھینچ کے باندھ

گر ہو منظور پھرے ساتھ گرفتار کھنچا
گردن دل میں ذرا تار نظر کھینچ کے باندھ

جب پھڑک بھی نہ سکے طاقت پرواز کہاں
دیے صیاد نے اس صید کے پر کھینچ کے باندھ

کیوں نہ تو سر بفلک کھینچے کہ فخر الدیں نے
دی ہے دستار ترے سر پہ ظفر کھینچ کے باندھ

نہیں گلے کو مرے منجملہ ستم سے گلہ
اٹک رہا ہے یہ دم کیوں مجھے ہے دم سے گلہ
ہزار رنج و الم ہوں تری محبت میں
نہ مجھکو رنج سے شکوہ ہے نہ الم سے گلہ
ملائی خاک میں سہاس نے آبرو میری
مجھے ہو کیونکر نہ یہ اپنی چشم نم سے گلہ
کیا ہے میں نے یہ وحشت میں دشت کو پامال
کہ خار خار کو ہے اب مرے قدم سے گلہ
ہزار غنچے کھلائے کیا شگفتہ نہ دل
چمن میں ہم کو ہے یہ باد صبحدم سے گلہ
سہے ستم پہ ستم روز لیک شکر خدا
کیا نہ ہم نے کبھی اس کا اس ستم سے گلہ
برنگ شمع جلے سر سے پاؤں تک لیکن!
زباں پہ لائے نہ ہم اپنے سوز غم سے گلہ
دل اس کو ہم نے دیا دل نے دی ہمیں تکلیف
جو ہم کو دل سے گلہ ہے تو دل کو ہم سے گلہ

ظفر نوشتۂ تقدیر پہ جو راضی ہیں!
نہ ان کو لوح سے شکوہ نہ ہے قلم سے گلہ

ہے حنا کا رنگ بھی دست بت پر فن پہ بوجھ
کر کے میرا خوں نہ لے وہ نازنیں گردن پہ بوجھ
بار دنیا ساتھ ہے منعم کے بعد از مرگ بھی
باعث تعویذ سنگیں ہے سدا مدفن پہ بوجھ
وہ گراں بار الم ہوں میں کہ میری خاک بھی
گرچہ دامن پر پڑے معلوم ہو دامن پہ بوجھ
دشت وحشت سے رہا باقی جو تار پیرہن
ناتوانی سے ترے مجنوں کے ہے وہ تن پہ بوجھ
بارکش دنیا کے ہوں نا اہل نے اہل تمیز
لادتے ہیں کب گدھوں کی طرح سے توسن پہ بوجھ
اس نے کیا سر پہ رکھا پگڑی دھرتا ہے مرا
تازگی سے ہو نہ وہ پھر اس غیرت گلشن پہ بوجھ

لاکھ سرکش ہو وہا ہی وہ رہے گا اے ظفر
بار احساں سے اگر رکھے میر دشمن پہ بوجھ

نہ پوچھ جو تری خوبی میں مہ جبیں ہیں ہاتھ
قسم ہے کچھ ید بیضا سے کم نہیں ہیں ہاتھ
کٹے ہیں ٹکڑے جو عاشق کے تو نے اے قاتل
تو سر کہیں ہے کہیں پاؤں ہیں کہیں ہیں ہاتھ
ملا نہ خاک میں اشکوں کو دیکھ دیدہ ترا
یہی ہے عشق کی دولت در ثمیں ہیں ہاتھ
چھری گلے پہ نہ تو پھیر سخت جانوں کے
کہ نرم نرم ترے شوخ مہ جبیں ہیں ہاتھ
جو پاؤں جلد اٹھا کے پہنچ سکے تو پہنچ
اٹھاتے جینے سے ورنہ ترے نہیں ہیں ہاتھ
قلم سے کھینچ کے تصویر تیرے ہاتھوں کی
قلم سے کھینچتے صورت گران چیں ہیں ہاتھ
کٹے ہے دیکھ کے محفل میں شمع فانوسی
وہ گورے گورے ترے زیر آستیں ہیں ہاتھ
یہ حال ہے غم فرقت کے ہاتھ سے ہیہات
کہ مل رہے ہیں مری بالیں پہ ہم نشیں ہیں ہاتھ

ظفر وہ دولت ایماں سے رہتے ہیں محروم
جو دیتے ہاتھ میں مرشد کے بے یقیں ہیں ہاتھ

جاؤں لینے کو جو دلبر صنم کا بوسہ
شوق ہر گام پہ لے میرے قدم کا بوسہ

کس حلاوت سے لب زخم جگر اے قاتل
دم بدم لے ہے تری تیغ ستم کا بوسہ

اور بھی آئے ہے رونا جو بہ عین الطاف
آستیں لے ہے مرے دیدہ نم کا بوسہ

چاہت جی سے بھی اپنا کر لیجئے ساقی
سر ہر جام ترے دست کرم کا بوسہ

قرح گلشوں پہ نہیں یار کے یہ خال سیہ
لے ہے بھنورا گل گلزار ارم کا بوسہ

شربت خضر سے ہے حق میں مرے شیریں تر
ہے لب ساغر زہرا پہ غم کا بوسہ

نام احمدؐ کو جو لکھے تو عجب کیا ہے ظفر
لے قلم لوح کا اور لوح قلم کا بوسہ

کہاں نگہ پہ ہو سرمے کا رنگ پیوستہ
یہ تیغ وہ نہیں جسمیں ہو زنگ پیوستہ

اگرچہ صورت سوہاں ہے سر وائے قمری
گلے میں تیرے ہے پر طوق تنگ پیوستہ

نہیں وہ آئینہ میں کان کے گہر کا عکس
ہوا ہے بحر کی تہ میں نہنگ پیوستہ

سراپا ہجر میں دیوار سے جو ٹکراؤں
جدا جدا ہوں وہیں خشت و سنگ پیوستہ

بہم ہوں سامنے دو ماہ تو تماشا ہو
بھویں دکھا دے جو وہ شوخ و شنگ پیوستہ

تو اب تو ہاتھ اٹھا قتل سے کر قبضہ تیغ!
ہوا ہے ہاتھ میں اے خانہ جنگ پیوستہ

بدن سے مرد دلاور کے حلقہ ہائے زرہ
رہیں ہیں صورت داغ پلنگ پیوستہ

وہ کب نکلتا ہے جب تک نہ دم مرا نکلے
جگر میں ایسا ہے تیرا خدنگ پیوستہ

ظفر سمجھ نہ اسے زلف روئے جاناں پر
یہ ہے فرنگ سے سرحد زنگ پیوستہ

شدت گریہ سے ہے دیدہ تر پہ صدمہ
آہ سے دل پہ ہے نالے سے جگر پہ صدمہ

گرم نظارہ کوئی کیا ترا مہر لقا
تا خورشید سے پہنچے ہے نظر پہ صدمہ

برق لمعہ مری شمشیر ہے وہ آتش دم
پہنچے ہے جس سے فلک کے بھی سر پہ صدمہ

بھوں جو ہلتی ہے تری آئے ہے ظالم بھونچال
کہیں پہنچے دل عاشق کے نہ گھر پہ صدمہ

رنج فرقت سے جو کچھ گزری ہے مجھ پہ مت پوچھ
مر ہی جائے جو یہ ہو اور بشر پہ صدمہ

مثل زنجیر در اے یار پٹکتے سر ہیں
ہم اٹھاتے ہیں یہ آ کر ترے در پہ صدمہ

کوہکن ہی کے وہ دل سے کوئی پوچھے اے عشق
ضرب تیشہ سے ہوا اس کے جو سر پہ صدمہ

پہنے کیا ہار وہ پھولوں کا نزاکت کے سبب
سایہ زلف سے جب پہنچے کمر پہ صدمہ

کیا کہیں ہم سے بیاں وہ بھی نہیں ہو سکتا
ہے خدائی میں کسی کے جو ظفر پہ صدمہ

دشت میں جو اٹھا غبار ہے وہ
کوئی مجنون خاکسار ہے وہ

کون کہتا ہے دوست دار ہے وہ
دشمن جان بے قرار ہے وہ

سبزہ جل جائے ہے جہاں اکثر
تفتہ دل کا ترے مزار ہے وہ

کیوں نہ دوں جاں اس آفت جاں پر
جانتا مجھ کو جاں نثار ہے وہ!

ایک تیر نگاہ سے اپنے
دل کو کرتا مرے شکار ہے وہ

دل جو بے تاب ہے نہیں معلوم
کوئی شعلہ ہے یا شرار ہے وہ

جاں بلب ہے مریض غم جلد آ
کر رہا تیرا انتظار ہے وہ

دل ہے مژگاں تری دلانا یادا
بول رہا میرے حق میں خار ہے وہ

عشق کا راز اب چھپاؤں کیا
ہو چکا سب پہ آشکار ہے وہ

ہے جو ابرو تری عرق آلود
صاف شمشیر آبدار ہے وہ!

اے ظفر جو ہے مست بادہ عشق!
کب ہے بے ہوش، ہوشیار ہے وہ

یہ جب تلک نفس رشتہ ہے ہزار کے ساتھ
ہزار دانہ سبحہ ہیں ایک تار کے ساتھ

نکل کے روح رواں ہے ہوا کے گھوڑے پر
پیادہ جائے کوئی کس طرح سوار کے ساتھ

ہوا جدا نہ کبھی غم تری جدائی کا
رہا ہمیشہ مری جان بے قرار کے ساتھ

ملایا خاک میں مانند نقش پا تم نے
سلوک خوب کیا اپنے خاکسار کے ساتھ

کہاں ہو بے خلش نیش عشق دل میں داغ
کہ گل جو باغ میں پیدا ہوا تو خار کے ساتھ

لگا نہ دامن دلدار سے کبھی افسوس
صبا نے لاگ یہ باندھی مرے غبار کے ساتھ

برنگ گلشن تصویر باغباں ہم کو
خزاں کے ساتھ نہ مطلب نہ ہے بہار کے ساتھ

کھلی رہیں گی پس از مرگ بھی مری آنکھیں
کہ ایک عمر سے خوگر ہوں انتظار کے ساتھ

ظفر بلا سے مری، دل اگر بلا میں پھنسے!
الجھتا کیوں ہے یہ دیوانہ زلف یار کے ساتھ

وا ہے یوں باعث حیرت تری دلگیر کی آنکھ
جس طرح سے کہ جھپکتی نہیں تصویر کی آنکھ

ہے مگر محو تماشا ترے دیوانے کی
بند ہوتی جو نہیں حلقہ زنجیر کی آنکھ

دیکھے ہے خال رخ یار کو یوں طائر دل
دانہ پر جیسے پڑے مرغ ہواگیر کی آنکھ

شوق نظارہ میں اس ماہ لقا کے ہر شب
جو ستارہ ہے وہ ہے اس فلک پیر کی آنکھ

دم بدم دیکھے ہے حسرت سے ترے بسمل کو
حلقہ جوہر کا نہیں ہے تری شمشیر کی آنکھ

دیکھتا کیا ہے لگا تیر کہاں اے صید افگن
تری آنکھوں کو لگے ہے ترے نخچیر کی آنکھ

جس کا ہے سرمہ ظفر خاک در فخر الدین
چشم بد دور وہ ہے اور ہی تاثیر کی آنکھ

جائے اے قاصد اگر تو واں قدم برداشتہ
ایک خط کیا لکھیں ہم سو خط قلم برداشتہ

آفریں ہمت کو انساں کی یہ پتلا خاک کا
عشق میں پھرتا ہے سر پر بار غم برداشتہ

جب رواں ہووے ہے آنکھ سے ہماری فوج اشک
نالہ دل آگے چلتا ہے علم برداشتہ

ہاتھ میں رکھتے ہیں جو زر پنجہ خورشید وار
رہتے ہیں دنیا سے وہ دست کرم برداشتہ

کفر اور اسلام سے کیا کام عاشق کو ترے
ہے یہ دیوانہ دل از دیر و حرم برداشتہ

اے ستم گر قتل کا کس کے ارادہ ہے کہ آج
ہے جو یوں غمزہ ترا تیغ ستم برداشتہ

ہووے خورشید قیامت سے بھی وہ ہرگز نہ خشک
ہو اگر دامن ترے سائے سے نم برداشتہ

منزل ہستی میں رہنا چاہیے ہر دم تجھے
اے مسافر توشہ راہ عدم برداشتہ

پاؤں پر اس سرو قد کے گر پڑیں گے سایہ دار
اے ظفر جتنے ہیں سر نخل قدم برداشتہ

دیکھے گر وہ ہو کیا پتا محو حیرت آئنہ
آئنہ میں دیکھے گویا اپنی صورت آئنہ

دیکھتا ہوں روبرو اس رخ کی آب و تاب کے
داغ بر دل راہ و غرق آب خجلت آئنہ

ہے اگر شوق جمال اس کا تو اس کو صاف کر
یہ جو ہے دل کا پر از زنگ کدورت آئنہ

حال کچھ ایسا ہے کہہ سکتا نہیں میں اے طبیب
جان کر سکتہ عبث مجھ کو دکھا مت ائنہ

جو کہ خوب وزشت سے یکساں ملے ہے سینہ صاف
ہے وہ شخص پاک جو ہر صاف طینت آئنہ

کور باطن خاک سمجھیں عزت اہل صفا
رو برو اندھوں کے ہے بے قدر و قیمت آئنہ

حسن پر اپنے ہے کیا کیا خود پسندوں کو غرور
یاد اس ہو کہیں دنیا سے غارت آئنہ

خانہ آبی میں گر دیکھا نہ ہووے آفتاب
دیکھو تم دیکھے ہے وہ خورشید طلعت آئنہ

دیکھ اس کے مصحف رخسار کی دولت ظفر
ہر سحر کرتا ہے قرآں کی تلاوت آئنہ

لائے کس وجہ تری تاب نظر آئینہ
رکھے فولاد کا جب تک نہ جگر آئینہ

تاب رخسار سے اس پردہ نشیں کے جانا
ہے رکھا کوئی جھلکی روزن در آئینہ

خاک میں اہل صفا کو ہے ملاتا گردوں!
کیا عجب ہے کہ رہے خاک بسر آئینہ!

موج جوہر سے جو ہے یار ہے پر بحر سیدا
تیری صورت کا ہے دیوانہ مگر آئینہ

رات دن کہنے لگے محو خود آرائی تم
دیکھنا ہاتھ میں ہوں آٹھ پہر آئینہ

سینہ صافوں کا وطن میں ہے زمانہ دشمن
کرتے ہیں اہل حلب شہر بدر آئینہ

میں بھی حیرت زدہ ہوں میری بھی دیکھو صورت
دیکھو گر دیکھو ہو تم ماہ صفر آئینہ

پاک دنیا سے ہیں دنیا میں ہیں گو اہل صفا
غرق ہے آب میں لیکن نہیں تر آئینہ

صورت یار کو ہو دیکھنے کی کیا صورت
صاف جب تک کہ نہ ہووے گا ظفر آئینہ

نہیں اے ہمدموں چلتا یہ دم آہستہ آہستہ
رواں ہے کارواں سوئے عدم آہستہ آہستہ

کوئی دنیا سے جاتا ہے اگر آتے ہو جلد آؤ
نہ رکھو ناز سے اپنا قدم آہستہ آہستہ

مزے لیتا ہے صید عشق کیا کیا ذبح ہونے کے
چھری پھیرے ہے جب وہ پر ستم آہستہ آہستہ

شب فرقت میں اس کے مجھ کو مثل شمع سر تا پا
گھلاوے گا یہ میرا سوز غم آہستہ آہستہ

وہ دو دو دن نہیں آتا ہے یا ہر روز آتا تھا
ملاقات اس قدر کی اس نے کم آہستہ آہستہ

نہ کھو خاک کو برباد میری اس کے کوچے سے
ذرا جانا نسیم صبحدم آہستہ آہستہ

ہوا کہنے سے لکھنا معتبر باعث تامل کے
کہ چلتی ہے زباں جلد اور قلم آہستہ آہستہ

جواب ایسا وہ دیتے ہیں کہ کھل جاتا ہے سب مطلب
اگر کچھ کان میں کہتے ہیں ہم آہستہ آہستہ

نہیں رہنے کا باقی دل میں خوں کا ایک بھی قطرہ
بہا دے گی ظفر جب چشم نم آہستہ آہستہ

عین مستی میں جو تو اپنی ذرا دکھلائے آنکھ
شرم سے نرگس کی گلشن میں نہ کیوں جھک جائے آنکھ

اشک خوں آنکھوں میں اپنی کیوں نہ وہ بھر کر پیے
ساغر مے دیکھ کر جس کو تری یاد اے آنکھ

تو بتا اے بخت برگشتہ کہ میری کیا خطا
پھیر لی یکبارگی اس نے جو مجھ سے ہائے آنکھ

میرے ہمسائے مرے نالوں سے نالاں ہیں سدا
کیا مجال اک پل کسی کی شب جھپکنے پائے آنکھ

جس کا دیدہ صاف حیران کو نہیں ہرگز حجاب
آئینے کے روبرو کس کی بھلا شرمائے آنکھ

جو مجھے کہتے ہیں تو اس کا تماشائی نہ ہو
کیا تماشہ ہو اگر ان کی کہیں لگ جائے آنکھ

وہ در دنداں رہیں پیش نظر جب اے ظفر
کیا عجب اشکوں کی جا موتی اگر برسائے آنکھ

جب تلک دم ہے رہیں گے یونہی غم ساتھ ساتھ
دیکھنا جائیں گے غم اور یہ دم ساتھ ساتھ

دل لیا تم نے تو پھر جان کو کیوں چھوڑتے ہو!
دونوں لے جاؤ تمہیں میری قسم ساتھ ساتھ

اشک مژگاں پہ نہیں دوڑتے بے خون جگر
دونوں اٹھتے ہیں یہ اے دیدہ نم ساتھ کے ساتھ

روش سایہ ہے ربط ان سے ہمارا اس طرح
کہ الگ کے ہیں الگ اور ہیں ہم ساتھ کے ساتھ

لکھ کے حال اپنا لکھوں ان کے گلے بھی قاصد
خط میں ہو جاویں گے اس وقت رقم ساتھ کے ساتھ

آمد و شد سے نفس کی ہمیں معلوم ہوا
یعنی موجود ہیں ہستی و عدم ساتھ کے ساتھ

نہ رہے کافر و مومن کے کدورت دل میں
صاف یکبار ہوں گر دیر و حرم ساتھ کے ساتھ

کوچہ یار سے جاتا ہے نہ دل اور نہ ہم
جا کے پھر آتے ہیں دو چار قدم ساتھ کے ساتھ

تختہ مشق ہے دل دیکھ پئے کلک خیال
ہیں ظفر دونوں یہیں لوح و قلم ساتھ کے ساتھ

نہ پردہ در پردہ نشیں پکڑ کر بیٹھ
جو بیٹھنا ہے تو اے دل زمیں پکڑ کے بیٹھ

نہ کوہکن سے اٹھی ضرب تیشہ غم عشق
گیا سر اپنا وہ اندوہ گیں پکڑ کر بیٹھ

پکڑ تو راہ رضا حق ہے جو ہے مرضی حق
نہ اتنا فکر میں ناحق جبیں پکڑ کر بیٹھ

پکڑ بٹھائے قضا کتنے خوں گرفتوں کو
وزا وہ جائے جو شمشیر کیں پکڑ کر بیٹھ

جگر سے آہ جگر دوز بھر کے میں اٹھا
گئے جگر کوم رہے ہم نشیں پکڑ کر بیٹھ

ہم اٹھے جھاڑ کے دامن تو اس نے مستی میں
عجب ادا سے کہا آستیں پکڑ کر بیٹھ

جگر میں بیٹھ کر دل میں خدنگ غمزہ ناز
مگر تو ایک ٹھکانا کہیں پکڑ کے بیٹھا

اگر سخن کا ہے دعویٰ ظفر کے سامنے تو
قلم کو ہاتھ میں اے نکتہ چیں پکڑ کر بیٹھ

ہے دل سوختہ ہم پہ یہ سراغ آیا ہاتھ
کہ جہاں دل تھا وہاں سینہ میں داغ آیا ہاتھ

دیکھ اے شوخ بہار گل رخسار اپنی
آیا کیا ہاتھ ترے آئینہ باغ آیا ہاتھ

ڈرتے واعظ نہیں ہم گور کی تاریکی سے
عشق کے داغ سے اک ایسا چراغ آیا ہاتھ

دیکھتے بھی نہیں ہم جام جہاں بیں کی طرف
دست ساقی سے جہاں اپنے ایاغ آیا ہاتھ

ہوا اڑ کر یہ سیہ بخت تصدق ان کے
واسطے صدقے کے جب کوئی نہ زاغ آیا ہاتھ

عاقبت گور میں آرام سے پھیلائے پاؤں
یاں نہ ہیہات کوئی کنج فراغ آیا ہاتھ

دیدہ آبلہ سے پوچھے کوئی اشک ظفر
جوش وحشت میں مرے دامن داغ آیا ہاتھ

وہ رنگ ڈھنگ میں کچھ اور بول چال میں کچھ
یہ کیا بات ہے نہیں ٹھہرتی خیال میں کچھ

نہ اس کی مانگ میں اور کہکشاں میں ہو کچھ فرق
نہ ہو تمیز اس ابرو میں اور ہلال میں کچھ

نہیں ہے عشق میں اکال کچھ نہ پوچھو حال
کبھی فراق میں کچھ ہے کبھی وصال میں کچھ

کسے دماغ سنے کون درد سر کے سوا
نہیں ہے فائدہ واعظ کی قیل و قال میں کچھ

نہیں ہے دل ہی فقط زلف میں اسیر مدام
کہ جان بھی ہے گرفتار اس وبال میں کچھ

نہ دیتے وہ لب شیریں سے ایسے تلخ جواب
اگرچہ زہر اگلتا نہ میں سوال میں کچھ

قفس کے ٹکڑے اڑا دے جو پھڑکے اے صیاد
اگرچہ دم نہیں مرغ شکستہ بال میں کچھ

سوائے نالہ فریاد و گریہ و زاری
ہمیں تو خوش ہیں آتا غم و ملال میں کچھ

جو سر نوشت میں ہے اے ظفر جزا اس کی
نہ استخارے میں معلوم ہو نہ فال میں کچھ

ردیف یاء تحتانی

پہ اشک مژہ یاں ہے آہ دل سوزاں ہے
وہ سرو چراغاں ہے وہ شمع شبستاں ہے

خال اس کے نہیں رخ پر ہے جلوہ کناں دیکھو
وہ انجم افلاکی اور وہ مہ تاباں ہے

تیری نگہ و مژگاں کیونکر نہ ہوں اب قاتل
وہ ناوک پراں ہے وہ خنجر براں ہے

کب خال زنخداں میں اب اس کے جھلکتا ہے
یہ یوسف مصری ہے اور وہ مہ کنعاں ہے

لخت دل و اشک اپنے آنکھوں سے رواں کب ہیں
وہ لعل بدخشاں ہے وہ گوہر غلطاں ہے

کیا کہیے دلا کیا ہے اس کا دہن و قامت
وہ غنچہ شگفتہ ہے وہ سرو گلستاں ہے

زلف و رخ جاناں کا مت پوچھ ظفر مجھ سے
وہ ابر بہاراں ہے وہ برق درخشاں ہے

خال رخ پر زلف کب واں سر بسر جہیدہ ہے
شاخ سنبل نیلوفر پر یہ شگر جہیدہ ہے

دھیں ملتا ہے اس کا میری آہ سرد سے
باد سے وہ غنچہ ہنگام سحر جہیدہ ہے

عیسیٰ گردوں نشیں مانگے نہ کیونکر الاماں
میرے نالوں سے فلک دو دوپہر جہیدہ ہے

اشک کے قطرہ سے مژگاں اس طرح کھاتی ہے جھوک
جس طرح شاخ ثمر دار شجر جہیدہ ہے

ہو گیا آخر ہی رشتہ عمر کا دیکھ اے پتنگ
شمع کے شعلہ کا شب میں دل پہ سر جہیدہ ہے

گر پڑے گا موج دریا دیکھنا جام حباب
ہاتھ رعشہ سے ترا شام و سحر جہیدہ ہے

توشہ ملک سخن وہ ہے کہ جس کی حرص میں
دل ہر اک اہل سخن کا اے ظفر جہیدہ ہے

پھینک دے باد صبا باغ سے چن کر کانٹے
رگ گل میں نہ لگائیں کہیں نشتر کانٹے

کس گل اندام کے مژگاں کا ہے اس دل میں خیال
تشنگی سے جو پڑے میری زباں پر کانٹے

فیض سے آبلہ پائی کے مرے جوش جنوں!
ہاں پروتے ہیں سدا دشت میں گوہر کانٹے

دل صد چاک پہ مژگاں کا نہیں اس کے ہجوم
دامن گل میں یہ الجھے ہیں لپٹ کر کانٹے

ناخن شیر نہ کر اپنی مژہ کو اب تو!
ہائے دل کے یہ جگر نے کے ہیں دل پر کانٹے

الت دشت نوردی ہے یہاں تک کہ اگے
جائے سبزہ بھی مری خاک پہ یکسر کانٹے

اس روش کتی بے ثمری سے چمن میں بلبل
تن پہ لگتے ہیں یہ گلبن تو مجھی پر کانٹے

گلشن دہر میں نکلیں نہیں خزاں کا ہو برا
جس نے بوئے ہیں مرے حق میں سراسر کانٹے

ساتھ اس یار کے ہوں کیونکہ نہ اغیار مدام
پاس ہوتے ہیں ظفر گل کے مقرر کانٹے

لب شیریں جو ترے خواب میں دلبر چاٹے
یاد کر ذائقہ ہونٹ سے اپنے مکرر چاٹے!

زندگی سے ہو وہ کیوں سیر کہ جس کا یارو
ہر لب زخم وہ آب دم خنجر کا چاٹے

ہوں دل اس کو نہ ہرگز ہو کبھو اے پیارے
جان کر لقم جو در کے ترے پتھر چاٹے

افعی زلف نے کاٹا ہو تیرے جس کو صنم
زہر مہرہ بخدا کیوں نہ وہ گھس کر چاٹے

اے ظفر بزم سخندان میں ترے سن اشعار
اپنے لب کیوں کر نہ ہر ایک سخنور چاٹے

تنور سینہ میں باہم دل بیتاب و آتش ہے
تعجب ہے کہ یک جا پارہ سیماب و آتش ہے

رخ گلنار پر تیرے کہاں ہے زلف خم گشتہ
بہم اے بحر خوبی حلقہ گرداب و آتش ہے

دل بیمار اس لب پر نہیں ہے پان کی سرخی
سمجھ کر لیجیو بوسہ سر عناب و آتش ہے

نمایاں برگ گل پر قطرہ شبنم نہیں یارو!
یہ اعجاز بہار گل سے یکجا آب و آتش ہے

نہیں جام بلوریں میں شراب لعل اے ساقی
شب ہجراں ہے تجھ بن ساغر مہتاب و آتش ہے

بن مژگاں ہے کب اے مرد ماں لخت دل سوزاں
رواں آنکھوں سے میرے قطرہ خوناب و آتش ہے

بچھائی اس کی خاطر شب کو ہے کیا سیج پھولوں کی
ظفر بن یار کے یاں بستر کمخواب و آتش ہے

پہلو سے اگر اٹھ کر وہ رشک چمن جاوے
دل سرو چراغاں ہی ہر داغ سے بن جاوے

کرتی ہے جو ہر اک پل ناوک فگنی مژگاں!
غربال صفت سینہ یاں کیونکہ نہ چھن جاوے

واقف نہیں تم میری آہ شرر افشاں سے!
کھینچوں تو ابھی سارا جل چرخ کہن جاوے

اس چشم مغلق کی کس منہ سے صفت کیجئے
کرنے کو نہ ہم چشمی آہوے ختن جاوے

تو شب کو جو محفل میں یوں انجمن آرا ہو!
کیونکر نہ تری بلبل یہ شمع لگن جاوے

یہ چاہ وہ ہے جس میں یوسف سے کئی ڈوبے
دل کیونکر بھلا اپنا پھر گرد ذقن جاوے

میدان سخن میں وہ گر تجھ سے ظفر بگڑے
بھول اپنا فیضی بھی یاں طرز سخن جاوے

سچ کہو آئے کہاں سے ہو صنم بھولے ہوئے
آپ کے پڑتے زمیں پر ہیں قدم بھولے ہوئے

ہم وہاں پہنچے کبھی کے منزل مقصود پر
بس اکیلے رہ گئے ہیں راہ ہم بھولے ہوئے

یہ تن گل خوردہ جس جس کے پڑا میرا نظر
حشر تک سوویں گے وہ باغ ارم بھولے ہوئے

جس نے دیکھی ساقیا وہ گردش چشم بتاں!
ہیں برب کعبہ وہ بھی جام جم بھولے ہوئے

کہہ گئے تھے تم جو ہم کو آؤں گا میں وقت شب
آئے کیا جانے کہاں سے صبح دم بھولے ہوئے

وعدہ کرکے رات کا اوے سحر جو اپنے گھر
ایسے ہی شخصوں کو کہتے رہیں گے ہم بھولے ہوئے

جن سے اپنا تھا خط و پیغام جاری اے ظفر
اس قدر ہیں وہ تو ہم کو یک قلم بھولے ہوئے

اے غنچہ دہن میرے تو سرو گلستاں ہے
دل کیوں نہ شگفتہ ہو تو بھی گل خنداں ہے

دل سوز ہے اک عالم روشن ہے سبھی تجھ پر
پرواز میں نہ ہوں تو شمع شبستاں ہے

ٹھہرے بن مژگاں میں یہ لخت جگر اپنے!
چکھٹ میں یہ اے مردم کیا سیر چراغاں ہے

کیا پان کی سرخی ہے لب پر ترے اے کافر
دیکھے سے خجل جس کو ہر لعل بدخشاں ہے

اس آبلہ پائی کی دولت سے مرے یارو
سربستہ جہاں دیکھو ہر خار مغیلاں ہے

کیا اس کے چمکتے ہیں دنداں مسی آلودہ!
یہ خانہ نیلم میں الماس نمایاں ہے

جانا مرے پہلو سے ہر دم نہ ذرا کیجے!
تو ہی مرا جاناں ہے اور تو ہی مری جاں ہے

دیکھ ابر کے پردے میں پنہاں ہے نہیں بجلی
یہ گرم شرارت میں آہ دل سوزاں ہے!

وہ غنچہ دہن اپنا ایسا ہے بصد خوبی!
الفت میں ظفر جس کی دل چاک گریباں ہے

مرے خورشید رو نے وضع یہ اپنی نکالی ہے
کہ جو دیکھے ہے سو کہتا ہے یہ اسم جلالی ہے

تماشا مجھ کو دکھلانے کو مہر و شکل بازی گر
سحر تحت الثری سے پھینکتا خورشید تھالی ہے

تفکر میں ہوں میں کب سے ترے مضمون قامت کے
الف ہے سرو ہے یا مصرع دیوان عالی ہے

نہ سمجھو ان کو مژگاں دیدہ تر پر مرے ہر دم
اٹھی دریا کی جانب کو گھٹا کچھ آج کالی ہے

برنگ غنچہ باغ دہر میں کیا فکر زر کیجے!
بندھی مٹھی ہے اپنی اور جانا ہاتھ خالی ہے

مجھے کیوں دیکھ کر تم ہر گھڑی اب لب ہلاتے ہو
کہو منہ سے اے پیارے اگر دینی جو گالی ہے

ہمارے قتیں تجھ بن آہ تیغ پر نکالی ہے
نہیں کم ساقیا موج شراب پرتگالی ہے

کرے پابوسی جاناں سدا تو اور ہم ترسیں
نہایت رشک ہم کو تجھ پہ اے تصویر قالی ہے

ظفر کس طرح کوئے یار میں جاؤں کہ پاؤں میں
مرے ہر ایک موج اشک نے زنجیر ڈالی ہے

بدلے ہے رنگ ہر دم کیا کیا سحاب ساقی!
بھروا دے شتاب، مجھ کو جام شراب ساقی!

یاں چشم کا یہ ساغر چھلکے نہ کیونکر خوں سے!
شیشہ میں واں جو بھرے تو جس دم شراب ساقی

وعدہ کیا ہے جب سے آنے کا تو نے مجھ سے
ہے اضطرار لاحق اور اضطراب ساقی

مستی مری تمہاری اس چشم مست سے ہے
بدمست کا نہ دیجے مجھ کو خطاب ساقی

ایک دست میکدہ کو کس نے ترے بگاڑا
شیشے شکستہ دل ہیں اور خم خراب ساقی

یک لخت یاد تیری یاں بھولتی نہیں ہے
جلد آ کے مجھ کو تجھ بن ہے پیچ و تاب ساقی

لے لے کے ہچکیاں دل رونا ہے شغل جینا
دے جام مے کے ان کو جام شراب ساقی!

جس کی نظر میں گردش جام شراب کی ہے
دوراں کے سہل جانے وہ انقلاب ساقی!

مت چھیڑ کر سنا تو قانون و بین مجھ کو!
لگتا ہے تار بارش تار رباب ساقی!

مے کے نشے میں لکھو اور اک غزل ظفر آب
ہر شعر جس کا سمجھے باآب و تاب ساقی

کیوں میکشی سے ہر دم کیجئے حجاب ساقی!
ہے اپنا ان دنوں میں عہد شباب ساقی

دے جام گل میں بھر کر صہبائے ناب ساقی
آنکھوں میں محو کر دیں ہم آفتاب ساقی

اس ابر میں خوش آوے کیونکر نہ سیر دریا
کیفیتوں سے پر ہے جام حباب ساقی

لخت دل برشتہ مژگاں پہ یہ نہیں ہے!
لایا ہوں تیری خاطر جام شراب ساقی

ابرو کا تیرے جلوہ دیکھا ہے شاید اس نے
جو ماہ نو ہے شب کو پاور رکاب ساقی

سنبل ہی کیا پریشاں ہے دیکھ زلف تیری
موج نسیم کو بھی ہے پیچ و تاب ساقی

ساغر کشی ہماری مت پوچھ تو کہ تجھ بن!
پیتے ہیں خون دل ہم جائے شراب ساقی

جو زلف و رخ کو تیرے دیکھے ہے یہ کہے ہے
کیا جلوہ گر ہیں باہم برق و سحاب ساقی

اس ابر اس ہوا میں دل کو گھٹا نہ میرے
پیک صبا یہ کہتا اب آ شتاب ساقی

تجھ بن ٹپک رہا ہے پتھر پہ سر کو شیشا!
ساغر ہی ہے نہ تنہا چشم پرآب ساقی!

ساغر کشی ظفر میں اس دور میں کیا کروں
شیشے پڑے ہیں خالی ہے مست خواب ساقی

کیا روکے مژہ دیدہ نمناک سے پانی
بچ نکلے نہیں تھمتا خس و خاشاک سے پانی

بہہ جائے نہ گریہ سے مری خانہ مردم!
رکھتا ہے عدوت سے بدل خاک سے پانی

ہر صبح سے ہو شرم زدہ خانہ خورشید
بھرتا ہے ترے روئے عرقناک سے پانی

ناصح کسی صورت سے نظر ہی نہیں آتی
فرصت ہمیں عشق بت بیباک سے پانی

طوفاں سے مرے اشک کے یہ کیا ہے تعجب
گر جائے گزر گنبد افلاک سے پانی!

جوہر دم تیغ کے دیجے میں کرے ضد
کیا مانگئے اس شوخ غضبناک سے پانی

مے دانہ انگور سے ٹپکی نہیں جاری
ہے آبلہ ہائے دل صد چاک سے پانی

کیوں مردم دیدہ سے کریں اشک نہ کاوش
نل کرتا ہے گرداب میں تیراک سے پانی

وہ شیر نیستاں شجاعت ہے ظفر تو
زہرہ ہوا رستم کا تری دھاک سے پانی

عرق سے دو نہ خط مشک ناب کو پانی
مبادا دے ہے حروف کتاب کو پانی

وفور اشک سے کب چشم تر کو میرے ہو
نہ بھر سکا کبھی جام حباب کو پانی

سوائے جوہر اصلی نہ ہو جو ظاہر میں!
سمجھ کے پیچے ہے پیاسا شراب کو پانی

جو تیرے گوہر دنداں میں آبداری ہے!
نہیں ہے آب وہ در خوشاب کو پانی

ہمارے گریہ سے ہو کیوں نہ حسن یار فزوں!
بڑھاتا یعنی ہے نخل گلاب کو پانی!

تو ہے وہ کافر بے رحم آب تیغ سے بھی!
دیا نہ عاشق پر اضطراب کو پانی

جو نکلے خط وہاں لازم ہے آب بھر لانا!
یہ چشم میں دل خانہ خراب کو پانی

کہ دن خسوف کے بتلائے دے ہے ساغر مے
شتاب نقص رخ آفتاب کو پانی

ہمارے ابر مژہ نے بزور سیل سرشک
کیا ظفر یہاں پل میں سحاب کو پانی

جام الفت کے پیے سے ہے یہ مدہوشی مجھے
رات دن غفلت سے رہتی ہے ہم آغوشی مجھے
یاد میں تیری جو میں خود رفتہ ہوں آرام جاں
اس لیے رہتی ہے اب ہر دم فراموشی مجھے
کیا کہوں میں حال یہ اپنا کہ اس کے ہجر میں!
بستر اندوہ پہ رہتی ہے بے ہوشی مجھے
جو نہ ہونا تھا سو اپنے دور میں تو کر چکا!
اے فلک کرنے دے اس سے اب تو سرگوشی مجھے
جی نکل جاتا ہے پھر اس دم شب مہتاب میں
یاد جب آتی ہے پہنے اس کی تہ پوشی مجھے
ہے تصور کس پری رخسار کا یارب مدام
صورت تصویر جو رہتی ہے خاموشی مجھے

گردش ایام کے ہاتھوں سے اب کے اے ظفر
ساتھ تیرے یہ میسر کب ہے مے نوشی مجھے

سنگ گوہر جو بغرق بت بے پیر ملے
کہکشاں کی بھی شب تیرہ میں تحریر ملے
دبے پاؤں اسی باعث نہ تیرے گھر کو جاؤں
تا دھمک سینہ کوئی حلقہ زنجیر ملے
آپ کیوں دیتے ہیں بے وجہ بھوؤں کو جنبش!
کہیں بھونچال سے اس دل کی نہ تعمیر ہلے
دل کو گردش نہ ہو جب رات کو محفل میں ترے
گرچہ فانوس خیالی میں نہ تصویر ہلے!
چاہیے ہے تجھے اے ضعف جگر بس ہر دم
صدمہ آہ سے بھی کچھ دل دلگیر ہلے!
ڈھانپ لے منہ کو قمر کے وہیں دامان سحاب
تیرے عارض پہ اگر زلف گرہ گیر ہلے!

یہ غزل پڑھے اگر بزم سخنداں میں ظفر
کیونکہ تحسیں کے لیے پھر نہ سر میر ہلے!

ورق کیا دل کے نالے دیکھنا پیہم الٹتا ہے
جو کہہ دوں پردہ و آسماں یکدم الٹتا ہے
شب تاریک ہو جاتی ہے صبح عید آنکھوں میں
وہ کافر جبکہ رخ سے گیسوئے پرخم الٹتا ہے
تہ و بالا نہ کیونکر ہوں زمیں و آسماں یارو
وہ آئی جنبش مژگاں سے اک عالم الٹتا ہے
کہوں کیا ہمرہاں احوال میں درد جدائی کا!
یہ ہچکی لگ گئی مجھ کو کہ میرا دم الٹتا ہے
ملے گر بیٹھنے کو سنگ کوئے یار تو یہ دل!
ابھی تخت شہی کو صورت آدم الٹتا ہے

ظفر ہم جوتیوں سے مار ڈالیں جب اسے دیکھیں
یہ کیونکر کاٹ کر اپنی سر مقدم الٹتا ہے

ہم پہ یہ تپ عشق سے اب آن بنی ہے
انگڑائی پہ انگڑائی ہے اعضا شکنی ہے
لی کسی نے نہیں چال تری دیکھ فقیری
ہر کبک دری کے بھی گلے میں کفنی ہے
شب تاج زر آلودہ یہ نازاں ہے جو اے شمع
اس واسطے تو لائق گردن زدنی ہے!
گلبرگ ہی گلشن میں خجل ہے نہیں تنہا
شرمندہ ترے لب سے بھی لعل یمنی ہے!
سمجھے ہے صدا سینے میں یہ مرغ دل اپنا!
یادایسی نگہ کو تری ناوک فگنی ہے
گلشن میں سحر بن ترے اے نو گل خوبی!
ہر قطرہ شبنم مجھے ہیرے کی کنی ہے

جوں غنچہ عبث سر بگریباں ہے ظفر تو
کچھ فکر نہیں دل میں کہ اللہ غنی ہے

ہو کے بدمست جو تو چشم پر افسوں بدلے
تیوری جام پہ سوج مے گلگوں بدلے

صفحۂ دہر پہ مانند نگیں کیجئے نام
کچھ تو تاخیر تو اے طالع واژوں بدلے

ہے کہاں قوس قزح ابر سیہ میں ظاہر
رنگ گرگٹ کے سے یہ تو نے ہیں گردوں بدلے

ناتوانی سے جو تک سانس نہ لے سکتا ہوں
کیونکہ بستر پہ وہ پہلو ترا مفتوں بدلے

مرے پروانے تو کس طرح سے دی شمع نہ جان
ہے مثل لیتے ہیں خوں کے جو یہاں خوں بدلے

وہ نہیں ہم جو مل جائیں یہاں سے مجنوں
شرط اب ہم سے تو ہاموں سے تو ہاموں بدلے

زلف کو کھول کے آئینہ جو دیکھا تو نے!
رنگ بدلی نے بھی کیا کیا لب جیحوں بدلے

بن لیے بوسہ نہیں چھوڑنے کا میں تم کو!
دل و دیں کہیے تو میں اس کے تمہیں دوں بدلے

جو فنا یہ نہیں ممکن ہے کہ اس کوچے میں
اب مکاں اور ترا عاشق محزوں بدلے

کھینچتا اپنا ہوا پر ہے بہت اب یہ دماغ!
صید تک ابر سے تو دیدہ پر خوں بدلے

تب مرا نام ظفر اب جو نہ میں بدلے لوں
دشمنو تم نے ہیں یاں اپنے لیے یوں بدلے

اشک غلطاں کو دل پر یاس منہ میں ڈال کے
کان سے نکلا ہے یہ الماس منہ میں ڈال لے

کیوں نہ کھاؤں زہر جب کچھ چیز دست غیر کی
بیٹھ کر تو آہ میرے پاس منہ میں ڈال لے

پھول تھے بلبل کے اے گل ہیں یہ نقل فاتحہ
طرہ شبنم تو بے وسواس منہ میں ڈال لے

اشک لخت دل ہیں یوں طفل دبستاں جو کوئی
ٹکڑے ٹکڑے کر کے کچھ قرطاس منہ میں ڈال لے

قطرہ مے زاہدا ہے غیرت آب حیات
تو اگر جینے سے ہے بے آس منہ میں ڈال لے

چوسنا اس لعل لب کا نوش وارد ہے دلا
تجھ کو آئی ہے دوا یہ راس منہ میں ڈال لے

آئے گر وسواس جی میں تو سر لقمہ ظفر
پڑھ قل اعوذ برب الناس منہ میں ڈال لے

مروت یہ نہیں تو اے سمجھیں تجھ کو ہم خالی
ہمارے دل کو لے جا اور مت جا اے صنم خالی

تسلی جام مے سے ساقیا ہوتی ہے کب ہم کو
اگر خم ہو تو خم کے خم کریں ہم دمبدم خالی

نہ جا ظاہر پہ زاہد کے کہ باطن کچھ نہیں اس کا
مثل مشہور ہے ہندی کہ منہ چکنا شکم خالی

نہ بھولا پھر فقط بیت الحرم کو روز و شب عابد
نہیں جلوے سے اس کے یاد رکھ بیت الحرم خالی

چلا جاتا ہے گر یہ اے ظفر آنسو نہیں تھمتے!
چلو کوچے میں اس کے دل کریں ہم ایکدم خالی

رواں اشک تازہ ہیں یاں دل کے پیچھے
چلا قافلہ میر منزل کے پیچھے

ہماری ذرا اس کو پرواہ نہیں ہے!
چلے آہ جس شمع محفل کے پیچھے

قصاص اپنے خوں کا قیامت کو لوں گا
نہ جاؤ کوئی میرے قاتل کے پیچھے

کدھر ہے تو اے موج باد بہاری!
میں دیوانہ ہوں تجھ سلاسل کے پیچھے

رہوں آہ تا چند گردش میں یارب
نہیں چین اس بدر کامل کے پیچھے!

تماشا ذرا تو بھی تو دیکھ ظالم!!
اک انبوہ ہے تیرے گھائل کے پیچھے!

بیاباں میں ناقے کو تک تھام لیلی
نہ چھوڑ اس کو تنہا حواصل کے پیچھے

رہا جائے ہے دشت غربت میں مجنوں!
بٹھا لے ذرا اپنی محمل کے پیچھے!!

ظفر ہے یہ جی میں کہ تصویر اس کی!
لگا رکھیے آئینہ دل کے پیچھے

جبکہ دریا میں تو چھینٹوں سے لڑے پانی کے
موج کیوں منہ پہ طمانچے نہ جڑے پانی کے

عرق آلودہ ترے دیکھ دہن کو گلرو
پڑ گئے لاکھوں ہیں غنچے پہ گھڑے پانی کے

مردماں ہیں یہ کہاں سینۂ دریا میں حباب
آبلے سے ہیں یہ کچھ دل پہ پڑے پانی کے

روکے مژگاں سے کہاں جوش وفور گریہ
یعنی خس منہ پہ بھلا کیونکہ اڑے پانی کے

عکس خط آئینہ میں تیرا نہیں حضرت خضر
درمیاں آن کے شاید ہیں کھڑے پانی کے

ہیں کہاں بحر میں مردم سر گرداب حباب
ہیں پڑے پاؤں میں ماہی کے کڑے پانی کے

تو وہ اب شیر ژیاں بحر سخن میں ہے ظفر
جز ترے کون چڑھے منہ پہ کڑے پانی کے

راہ درباں سے مری ان کے جو پنہاں ہو گی
پھر ملاقات ظفر اس سے کس عنواں ہو گی

شب تاریک نظر آوے گی ہر صبح ہمیں
رخ پہ گر اس کے کھلی زلف پریشاں ہو گی

ہمسری کرنے سے اس کے لب پاں خوردہ کی
خاک رنگت تری ہے اے لعل بدخشاں ہو گی

زلف مشکیں کو ہوئی چھو کے گرفتار بلا
ہم سے لیکن نہ خطا پھر کبھی جاناں ہو گی

دل پہ داغ کی دکھلائی جو یاں تجھ کو بہار
اس روش تو نے نہ کی سیر چراغاں ہو گی!

ایک پل ہی میں الٹ دے گی ہزاروں عشاق
روکش اب تیری جہاں یہ صف مژگاں ہو گی

وعدہ وصل سے انکار کرے ہے وہ ظفر
منہ سے اس بت کے خدا جانئے کب ہاں ہو گی

بیقراری کا جو دم یہ دل بیتاب بھرے
پانی غیرت سے وہ ہیں پارہ سیماب بھرے

جس روش رہتے ہیں یہ دیدہ پر آب بھرے
ہم نے دیکھے نہیں اس شکل سے تالاب بھرے

تو اگر سرو چمن باغ میں جاوے تو وہیں
رخ کے آگے ترے پانی گل شاداب سے بھرے

شام سے صبح تلک کیونکہ نہ بے چین رہوں
تو گلے لگ کے جو سووے تو مزے خواب بھرے

یاد میں اس گل رنگیں کے ہیں ایسے بیمار!
ساتھ پھرتے ہیں لیے شربت عناب بھرے

ساتھ یوں کیوں نہ رہے ملک عدم کا توشا!
کارواں عمر کا جاتا ہے سب اسباب بھرے

گلبدن گر تن گل خوردہ دکھاؤں تجھ کو!
شرم سے آب قبائے گل کمخواب بھرے

گانٹھ جس میں جس کی نہ ہو دام و درم کہہ تو سہی
دم تری زلف کا کیا عاشق بیتاب بھرے

صدف چشم میں اپنی گہر اشک نہیں!
ہیں یہ گنجینہ میں یارو در نایاب بھرے

دور میں ابر کے ساقی ہو عجب کیفیت!
تو اگر جام میں اس وقت مے ناب بھرے

ہاتھ سے گالیوں کے پھرتا ہوں میں ایسے ظفر
دل میں بس خون بھرے چشم میں ہیں آب بھرے

یوں ہی لپٹا رہے تو میرے اگر جان گلے
ڈال آگے نہ کسی کے عنوان گلے

تو تو لگتا ہی نہیں آ کے مری جان گلے
کس لیے پھرتی خاطر کوئی انسان گلے

سر سے لے پاؤں تلک آہ بدل سوزی عشق
ہم شب ہجر میں جوں شمع شبستان گلے

کون دم مارے ترے آگے کر تو نے قاتل
لے کے کاٹے ہیں یہاں خنجر بران گلے

کیجئے کیا اس دل سودا زدہ کی خاطر جمع
اب تو بے وجہ پڑی زلف پریشان گلے

چھوڑتا دل کو مرے کب ہے ترا حسن بلیغ!
کیوں نہ ہر چیز نمک کی ہو جہاں کان گلے

سرمہ سا چشم میں دیکھ اس کے کر دم رکتا ہے
اس نے گھونٹے ہیں بہت اے دل نالان گلے

جب ہی قمری تجھے باندھا ہے جو نیلا گنڈا
یا پڑا ہے یہ ترے طوق گریبان گلے

نغمہ سنجی ہی تری ہے وہ خدا ساز ظفر
مطربوں کے ہیں کہاں خوب و خوش الحان گلے

پاس داغ دل کے سوز غم سے ہیں پھلکے پڑے
متصل ساغر کے شیشے ہیں پیا ڈھلکے پڑے

دیکھے گر اے مردماں اس ابر مژگاں کو مرا!
چھینٹ میں پانی ابھی کیونکر نہ بادل کے پڑے

اپنا ہے وہ سینہ سوزاں کہ جس کی رشک سے
داغ انگاروں کے ہیں سینے میں مشعل پڑے

کیونکہ میں آغوش میں کھینچوں اسے جس کی کمر
بوجھ سے لچکے یہاں ہر لحظہ ہیکل کے پڑے

س ہوئے سیراب آب تیغ اے قاتل وے
تشنہ لب اک درمیاں ہیں ہم ہی مقتل کے پڑے

تو ہی گر ہم خواب ہو ہم سے نہ اے آرام جاں!
کل ہمیں تو فرش پر کس طرح مخمل کے پڑے

مت حباب ان کو سمجھ گرتے ہیں میرے اشک گرم
آبلے دریا کی چھاتی پر ہیں یہ جل کے پڑے!

فیض سے خون کف پا کے ہمارے اے جنوں
پارہ یاقوت ہیں دامن میں جنگل کے پڑے

جب کہا میں نے چھپاؤ مت مجھے معلوم ہے
اب تلک سوتے تھے پیارے تم جہاں کل کے پڑے

بولے ماتھا کوٹ کر آخر کہا ہی پر کہا
نوج تیرے کان بات اے چھینٹ کے بگلے پڑے

سبحہ گوہر کی کب خواہش ہے ہم کو اے ظفر
ہیں گلے میں یاں اپنے یاں مسلسل کے پڑے

جس جگہ منہ سے نکلتے ہی مری بات کٹے
اشکشیں کیونکہ پھر اپنی وہاں اوقات کٹے

صبح محشر سے نہیں کم شب ہجراں یا رب
زندگی کیونکہ بغیر اس کی ملاقات کٹے

بے طرح زلف و رخ یار کا رہتا ہے خیال!
یاالٰہی کہیں آرام سے دن رات کٹے

نامہ بر کیونکہ قدم رکھے اب اس کوچے میں
کہ جہاں سر ہو قلم پاؤں کٹے، بات کٹے

زلف سے چھوٹ کے کہتا ہے تری مانگ میں دل
کیونکہ اے خضر بھلا اب رہ ظلمات کٹے

وہ تو اک روز بھی ملتا نہیں مجھ سے گاہے
زندگی چین سے اب کیونکہ یہ ہیہات کٹے

ہے تمنا یہ ظفر کی کہ صنم سے یارب
وصل کی شب مری باہم حکایات کٹے

کو ہیں سبزے سے عیاں تن پہ چمن کے رونگٹے
پر عجب ہیں نرم اس گل پیرہن کے رونگٹے

تار ارش کا تماشہ بندھ گیا جب وقت غسل
اس نے تن تن کے دکھائے اپنے تن کے رونگٹے

کاوش مژگاں جو یاد آئی تمہاری وقت مرگ
بن گئے نشتر مرے نیچے کفن کے رونگٹے

ہو ترشح چشمہ آئینہ میں فوارہ ساں!
عکس افگن ہوں اگر تیرے بدن کے رونگٹے

توڑ کر تعویذ حرز جاں بناتے ہیں مرید!
ریچھ کے سے بال ہیں زاہد کہن کے رونگٹے

جوں رگ گل صبحدم ہو شبنم آلودہ ظفر
یوں پسینے میں ہیں فرش گلبدن کے رونگٹے

گر بہم چشمی نگہ وہ تیری ابرو پر دھرے!
دل بھی سو سو نام جس کر شاخ آہو پر دھرے

لگ سکے موتی نہ تیرے میرے پاسنگ اشک پر
گر صدف تو اپنی آنکھوں کے ترازو پر دھرے

تیرے قد سے ہمسری کرتے جو دیکھے فاختہ
ارہ شمشیر کا وہ ہر سرو لب جو پر دھرے

شب کو ساتھ اس سیم تن کے جب ہو سونے کا مزا
ران رکھے ران پر بازو کو بازو پر دھرے!

جھپکتا دیکھا نہ ہو جس نے شب تاریک کو
دھیان وہ تیرے عرق آلودہ گیسو پر دھرے

عاشق جانباز تیرا زندگی سے ہاتھ دھوئے
آج تیرے روبرو ہے سر کو زانو پر دھرے

اپنی ترک چشم سے کہہ دے کہ انگشت مژہ!
آبداری دیکھنے کو تیغ ابرو پر دھرے!

بھر نظر دیکھے نہ گل کو باغ میں پھر اے ظفر
صبح بلبل کان کس تقریر گل رو پر دھرے

تو وہاں خوش ہو کے سرغیروں کے زانوں پہ دھرے
حیف یاں روتا ہوں میں رومال اب رو پہ دھرے

دیکھ لے جو کوئی تیرے مہ جبیں رخسار کو!
نام چن چن کر ہزاروں ہی وہ مہر و پہ دھرے

لخت دل مژگان تر میں دیکھ مردم نے کہا
یہ دیئے کس نے جلا کر ہیں لب جو پہ دھرے

چیر کر پہلو سے دل کس کا نکالے دیکھئے
وہ نگہ جاتی ہے ہر دم آہ چاکو پہ دھرے!

لے ہی لوں گا آن کر بوسہ جھپٹ کر دیکھنا
گال وہ اپنا اگر اب میرے قابو پہ دھرے

الحذر مانگیں نہ کیونکر تجھ سے ہم قاتل کر تو!
دیکھئے کا جو ارادہ ہو میرے لوہو پہ دھرے!

آہ یارو دیکھئے کیونکر بچیں غمزے سے ہم!
بانزاکت وہ پھرے ہیں ہاتھ پہلو پہ دھرے

لکھ غزل ایسی ظفر جس کا ہراک مصرع یہاں
طعن سو سو خوشخطوں کے لب اور ابرو پہ دھرے

رفتہ رفتہ عزم کوئے قتل پر دو چار کے
دل نہ تو اس چال سے پامال کر دو چار کے

روشنائی سب کو اس آئینہ رو سے ہے یہاں
کاش کر ہوتا وہ منظورنظر دو چار کے

یہ وہ جا ہے جس میں یک آتش کا پر کالا ہے دل
سینہ سوزاں پہ تو مت ہاتھ دھر دو چار کے

ہو گریباں گیر تیرا تا نہ اے قاتل کوئی
گوشہ داماں کو تو مت خوں میں بھر دو چار کے

برق بھی مانگے ہے اس تیغ نگہ سے الاماں
کر دیئے تن سے جدا اک دم میں سر دو چار کے

سر پہ لائے گی بلا اک دم میں وہ زلف سیاہ
جان من اس رو سے ہے اب دل میں ڈر دو چار کے

بیضہ فولاد سے کچھ کم نہیں کنج قفس!
کھول دے صیاد اب تو نے بال و پر دو چار کے

سوجھتا ہے روز و شب کے تیرے رونے سے مجھے
گھر ڈبا دے گی کہیں اے چشم تر دو چار کے

خواہش سیر چمن گر ہے تو مت تکلیف کر
دیکھئے اے لالہ رو داغ جگر دو چار کے

زلف و خال و چشم و ابرو سے بچاؤ دل کو اب
اے صنم تو سامنے اس کو نہ کر دو چار کے

اس لیے لکھی یہ تبدیل قوافی اور غزل
ہوش تا اڑ جائیں سن کر اے ظفر دو چار کے

صیاد قفس کا کہیں در کھول اڑا دے
ہیں صید خوش ایجاں نہیں پر کھول اڑا دے

ہے آج شب وصل ذرا شرم کو دل سے!
تو بند قبا رشک قمر کھول اڑا دے

کیا گلشن دنیا سے تو لے جائے گا منعم!
غنچے کی طرح گانٹھ سے زر کھول اڑا دے

صیاد سزاوار عقوبت ہوں ازل سے
تو بند قفس سے مرے پر کھول اڑا دے

ہم منتظر جلوہ دیدار ہیں اس کے
اے باد صبا پردہ در کھول اڑا دے

لایا ہوں تصدق کو ترے مرغ دل اپنا
کیا خوب ہو پر اس کے اگر کھول اڑا دے

اس بت کا کہا مان نہ تو راہ خدا میں
دروازہ خزانے کا ذرا کھول اڑا دے

جوش گریہ سے نہ کچھ دیدہ تر بیٹھ گئے
ہے یہ طوفاں کئی ہمسایوں کے گھر بیٹھ گئے

دیکھنا ہم نہیں اٹھنے کے میاں حشر تلک
جس گھڑی در پہ ترے کھول کمر بیٹھ گئے

کیا ہوا مت ہو خفا اول پہ داغ جو ہم
تیرے پہلو میں ذرا رشک قمر بیٹھ گئے

دشت وحشت کو کروں گا وہیں میں سر بکدست
آبلے پاؤں کے یہ میرے اگر بیٹھ گئے

کیا کریں صاحب فن یارو بتاؤ مجھ کو!
قدرداں اٹھ گئے سب اہل ہنر بیٹھ گئے

ترتے آتے نہیں اب جو نظرائے دیدہ تر!
آہ اشکوں میں کہیں لخت جگر بیٹھ گئے

چھوڑتا جان سے کب تیر نگہ وہ ہم کو
دور سے ہم بھی اسے دیکھ کے پر بیٹھ گئے

منزل عشق بہت دور ہے اللہ اللہ!
ایک ہی گام میں تم تھک کے ظفر بیٹھ گئے

اسے لاؤں میں نہ ہوں چشم تر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے
جو وہ آوے میں نہ کروں نظر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے
کبھی دل یہ چاہے کہ بوسہ لوں کبھی جی میں ہے کہ گلے لگوں!
ولے کیا کروں بت لب شکر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے
وہ جو رہوے غیروں کے جا کے گھر میں ادھر خراب ہوں دربدر
کروں کیونکہ یا رو میں درگزر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے
مری اور اس کی ابھی تلک یہ موافقت ہے کہ کیا ہوں
پھر سے وہ ادھر رہوے میں ادھر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے

کنار چشم یوں یک لخت آ لخت جگر بیٹھے
قزلباشوں کے دستے گھاٹ سے جیسے اتر بیٹھے
ٹھہرتا یوں وہ ہے اپنا اشک دل سے آ کے آنکھوں میں
غریق بحر الفت جوں لب کشتی اتر بیٹھے
نئے قلیان نمط جب وہ پلاوے تب تو کچھ پوچھیں
وگرنہ ہم رہیں خاموش ہی آٹھوں پہر بیٹھے
یہ طوفاں چشم دریا بار نے اپنے اٹھائے ہیں
کہ ہمسایوں کے جاتے ہیں دلا اب گھر کے گھر بیٹھے
جلایا شعلہ یک نالہ سے صد خانہ مردم
قیامت حضرت دل کی یہ تم کیا کام کر بیٹھے
نہ دے تکلیف رفتن طاقت پا اب نہیں باقی
دیار عشق میں ہم تھک گئے اے ہمسفر بیٹھے

طریق عشق پہ ثابت قدم ہیں روز ول سے
برنگ نقش پا اٹھتے ہیں کب جس جا ظفر بیٹھے

یاد آتی ہے اس آئینہ رو کی کمر مجھے
کس طرح سے نہ ہووے عدم کا سفر مجھے
کس گلبدن کی یاد مرے دل میں تھی جو رات
آیا نہ خواب مسند کمخواب پر مجھے
نرگس میں سیر چشم ہوں بستان دہر میں!
تیری طرح نہیں ہوس سیم و زر مجھے
کچھ ہوش میں بھی آنے دے مجھ کو خدا سے ڈر
اے بیخودی چلی ہے تو لے کے کدھر مجھے
مرتا ہوں دے تو بوسہ لب کچھ نہ بات پوچھ
بھاتا نہیں ہے شربت قند و شکر مجھے
روز وفات کا تو خطر کچھ نہیں مجھے!
اے ہم نشیں ہے پر شب ہجراں کا ڈر مجھے
دریا کا پاٹ تختہ دامن تو بن گیا
ور اس سے کیا دکھائے گی اے چشم تر مجھے
چاک قفس سے دیکھ رہا ہوں رخ چمن
صیادا ہے نہیں ہوس بال و پر مجھے!

جلوہ اسی کا دیر وحرم میں ہے اے ظفر
آتا نہیں ہے اس کے سوا کچھ نظر مجھے

جب سے وہ چھٹا ہاتھ سے دامان ہمارے
ہے تب سے جنوں دست و گریبان ہمارے

بالیں پہ دم نزع بھی آیا نہ ستم گر!
سب رکھے رہے دل ہی میں ارمان ہمارے

ہم بسکہ ہیں کشتہ تیرے اس تیر نگہ کے
خوباں جہاں جاتے ہیں قربان ہمارے

کہتے ہیں کہ تیغے کو دھرا سان پہ اس نے
یہ سنتے ہی بس اڑ گئے اوسان ہمارے

لخت جگر و اشک ہیں حاضر ترے آگے
یہ لعل ہیں وہ گوہر غلطان ہمارے

جمعیت دل تیرے سبب سب وہ ہیں برہم
کیوں ضد میں پڑی زلف پریشان ہمارے

آیا ہے ظفر پھینک کے پوشاک وہ گلگوں
قاتلنے کے قتل کے سامان ہمارے

افسون سراسر دل نالاں میں پھونکے!
ڈرتا ہوں کہ دل اسکے نہ کچھ کان میں پھونکے

تسکین نہیں دے چین ہمیں سینہ سوزاں!
کیوں عشق کی آتش نہ دل و جان میں پھونکے

بلبل کے خطر ہے مجھے آتش نفسی سے!
آتش نہ کہیں صحن گلستان میں پھونکے

ظالم نہ ستا مجھ کو مبادا یہ مری آہ!
دامان فلک کو نہ کہیں آن میں پھونکے

ہو جس سے ظفر نرم کہیں سنگدل اس کا
اس طرح کے افسوں کوئی جا کان میں پھونکے

کس لیے روپوش ہوتے ہو بتاؤ کون ہے
خانہ دل ہے یہ حاضر اس میں آؤ کون ہے

دیکھ کر بولے مجھے یاں اس کو لاؤ کون ہے
چاہنے والا ہمارا سچ بتاؤ کون ہے

کیا ہوا پتا ہلا آیا یہاں کوئی نہیں!
جان من میرے سوا مت خوف کھاؤ کون ہے

ہم بھی آئینے کو اب دیکھا کریں گیرات دن
آپ کا یاں طالب دیدار جاؤ کون ہے

کس سے پردہ ہے تمہیں کیا وجہ روپوشی کی ہے
اپنے اب چہرے سے تم زلفیں اٹھاؤ کون ہے

دیکھتا ہوں خواب میں اس یوسف ثانی کو اب
مجھ کو سوتے سے عزیزو مت جگاؤ کون ہے

کر کے وعدہ گھر کے آنے کا نہ دم دیجئے مجھے!
آپ کی باتوں میں اڑنے کو اڑاؤ کون ہے

پاؤں میں مہندی لگی ہے گر تمہارے خیر خوب
اب یہ کہنا تک ہمارے پاس آؤ کون ہے

کس پہ جی مائل ہوا بیمار جب تم ہو گئے!
نام اس کا ہم کو بھی صاحب سناؤ کون ہے

اس زمیں میں اور پڑھتا ہے غزل اب تو ظفر
سامنے اس کے کسی کو تم بلاؤ کون ہے

شب تو آدھی رک گئی، خطرہ نہ لاؤ کون ہے
شوق سے آؤ پلنگ پہ لیٹ جاؤ کون ہے

پوچھتے پھرتے ہیں یہ وہ ہم نشینوں میں مرے
میرے عاشق کو ذرا مجھ کو دکھاؤ کون ہے

ہے ہلاتا حلقہ زنجیر کوئی آشنا
آپ کا ہو گا اسے دیکھو بلاؤ کون ہے

رشتہ الفت میں جو باندھے لیے جاتا ہے وہ
یارو اس کے پیچ سے مجھ کو چھڑاؤ کون ہے

جو مجھے اس شمع رو سے آن میں دیوے ملا!
یاں بڑا دل سوز میرا اب بتاؤ کون ہے

آشنا اور غیر کی صورت نہیں رکھتا کوئی!
اب تو ہے وسواس میرے پاس آؤ کون ہے

تبسم کر کے ظفر کو پوچھے ہے لوگوں سے وہ
کس نے میرے در پہ دی دستک بتاؤ کون ہے

چاندنی کی سیر خوباں تا سحر دیکھا کیے
اور ہم ان کا رخ رشک قمر دیکھا کیے

کیا کہوں کیونکر تجھے رشک قمر دیکھا کیے
وہ نظر آئے نہ جن کو بھر نظر دیکھا کیے

شب تجھے کیا ہم ہی اے رشک قمر دیکھا کیے
ماہ و پرویں بھی ترا رخ تا سحر دیکھا کیے

کچھ ہوئی تسکیں نہ تجھ بن اس دل حیران کو
گو تری تصویر ہم آٹھوں پہر دیکھا کیے

آہ آتشباز سے دل اور جگر جلتے رہے
ہائے تم اے مرد مان چشم تر دیکھا کیے

تم نظر آ جاؤ شاید اس ہوس میں آج ہم
صبح سے تا شام سوئے رہگذر دیکھا کیے

ہم تو خاک وخوں میں غلطاں ہی رہے بس آہ ہاں
وہ تماشا اے دل خستہ جگر دیکھا کیے

صبح اے گل روتری آنکھوں کو چشم شوق سے
کیا فقط گلہائے نرگس بھر نظر دیکھا کیے

لالہ و گل بھی ترے رخسارہ رنگیں کو!
باغ میں جب تک رہا تو جلوہ گر دیکھا کیے

گر نہیں ہے بھر کچھ بھم تو پھر محفل میں شب
تم انہیں اور وہ تمہیں کیوں اے ظفر دیکھا کیے

عجب ہے دل کا سمجھانا جدھر کا ہے ادھر کا ہے!
پری رو ہے یہ دیوانہ جدھر کا ہے ادھر کا ہے

تری ابرو کے جانب دل ہے جوں قبلہ نما اپنا
ادھر پھر پھرائے آنا جدھر کا ہے ادھر کا ہے

مری اس شمع رو سے کوئی چھوٹی ہے لگن یارو!
لگا ہے تو یہ پروانہ جدھر کا ہے ادھر کا ہے

وہ آنکھیں دیکھ اے ساقی یہ میخانے کو کیا سمجھے!
دل عاشق ہے مستانہ جدھر کا ہے ادھر کا ہے

دل آفت رسیدہ کو میں اپنے کیونکر سمجھاؤں
مری قسمت میں غم کھانا جدھر کا ہے ادھر کا ہے

یہ مجنوں چھوڑ ویرانہ پھرے بستی میں کیا ناصح!
بجا ہے تیرا فرمانا جدھر کا ہے ادھر کا ہے!

ظفر کو دیر سے مطلب نہ کعبے کی ہے خواہش کچھ
مجھے کیا ہے یہ کاشانہ جدھر کا ہے ادھر کا ہے

بھلا ہے گر ہوس عشق بوالہوس نہ کرے
کہ جو پتنگ کا ہے کام وہ مگس نہ کرے

نہیں ہے طاقت پرواز آہ اے صیاد
خدا کرے کہ تو اب وا در قفس نہ کرے

رواں ہے قافلہ اشک سوئے ملک عدم
فغاں نہ کیونکہ یہ دل صورت جرس نہ کرے

یہ کون بادہ پرستی ہے ساقی گل فام
جو جام مے ترے ہاتھوں سے لے واپس نہ کرے

فراق یار میں تنکا بنا ہے سوکھ کے تن
ہوائے عشق یہ برباد مثل خس نہ کرے

جو اس کی جان پہ گزرے ہے وہ ہی جانے ہے
خدا کسی کو جہاں میں کسی کے بس نہ کرے

کمند زلف بتاں میں پھنسا یہ دل بے وجہ
ظفر وہ کیونکہ رہائی کی اب ہوس نہ کرے

ہر ایک جا ہے فغاں ہر مکان میں غل
یہاں سے کون گیا جو جہان میں غل ہے

ہوا ہے آہ کہیں گم وہ یوسف مصری
عزیزو آج جو یہ کاروان میں غلغل ہے

یہ کس کی آمد آمد سے دنگل ہے یہاں
کہ چپ ہیں بیٹھے ہوئے اور کان میں غل ہے

یہ دلنوازی مطرب پسر ہے مجلس میں
کہ آن میں ہے خموشی تو آن میں غل ہے

رہے ہے آہ سدا دست اہل وجد بلند
یہ خیمہ کہن آسمان میں غلغل ہے

سنا ہے ہم نے یہ قال و مقال روز الست
ہنوز آہ وہی اپنے دھیان میں غل ہے

ہوئی نہ فتح و ظفر بادشاہ اکبر شاہا
ہر اک طریق پہ ہندوستان میں غل ہے

بجائے اشک اگر دیدہ پر آب گرے
جو طفل دوڑ چلے کیوں نہ وہ شتاب گرے

جدھر کو جاوے تو گلگون ناز کو چھیڑ دے
جہان لینے کو پھر بوسہ رکاب گرے

وفور گریہ سے لبریز ہے یہ کاسہ چشم
جو جام چھلکے تو کیوں کر نہ پھر شراب گرے

فلک سے بن کے مہ و مہر گنجفے کے ورق
ترا یہ دیکھ رخ رشک آفتاب گرے

دکھا دیا جو تو جلوہ تبسم کا
خجل ہو ابر سے برق پہ اضطراب گرے

ہوا جو اشک فشاں یاد بوتراب میں میں
زمیں پہ در نجف کیا علی الحساب گرے

ہمارے دیکھے اگر داغ دل، ہو خجلت سے!
عجب نہیں کہ فلک پہ سے ماہتاب گرے

سنبھالے کون اسے پھر برنگ طفل سرشک
نظر سے تیری جو ہو مورد عتاب گرے

دل ظفر کو نہ رکھ تو تہ خم ابرو
مبادا طاق سے یہ شیشہ گلاب گرے

یاں خاک کا بستر ہے گلے میں کفنی ہے
واں ہاتھ میں آئینہ ہے گل پیرہنی ہے

ہاتھوں سے ہمیں عشق کے دن رات نہیں چین
فریاد و فغاں دن کو ہے شب نعرہ زنی ہے

ہشیار ہو غفلت سے تو غافل نہ ہو اے دل
اپنی تو نظر میں یہ جگہ بے وطنی ہے

کچھ کہہ نہیں سکتا ہوں زباں سے کہ ذرا دیکھ
کیا جائے ہے جس جائے نہ کچھ دم زدنی ہے

مژگاں پہ مرے لخت جگر ہی نہیں یارو
اس تار سے وہ رشتہ عقیق یمنی ہے

لکھ اور غزل قافیے کو پھیر ظفر تو
اب طبع کی دریا کی تری موج زنی ہے

قاتل سے ہمیں اپنی شہادت طلبی ہے   واں آب دم تیغ ہے یاں تشنہ لبی ہے
آرام مجھے دن کو نہ دیتے ہو نہ شب کو   کیا کہیے تمہیں حضرت دل بے ادبی ہے
اس دور میں کیا خاک کرے عیش کوئی آہ   نہ جام نہ ساقی شراب عنبی ہے!
ہے مرہم کافور کہاں داغ جگر پر!   اعجاز سے سینے میں یہاں آگ دبی ہے

دل توڑ ظفر کا نہ تو اب سنگ جفا سے
اے کافر بد کیش یہ شیشہ حلبی ہے

تیری نگاہ جوہرت بے پیر پھر گئی!   قسمت مری الٹ گئی، تقدیر پھر گئی
ہم مر گئے تول کے صبا و نسیم سے!   خاک اس گلی میں اپنی بہ تدبیر پھر گئی
دیکھا جو کل اک عاشق و معشوق کو بہم!   اپنی نظر میں بس تری تصویر پھر گئی
قاتل ترا جو ہاتھ رکا میرے قتل سے   ہو کر قضا بھی میرے گلوگیر پھر گئی

خط کا مرے جواب نہ اس نے لکھا ظفر
کیا سر نوشت کی مری تحریر پھر گئی!

بحر غم ہی نے دیا دیدہ تر کا پانی!   بھائے مردم مجھے کیا اور اس کے گھر کا پانی!
خانہ دل جو مرا ڈوب گیا اے یارو   نہیں معلوم یہ آیا ہے کدھر کا پانی
بارش گریہ سے ہے چشم کا دالاں ٹپکا!   جلد جا روب مژہ یاں سے تو سر کا پانی
اس روش گل ہے بھرا دیکھ صبا شبنم سے   جس طرح رکھتے ہیں چھاگل میں سفر کا پانی
چشم کی راہ بہا دل تو مرا ہوا پانی!   نکلے ہے شام و سحر اب یہ جگر کا پانی
چشمہ مہر سے چھڑکے ہے دیا تو نے صبا   ساغر گل پہ چڑھایا ہے یہ زر کا پانی
جو نظر آئی مرے چشم کے قطرے کی آب   شرم کے مارے ہوا دل تو گہر کا پانی

دل کے ہمراہ مرے کیوں کر نہ نکلیں آنسو
جو کہ مرتا ہے لنڈھا دیتے ہیں گھر کا پانی

زخمی اس تیغ نگہ کا ہے نہ مر جائے کہیں!
ہمدمو جلد کرو بند ظفر کا پانی

سبوئے چشم سے اپنی جو گر گیا پانی
تمام خانہ مردم پہ پھر گیا پانی!

صد آفریں ہے دلا تجھ کو چاہ میں اسکی
شناوری کے بزور اپنے سر گیا پانی

شکستہ قلبہ چشم اپنا ہو گیا شاید!
یہاں جو ہر بن مژگاں سے جھڑ گیا پانی

وہ ہے طلاطم امواج سیل اشک اپنا
کہ آبشار کا ہو منتشر گیا پانی!

نہ کیونکہ معرکہ عشق میں ہو تشنہ لبی!
عیاں ہے لشکر حسرت کا گھر گیا پانی

نہ نکلی مری خورشید رو سے بندہ سکے
رہا جو چشم سے میں منتظر گیا پانی

ظفر جہان میں اس کی ہی سردمہری سے
پڑا ہے پالا اب ایسا کہ ٹھٹھر گیا پانی!

دکھ ہاتھ کو پہنچے گا نخچیر کے جھٹکے سے
کیوں صید کو پھینکے ہے سرچر کے جھٹکے سے

میں تیغ ادا کا ہوں کشتہ ارے قاتل
مر وار نہ کر لاشہ شمشیر کے جھٹکے سے

کاکل کی کشاکش سے ہے کام سدا دل کو
ڈرتا نہیں دیوانہ زنجیر کے جھٹکے سے

گر ہووے فلک پر وہ تو بھی اسے دھر کھینچیں!
ہم آہ کے رشتے کی تاثیر کے جھٹکے سے

تو تاج زر اپنے پرائے شمع نہ ہو نازاں!
کٹ جائے گا سر تیرا گل گیر کے جھٹکے سے

بچ ہم نے سکے اسکی نظروں کے بس آگے سے
محفل میں ہمیں کھینچا صف چیر کے جھٹکے سے

سینے سے ظفر کے کیوں سوفار کو کھینچے ہے
ڈر ہے نہ نکل آوے دل تیر کے جھٹکے سے

چمن حسن کی رنگت گئی نازی بدلی!
گلبدن تو نے جو پوشاک پیازی بدلی!

منہ کیا کعبے کے رخ ابروئے جاناں نے پھیرا
جائے سجدے کی عبث تو نے نمازی بدلی

کیوں نہ اوراق دل اب میرے ہوں ابتر یکدست
مجھے میں جو کچھ اس شوخ نے بازی بدلی

کوئی رکھتا ہے بھلا صاف دلوں سے بھی غبار
شیشہ گر کیا روش آئینہ سازی بدلی

ہم حقیقی سے بھٹکے نہ تھے کم تھے کو اب
تیری تاثیر گئی عشق مجازی بدلی

گرچہ پروانہ ہوا رات کو دل سوزی سے
شمع محفل کے نہ پر دل کی گدازی بدلی

لکھ یہ تبدیل اتو اتی غزل اک اور ظفر
ہم نے سلک در مضموں کی درازی بدلی

شرط رونے کی جو اس چشم سے جھٹ پٹ بدلی
دل برسنے سے گھٹا کر گئی پھر ہٹ بدلی

اس نے شب کو یہ مرے ساتھ رکاوٹ بدلی
بائیں کروٹ سے نہ پھر داہنی کروٹ بدلی

ہمسری زلف پریشاں سے کسی کی اب ہے
ان دنوں آہ نہایت ہی گئی لٹ بدلی

آبرو تیری ابھی خاک میں مل جائے گی!
دیدۂ تر سے نہ رو کش ہو پرے ہٹ بدلی

دیدۂ تر پہ مرے سایۂ مژگاں کو دیکھا
مردماں بولے کہ آئی شب پنگھٹ بدلی

بندش اس رشک قمر کی کہوں کیا جوڑے کی
چاند کے پیچھے ہے مارے ہوئے جھرمٹ بدلی

پڑھ کے میں سورۂ اخلاص نہ دم کیوں نکہ کروں
روز اس مصحف روکی ہے سجاوٹ بدلی

شوق سے گھر میں مرے رات کو آیا کیجے!
برق سی ہے یہ لیے ہاتھ میں ڈیوٹ بدلی

زلف اس رخ سے جو سرکی تو یہ سوجھا شب کو
اے ظفر مہ نکل آیا جو گئی ہٹ بدلی

عقل پر پڑ گئے اے بت ترے کیا پتھر تھے
مارنے شیشۂ دل ہی پہ ذرا پتھر تھے

میں کسی زلف سیہ فام کا دیوانہ تھا
زیر سر قبر میں بھی میرے بجا پتھر تھے

مر گئے ٹھوکریں کھا کھا کے ہزاروں عاشق
کوچۂ عشق میں معلوم ہوا پتھر تھے

شافع حشر ہمارا ہے وہ اعجاز نما
بولتے حکم سے جس کے بخدا پتھر تھے

سنگ دل آن کے دن بھی نہ پوچھا تو نے
سر عاشق تھا اور اس در پہ سدا پتھر تھے

صدمۂ عشق سے اپنا دل نازک نہ بچا
دل بتوں کے بھی جو دیکھے تو دلا پتھر تھے

اے ظفر مختلف القافیہ لکھ اور غزل
سنگلاخ ایسے یہ کیا شعر بھلا پتھر تھے

گویاں ہوں وے اس بت بیباک میں دم ہے
ہاتھوں سے جدائی کے مرا ناک میں دم ہے

دم تیری ہی الفت کا بھرے جاؤں گا قاتل!
جب تک کہ مرے سینۂ صد چاک میں دم ہے

کیوں روتے ہو بالیں پہ مری آہ عزیزو
اب تک تو مرے دیدۂ نمناک میں دم ہے

دریائے محبت کے گئے ہم تو کنارے
میرا سا کہاں اب کسی تیراک میں دم ہے

ہم دعوئے صنعت کریں کس منہ سے کہ یارب
مدت سے تری کالبد خاک میں دم ہے

سو کوس مری خاک کو روندا ہے ولیکن
اتنا ہی ترے توسن چالاک میں دم ہے

فروائے قیامت کا ظفر خوف نہ کر تو
ہر دم ترا یاد شہ لولاک ﷺ میں دم ہے

شبنم تری کب اشک فشانی سے بجھے ہے
کیا آتش گل بھی کہیں پانی سے بجھے ہے

کب حرص تری آب دم تیغ سے قاتل
میری فقط اس تشنہ دہانی سے بجھے ہے

بیمار ہوں یہ عشق میں مے خوار بسر کے!
پانی مرا لوہے کی نہانی سے بجھے ہے

کس طرح نہ ہوئے لوں عزیزو کہ مری پیاس
چاہ ذقن یوسف ثانی سے بجھے ہے

درماں تپ عشق عزیزو نہ کرو تم!
دل کی تپش اس دلبر جانی سے بجھے ہے

سوزش کوئی جاتی ہے یہ میخواری کی دل سے
اے ابر تری فیض رسانی سے بجھے ہے

وہ ماہ لقا کیوں نہ ظفر ہو عرق آلود!
ہوتا ہے جلا گرم تو پانی سے بجھے ہے اے ظفر مختلف

کہوں کیا حال چشم و دل شکایت اس میں دو کی ہے
بیان عشق ہے مشکل شکایت اس میں دو کی ہے

جگر اور دل کی کیا پوچھے ہے بس بیڑ کر جانے دے
کہوں کیا خاک اے غافل شکایت اس میں دو کی ہے

الم اور غم سے جو گزرے جگر پہ نہ کھلواؤ!
نہ پوچھو آہ کیا حاصل شکایت اس میں دو کی ہے

کہوں کیا شمع و گل گیر کا مذکور میں تجھ سے!
سراپا شاہد محفل شکایت اس میں دو کیے

حقیقت ابرو و مژگاں کی اپنی پوچھ مت ہمدم!
نہیں لکھنے کے یہ قابل شکایت اس میں دو کی ہے

کیا جو تیغ و خنجر نے ترے سو دل ہی جانے ہے!
زباں سے کیا کہوں قاتل شکایت اس میں دو کی ہے

دلدار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے
اس یار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

ابرو کی دیکھی جنبش کہتا ہے چل پرے ہٹ
تلوار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

دیتا ہے گالیاں وہ میرے لہو کا پیاسا
خونخوار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

مطلب کے عرض پر وہ کیا کیا کرے ہے باتیں
تکرار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

منصور دار پر بھی کہتا رہا انا الحق!
سردار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

لے نام اس کا مجھ کو غش میں کوئی پکارا
غمخوار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

دل لے کے جو کہے ہے تجھ سے نہ میں ملوں گا
عیار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

مے کے نشے میں بھی وہ بوسہ نہیں ہے دیتا
ہشیار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

سن کر غزل ظفر کی اہل سخن کہیں ہیں!
اشعار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

رخ پہ کیا زلف ترے غنچہ دہن چھوٹے ہے
ہم سیہ بختوں سے آخر کو وطن چھوٹے ہے

کیونکہ دل پنجۂ مژگاں سے رہا ہو پاوے
چنگل باز سے کب مرغ چمن چھوٹے ہے

کب تلک روئے گی دل سوزی پروانہ پہ
کوئی اس دل کی لگن شمع لگن چھوٹے ہے

کج ہے ہوتی ہے بری آہ عزیزو چاہت
آہ یوسف سے وہ کب چاہ ذقن چھوٹے ہے

روبرو اس بت کافر کے ہوائی شب پہ
منہ پہ مہتاب کے اے چرخ کہن چھوٹے ہے

لاکھ تو مجھ سے نہ دل پر تری الفت واللہ
کب مرے دل سے بت عہد شکن چھوٹے ہے

رشک مہ شب کو ظفر سے جلا مدت میں
کیوں تجھے دیکھ کے اے شمع جلن چھوٹے ہے

نے فقط کوہ الم کا اس بدن پر بار ہے
کچھ تو اپنے دل پہ ہے کچھ اس کے تن پر بار ہے

کب عرق سے عارض غنچہ دہن پر بار ہے
قطرۂ شبنم سے کیا برگ سمن پر بار ہے

کہہ دو شیریں سے کہ اپنا رکھ قدم تک آن کر
گل کے رکھنے سے مزار کوہ کن پر بار ہے

جنبش ابرو ہی کافی ہے ہمارے قتل کو
تیغ کے لینے سے دست تیغ زن پر بار ہے

تجھ کو فرش چاندنی پر دیکھ کر اے رشک ماہ
پھر دکھانا چاند یہ چرخ کہن پر بار ہے

بار اسباب جہاں سے کب ہے آزادوں کو کام
کس نے دیکھا گردن سرو چمن پر بار ہے

دیکھ اے پروانہ دل سوز تیرے عشق میں
سر کا دینا کچھ بھی شمع انجمن پر بار ہے

اے ظفر کب تک کہوں اس بے وفا سے بار بار
یاں تلک آنا بت پیماں شکن پر بار ہے

کب سناں میں اور دلا مژگان تر میں فرق ہے
ایک سال تجھے نہ جو اس کی نظر میں فرق ہے

تیرے ہی پرتو سے اس کی روشنی ہے رشک مہر
عارض تاباں میں ورنہ اور قمر میں فرق ہے

اپنے تو نزدیک اے یار رو یہ دونوں ایک ہیں
کون کہتا ہے کہ جان و جگر میں فرق ہے

کیوں نہ محراب عبادت اس کو ہم سمجھیں دلا
کیا خم ابرو میں اور مسجد کے در میں فرق ہے

جو اثر کرتی نہیں دل میں کسی کے ہم نشیں
ان دنوں کچھ آہ کی میرے اثر میں فرق ہے

جلد تر نامہ مرا لے جا تو اے پیک صبا
تیرے پہنچانے میں واں اور نامہ بر میں فرق ہے

جو حلاوت اس میں ہے وہ ذائقہ اس میں کہاں
اس لب شیریں میں اب اور نیشکر میں فرق ہے

اشک باری وہ کرے دو روئے یا لے بہائے
ابر دریا بار میں اور چشم تر میں فرق ہے

جو کہ دو کہتے ہیں تم کو وہ کسی لائق نہیں!
اے ظفر واللہ اب ان کی نظر میں فرق ہے

سبزۂ خط سے ترے کب دل رہا کام دبے
یہ وہ طائر ہے کہ ہرگز نہ تہ دام دبے

محتسب آج جو میخانے کی دیوار گری
سینکڑوں شیشے دبے سینکڑوں ہی جام دبے

کر سکے کون تری چشم سے پھر ہم چشمی
خاک میں جبکہ پڑے نرگس و بادام دبے

ہجر کی رات اگر ہو جائے مجھے روز وصال
زیر عارض ترے گر زلف سیہ فام دبے

تیغ ابرو کا تری جو جہاں میں شہرہ
کیوں نہ پھر تجھ سے ہر اک اے بت خودکام دبے

منعم اس دولت دنیا پہ نہ کر دیکھ غرور
سینکڑوں گور میں کیا کیا نہیں بہرام دبے

اے ظفر راحت مضموں سے قلم رو میں ترے
زیر راں کیونکہ نہ بس توسن شہ گام دبے

زلف یوں روئے عرق آلود پہ لہرائے ہے
صبح جوں ناگن گلوں پر چاٹنے اوس آئے ہے

سیل اشک تر میں ہے یہ لخت دل اے مردماں
عشق یا سر چہ اناں گھاٹ پر دکھلائے ہے

ہے قیامت کا نمونہ یہ قد موزوں ترا!
دیکھ کر بس سرو جس کو خاک میں گڑ جائے ہے

آہ کیا جانے طبیب عشق کس کی یاد میں!
ہوک سی اٹھ کر کلیجے میں مرے رہ جائے ہے

یہ دل پر آبلہ دیکھا ہے جس کے خوف سے
لے کے تنکا دانت میں انگور بھی رہ جائے ہے

کچھ خدا کا بھی نہیں ترس اس بت بے ترس کو
وہ بت ترسا ہمیں دیدا کو ترسائے ہے

جان شیریں دے ہے بس فرہاد کب شیریں پہ آہ
کون مرتے کے ظفر پیچھے بھلا مر جائے ہے

لخت دل یوں چشم میں پھرتے تھے کل ترتے ہوئے
جوں کف دریا پہ جاتے ہیں کنول ترتے ہوئے

ساحل الفت تلک پہنچے نہ ہم مانند کاہ
جسم لاغر ہو گیا یہ اپنا شل ترتے ہووے

دل جگر دریائے غم میں جب کہ بے دم ہو گئے
تا کنار وصل پہنچے بے خلل ترتے ہوئے

بحر الفت کے تلاطم سے خطر ہے کیا ہمیں!
ڈوب جاتا ہے کوئی کب بے اجل ترتے ہوئے

موج دریا سے حباب آنکھ رکھ سر پہ خود
بے طرح کرتا ہے کچھ جنگ و جدل ترتے ہوئے

بحر غم میں آ گیا یوں اس دل بے دم میں دم
جس طرح جاوے شناور پھر سنبھل ترتے ہوئے

پڑھ کے بسم اللہ بحر یہا و مرسہا ظفر
دم میں بحر غم سے ہم آئے نکل ترتے ہوئے

نہ بال و پر مرے ساحق کیو صیاد کو توڑے
مبادا دم وہ بن کر اس مری فریاد کو توڑے

جراحت سے ہمارا جسم ہے کیا بن گیا جوشن
نگہ تیری یقیں ہے بکتر فولاد کو توڑے

تعجب کیا ہے گلشن میں اگر وہ قامت موزوں
کرے بیر سرو کو سیدھا قد شمشاد کو توڑے

بتو! اس خانہ دل پر نہ دست انداز جور دیکھو
تمہارے ہاتھ کیا خاک آوے گا اس بنیاد کو توڑے

ہماری دست گیری گر اسے منظور خاطر ہے
نہ رکھے ہاتھ میں کہہ دو تم ایجاد کو توڑے

عبث خارا تراشی میں کرے ہے عمر کو ضائع
جو کچھ چاہے تو کوہ غم کہ فرہاد کو توڑے

ظفر ملنے نہ ملنے کا تو ہر گز ڈر نہیں اس کے
پر اپنے دل سے وہ قاتل نہ میری یاد کو توڑے

درد فرقت ہے نہاں منہ سے نہ یوں نکلے ہے
آہ کے ساتھ جگر سے مرے خوں نکلے ہے

چھوڑ پچکاری مژگاں کو ہر اک طفل سرشک
بر میں گر پیرہن بوقلموں نکلے ہے

سر ہتھیلی پہ دھرے پھرتے ہیں اس دم عاشق
لے بکف تیغ جو وہ کھا کے جنوں نکلے ہے

ایک عالم کے کیا اس نے ہے دل کو تسخیر
آہ کیا جادو یہ کیا جڑھ کے فسوں نکلے ہے

تا حسن پا کو ترے دیکھ کے اے رشک قمر
مہ نو چہ رخ پہ ہو فرق نگوں نکلے ہے

غیر تو خوش ترے کوچے میں ہیں پھرتے چلتے
ایک یہ عاشق با حال زبوں نکلے ہے

ہم نشیں عشق میں اس بت کے بقول ظفر اب
آہ کے ساتھ جگر سے مرے خوں نکلے ہے

لاکھ عیار ترے کوچے میں خم ٹھوکیں گے
کوئی ملتے ہیں وہاں سے انہیں ہم ٹھوکیں گے

منع دربان کو کر دے کہ نہ روکے ہم کو
ورنہ اک روز ترے سر کی قسم ٹھوکیں گے

نام لکھ رکھیں گے ہم تیرا نگیں دل پر
نقش سکہ نہیں بر روئے درم ٹھوکیں گے

کہکشاں سے نہیں تھمنے کی دلا سقف فلک
گر پڑے گی یہ جو ہم آہ کا خم ٹھوکیں گے

اپنے ہوتے ترے گھر آئیں گے اغیار اگر
ہم کہے دیتے ہیں ان کو اسی دم ٹھوکیں گے

تو پھر اتنا ہی رہے گا پہ نہ چھوڑیں گے وہ لے
ہاں بہت کہنے سے تیرے اسے کم ٹھوکیں گے

یوں تو لڑتے نہیں پھرتے ہیں ظفر لیکن آہ
کوئی الجھے گا جو ہم سے تو صنم ٹھوکیں گے

آنکھیں ہیں یہ وہ بس میں دل آئے انہیں رو کے!
مارے سے دو عالم بھی مر جائے انہیں رو کے!
کب واعظ و ناصح اب چپ رہتے ہیں بکنے سے!
ملنے سے ہم اے یارو باز آئے انہیں رو کے
گو کوہ کن و مجنوں تھے عشق کے کوچے میں!
پر ہم بھی تو رہتے ہیں ہمسائے انہیں رو کے
بے وجہ تری زلفیں ہیں دام بلا یک سر!
پھندے میں یہ مرغ دل الجھائے انہیں رو کے
اآنکھوں نے نہ بتلایا اس چاہ زنخداں کے!
ہم ڈوب گئے یارو بہکائے انہیں رو کے!
جنبش میں بھنویں اپنی مت لا کہ میں ڈرتا ہوں
بھونچال نہ ملنے سے آ جائے انہیں رو کے
میرا دل صد چاک اب رکھتا نے سے باہم تو
کاکل تری سلجھے گی سلجھائے انہیں رو کے!
اٹھنے نہیں دیتے ہیں نالہ و افغاں اب
در پر ترے بیٹھا ہوں بٹھلائے انہیں رو کے
یہ عشق و محبت کا ہے کام ظفر پوچھو
واللہ تم اتنے ہو سکھلائے انہیں رو کے

ہماری آہ دل سے اشک لے کر آوے ہی آوے
سمندر سے جو اترے ہاتھ گوہر آوے ہی آوے

زمیں سے جو فلک دیکھے ستون آہ گر میرا
خجالت میں وہیں سد سکندر آوے ہی آوے

بنایا حسن کا بنگلہ اب ہماری نخل مژگاں نے
برائے آب پاشی دیدۂ تر آوے ہی آوے

نہ آیا مہ پر تو کیا ہوا جا اس کے کوچے میں
جواب خط وہ لے کر کبوتر آوے ہی آوے

قبائے گل سے نازک تر ہے وہ شبنم کی اے خالق!
کتاں کو بھی سراسر رشک جس پر آوے ہی آوے

تمہارے حسن پا کو اگر دیکھے تو حیرت سے
مہ نو کو خجالت آسماں پر آوے ہی آوے

ظفر ایسی غزل پڑھتا ہوں میں اب جس کے سننے کو
ہر اک اہل سخن مشتاق ہو کر آوے ہی آوے

نظر وہ خواب میں ہم کو مقرر آوے ہی آوے
طلب جس چیز کی ہو وہ میسر آوے ہی آوے

یقیں ہے کہ پیا صد نامہ لے کر آوے ہی آوے
کل آوے پرسوں آوے پر مقرر آوے ہی آوے

خیال زلف ہو جس کو پریشاں کیوں نہ وہ ہووے
ضرر اس کو اسی سودے میں یکسر آوے ہی آوے

یہی ڈر ہے مجھے پل میں ڈبو مت دو عالم کو
ترے رونے سے طوفاں دیدۂ تر آوے ہی آوے

نہیں دیکھی ہے جاے ابرو کماں تو نے کشش دل کی
نہ مانا ہو اگر کوئی تو کھنچ کر آوے ہی آوے

یہ سب جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں راز عشق چھپتا ہے
جو ہووے بات دل میں سو وہ منہ پر آوے ہی آوے

یہ ہے وہ عشق کا میداں کوئی کیا خاک تھم ٹھو کے
کہ اس جا گیو ور تم کو بھی اب ڈر آوے ہی آوے

خلش کرتا نہ کر تو دمبدم پر نشتر مژگاں!
خراش دل سے میرے خون اب تر آوے ہی آوے

ظفر اب یاد ہے ہم کو وہ تسخیر سلیمانی!
پری بھی ہو پرستاں میں تو اڑ کر آوے ہی آوے

جتنے ہیں پیراہن رشک سمن میں دھبے
کب ہیں اس رنگ کے عباسی کے تن میں دھبے

داغ مت سمجھو کوئی ان کو کہ یہ بوقلموں
خوشنما ہیں پر طاؤس چمن میں دھبے

دھووے سا اشکوں سے دلا شب کو نہ کیوں شمع بزم
خون پروانہ سے دامان لگن میں دھبے!

ہوا تھا غیر مجھے دیکھ کے نیلا پیلا
بعد مردن بھی رہے اسکے کفن میں دھبے!

اشک سے کچھ رہے جو سرخی لخت جگر آہ
یہ تعجب ہے کہ ہیں لعل یمن میں دھبے!

داغ بر دل جو ہوا تیرا شہید الفت!
لالہ ساں پڑ گئے ہیں اس کے کفن میں دھبے

اے ظفر شستہ و رفتہ پڑھتا ہوں
جس سے پڑ جائیں دل اہل سخن میں دھبے

داغ کے دیکھ دل لال نظر پر دھبے!
ویسے ہی پڑ گئے لالے کی نظر پر دھبے

کس کا خوں تو نے کی اپنے در دولت پر
شاہد قتل ہیں دریا کے گزر پر دھبے

دیکھنا بندگی ارض جاناں شب مہ
پڑ گئے رشک سے ہیں روئے قمر پر دھبے

جوش زن خون ہوا ہجر میں اس کے ایسا!
آبلے دل پہ ہوئے اور جگر پر دھبے

ہم تن میں ہوں وہ مجروح کہ خوں سے قاتل!
تیر کے سے ہیں مرے پشت کمر پر دھبے

چشم نم کی دولت سے ہے رشک گلزار
اشک خونیں سے پڑے دامن تر پر دھبے

اے ظفر سنتے ہی اس تیری غزل کو واللہ
پڑ گئے اب دل ہر ایک بشر پر دھبے

سکھائی تم کو جو ڈھنگی باتیں ہماری جانب سے آہ الٹی!
اسی سبب سے ہے میرے صاحب تمہارے ہم سے نگاہ الٹی

ہوا ہے پھر کے دوبارہ یکسر یہ تیرہ بختوں کا روز روشن!
تمہارے رخ سے جو اڑ کے شب کو ہوا ہے زلف سیاہ الٹی

کیا ہے خورشید خاوری کو سپہر گرداں کے سر بلند!!
سحر تمامی کی اپنے سر پر جو رکھ کے اس نے کلاہ الٹی!

نہ کر تو کچھ دل میں اپنے ہرگز خدا جو چاہیگا وہی ہوگا!

بس اپنی قسمت پر رہ تو شاکر وہ خواہ سیدھی ہو خواہ الٹی
عمل کر اس پر ہے داستی پہ نابز رگوں سے ہے ہمیشہ
کبھو نہ منزل تلک وہ پہنچا چلا ہے جو کوئی راہ الٹی
رکھو ہو غیروں سے روز صحبت نہ پوچھو ان کو کہ جو ہیں عاشق
کہے نہ کیونکر تمام عالم تمہاری ہاں کی ہے داہ الٹی!

تمارے دشمن مدام ہوئیں ظفر ہے تم پر نگاہ وابرو
نہ ہوں گے سرسبز بھی وہ ہرگز گواہی دے ہیں گواہ الٹی

ہو رہا ہے نشہ جام مے گل گوں تجھے!
شیشہ دل ہے بہت نازک وہ کیونکر دوں تجھے
پوچھتا ہے کون شہر عشق میں مجنوں تجھے!
اک دیا تقدیر نے ہے گوشہ ہاموں تجھے
خاک میں مل جائے گا اے سرو گلشن تو ابھی
گر دکھا دیوے ذرا وہ قامت موزوں تجھے
ایک عالم تھا ترا مائل ہوئے اے سادہ رو
آئینے نے کر رکھا ہے اپنا اب مفتوں تجھے
رشک سے کیونکر نہ اپنے ہونٹ چابیں مدعی!
حق تعالی نے دیا ہے وہ لب میگوں تجھے
تو بھی آنکھوں سے لہو رو دے گا سن اے سنگلیں
میں سناؤں گا اگر حال دل پر خوں تجھے!
میں خفا ہوں تو بلا سے تو خوشی رہ جان من
ورنہ مر جاؤں گا دیکھوں گا اگر محزوں تجھے
چشم دریا بار سے روکش تو ہوتا ہے مگر کے
میں دکھاؤں گا تماشا پل میں اے جیحوں تجھے

جب سے ہے اس کی کمر کا اے ظفر تجھ کو خیال
سوجھے ہیں باریک کیا کیا تب سے یہ مضموں تجھے

خط آزادی نہ لکھوا اے یار اپنے ہاتھ سے!
دے نہ دستاویز یہ یک بار اپنے ہاتھ سے
نہ کھینچا کر تو خنجر خوں خوار اپنے ہاتھ سے
کام آ جاویں گے پھر دو چار اپنے ہاتھ سے
عشق سے واقف نہ تھے جب تک نہ تھا رنج و تعب
اے مسیحا دم لیا آزار اپنے ہاتھ سے
دیکھ کر یہ ہیں تری پوشاک دھانی جان من
زہر بس کھانا پڑا ناچار اپنے ہاتھ سے
ایک دن دل میں ہے اپنے نقد جاں کا بیچئے!
جا کے اب سودا سر بازار اپنے ہاتھ سے
جنبش ابرو ہے کافی بس ہمارے قتل کو!
کھینچ کر مت مار تو تلوار اپنے ہاتھ سے
آفریں صد آفریں او مرحبا تجھ کو جنوں
چھوڑا جامے میں نہیں اک تار اپنے ہاتھ سے
یہ وصیت ہے مری قاصد تجھے اب آخری
خط اسے دینا سر بازار اپنے ہاتھ سے
اور یہی کہنا کہ کس نے دل میں ذ الاتفرقہ!
خط نہیں لکھتے ہو گا ہے یار اپنے ہاتھ سے

ہے عبث شکوہ ظفر واللہ اب اس چیز کا
کھو دیا آپ ہی جسے یک بار اپنے ہاتھ سے

سر سوے تو نے ہیں اس وجہ سے یکسر گوندھے
جیسے شیرازۂ مصحف کو ہے دلبر گوندھے

چشم نے جو گل کسی کے ہے تصور میں لیا
سلک نادر شک اب نہ وہ کیونکر گوندھے

موج دریا پہ ہے یوں پڑتی شعاع خورشید
جیسے زنجیر طلائی کوئی زرگر گوندھے

کہکشاں نکلی شب تیرہ میں ہے اے ہمدم
مانگ میں اس بت مہوش نے ہیں گوہر گوندھے

داغ حسرت سے یہاں بھر گیا سینہ میرا
ہار پھولوں کے جو تو نے بت کافر گوندھے

اشک کو لخت جگر سے ہے علاقہ اپنے
چشم کس طرح سے جوہر کا نہ زیور گوندھے

ہو ظفر کیونکہ نہ کوتہ شب ہجراں میری
اپنے وہ شوخ فتح پیچ جو سر پر گوندھے

یہ چند ہے بت عزت مآب کے پیچھے
سواد شام ہے جیسا آفتاب کے پیچھے

دل اس کی چشم سے کیونکر بچے بھلا اپنا
کہ ہر صید ہے شاہیں عقاب کے پیچھے

یہ رب کعبہ ہوئے آہ ایسے ہم رسوا
جہاں میں اس بت خانہ خراب کے پیچھے

سرشک تر سے مری آستین مژگاں نے
گہر کے ٹکڑے ہیں ٹانکے حباب کے پیچھے

نہ ایک گام ملا گا تو سن صبا ہمراہ
چمن میں رہ گیا اس مہ رکاب کے پیچھے

رکے ہے چشم کے روکے سے کب یہ طفل سرشک
ہزار اس کو رکھے داب داب کے پیچھے

نمود شام کی پہلے ہے رات سے یارو
نہ کیوں ہو زلف خط مشک ناب کے پیچھے

ہزار جور کرے وہ برا نہ مان ظفر
رقم کر اس کو بھی فرد حساب کے پیچھے

وہ عرق سے رخ گلرنگ طراوت پر ہے
تو کب اے غنچۂ دل تنگ طراوت پر ہے

دل کہے کیونکہ نہ اس کے لب پاں خوردہ کو دیکھ
روز برگ گل خوش رنگ طراوت پر ہے

کچھ جبل پر ہی نہیں لالۂ احمر پھولا!
خون فرہاد سے ہر سنگ طراوت پر ہے

عکس سے فندق پا کے ترے اے لعبت حسن
باغ میں تخت اورنگ طراوت پر ہے

کچھ تو اول مری جانب سے بسیجا شاید
آج آئینہ ہر رنگ طراوت پر ہے

شب کے نالے ترے گلشن میں ہر اک گل کا دماغ
صبح اے مرغ خوش آہنگ طراوت پر ہے

اشک باری سے مری چشم کی رات رات زمیں
مردماں سیکڑوں فرسنگ طراوت پر ہے

رات بھیگی ہوئی شبنم ہی نہیں ہے دیکھو
یارگی مخمل خوش رنگ طراوت پر ہے

ظفر اس بحر میں لکھی ہے غزل یہ تم نے
ہر گل قافیہ تنگ طراوت پر ہے

روکے میں کہتا ہوں اور تم نہیں ہنس کے سنتے
دیکھو ہو جاؤں گا بدنام میں ڈس کے سنتے

ہم صفیرو مری فریاد و فغاں گلشن میں
آہ کیا ہوتا جو پاس آ کے قفس کے سنتے

گرہا قہ لیلے ہے ادھر کو شاید
دم بدم ہم جو یہ نالے ہیں جرس کے سنتے

رند کو شب جو کہیں دختر رز سے پکڑا
رنگ فق ہو گیا ہر بات عسس کے سنتے

ہمدموں کا مرے اک شب میں ہوا کام تمام
قہر تھا نالے جو وہ چار برس کے سنتے

عشق کے ذکر میں مت نام ظفر کا لیجو
دیکھو ہو جاؤں گا بدنام میں اس کے سنتے

رو رو کے گر ہچکیاں میرا دل مجنون لے
داغ سینے پر جنوں سے کیوں نہ پھر شبخون لے

ہو گیا ہر دشت صد رشک گلستاں عندلیب
کل جو صحرا میں گئے ہم دیدۂ پرخون لے

عشق ہے سنگ گراں تجھ سے دلا اٹھتا نہیں
چوم کر بس چھوڑ دے سر پر نہ یہ ہامون لے

کس لیے عشق بتاں میں تو پھرے ہے بیہودہ
ہاتھ میں زاہد اک اپنے سبحۂ زیتون لے

مفت میں بدنام ہوگا دیکھ اے قاتل مجھے!
بے گنہ مت قتل کر سر پر نہ اپنے خون لے

کی جو کچھ عرض تمنا ان سے میں تو یہ کہا
بیٹھ رہ چل جا یہاں سے عقل کے ناخون لے

خاک کے ڈالے سے چھپتا ہے کہیں بھی ماہتاب
شعر کا تیرے ظفر کیا جان جو مضمون لے

اسلام و کفر سے ہے سروکار کیا مجھے
ہے بس تصور رخ و زلف دوتا مجھے

کب دسترس ہو تا سر زلف دوتا مجھے
اس بخت نارسا نے رکھا نارسا مجھے

میں ہوں مریض عشق نہ کیوں ہو شفا مجھے
تعویذ درد سر ہے ترا نقش پا مجھے

کوچے سے تیرے اٹھ کے میں جاؤں بھلا کدھر
موج سرشک چشم ہے زنجیر پا مجھے

میں کس طرح بتوں کے نہ جور و ستم سہوں
حق نے بنایا ہے کو جور و جفا مجھے

ہو کر اسیر زلف کہے ہے یہ دل مرا
دام بلا سے تو نے کیا یا رب رہا مجھے!

میری نظر میں رتبہ اکسیر خاک ہے
اس سیم تن کا وصل ہے بس کیمیا مجھے!

تڑسا نہ اب تیغ سے ظالم تو کر شہید
کوچہ نہیں ہے یہ ترا کم از کربلا مجھے

پیک صبا نے آن کے کوچے سے اس کے کل
اپنا کہا سمجھ کے ہوا خواہ کیا مجھے

میں آپ سے گزر نہیں کرتا و لیکن آہ!
لے جاوے ہے کچھ آہ مرا دل اڑا مجھے

جلدی بدل کے قافیہ بس اے ظفر کہیں
اب تو غزل نئی کوئی اچھی سنا مجھے!

آؤ گے آج گھر میں بتا دو کہیں مجھے!
بھاتی نہیں یہ آٹھ پہر کی نہیں مجھے!

کیا پوچھتا ہے مجھ سے کہ عاشق ہوں میں ترا
دنیا کی ہے طلب نہ تمنائے دیں مجھے

قربان تیرے اے بت ناوک فگن کر آہ
تیر مژہ دکھائے کیا سہمگیں مجھے

کیونکر نہ غرق کشتی دل ہو کہ اے صنم
موج بلا ہے تیری چین جبیں مجھے

اس کی گلی میں بیٹھ کے رویا ہوں اشک سرخ
آئی نظر وہاں کی گلستاں زمیں مجھے

صورت سے میری کیونکہ نہ آزردہ ہو وہ شوخ
تو نے فلک بنایا ہے اندوہ گیں مجھے

تو ظلم کر اور اس کے عوض میں وفا کروں گا
تجھ کو تو مرحبا کہیں اور آفریں مجھے

کھا کھا قسم کہے ہے کہ آؤں گا رات کو
پر اس کی بات کا نہیں ہرگز یقیں مجھے

لیتے ہی بوسہ اس لب شیریں کا اے ظفر
آئی حلاوت شکر و انگبیں مجھے!

تو رخ سے جس دم جو اٹھا ٹک نقاب دے
پردے سے برق کو نہ نکلنے حجاب دے

مکتوب شوق اس کو میں اے نامہ بر لکھوں
فرصت جو ٹک بھی رونے سے چشم پر آب دے

ابر بہار باغ ہے سبزہ ہے ساقیا
بھر کر مجھے تو ساغر گل میں شراب دے

گر تیغ موج اشک دکھاؤں تو آہ چھوڑ
دریا دلوں سے آنکھ لڑائی حباب دے

زنجیر موج بحر حوادث میں ہوں پھنسا
اس سے نجات اب مجھے یا بوتراب دے

گلشن میں طفل غنچہ کو چپکا لگا ہے دیکھ
شبنم بجائے آب اسے تو گلاب دے

بوسہ کی اس سے کیونکہ تمنا رکھیں ظفر
گالی بھی منہ سے جو کہ ہو بے حجاب دے

رفاقت کیا کہوں آہ جگر اور داغ سوزاں کی
ہماری قبر پر حاجت نہیں ہے شمع گریاں کی

بھلا کس واسطے دیکھوں میں اب صورت گلستاں کی
مجھے اب سادہ پن کی اس کی بھاتی ہے روش پا کی

بیاں کیونکر بھلا ہووے حدیث اس زلف پیچاں کی
نہ جب تک چل کے کیجے سیر یکسر سنبلستاں کی

تمہارے پا کے گری رات کو اے شاہد محفل
زباں لغزش میں آجاوے نہ کیوں شمع شبستاں کی

جو سودا اس لب پان خوردہ کے بوسے کا پڑتا ہے
تو قیمت خاک میں ملتی ہے پھر لعل بدخشاں کی

فراق یار میں رونا ہے بیتابی ہے وحشت ہے
خبر مجھ کو نہیں ہے آہ ہرگز دین و ایماں کی

ہمارے لخت دل کو دیکھ کر مژگاں میں یوں مردم
لگے کہنے کہ ٹک روک دی کس نے چراغاں کی

کہا قاصد نے کیا معلوم پر اس کی زبانی ہے
وہ غافل آہ کیا جانے ہمارے درد پنہاں کی

غزل ان قافیوں میں اور بھی لکھو ظفر ایسی
کہ ہو ہر بیت جس میں رشک فردوسی کے دیواں کی

نہ کیوں ہو قدر ہم چشموں میں میری چشم گریاں کی!
کہ شیخی جھڑ گئی اک پل میں جس سے ابر نیساں کی
کنار بحر م آب رواں میں تو اگر تاکے
حباب بحر ٹھہرے کیا نظر میں ماہ تاباں کی
لکھی تفسیر ہے مصحف کی یا رو حاشیے پر یا
زیادہ کیوں نہ ہو اب خط سے خوبی روئے جاناں کی
چمکتے ہیں بشب چرخ مینا فام پر اختر
دکھا دیتا ہے ٹک ہنس کر مسی آلودہ دنداں کی
میان ذوالفقار ابروے خمدار سے تیرے
دو عالم قتل ہوتا ہے قسم ہے شاہ مرداں کی
پری رو دیکھ کو مجھ پر نہ چڑھیوں بے دھڑک ہرگز
تعالی اللہ ابھی ہو جائے گی خلقت پرستاں کی
خیال ماہ جس کو اے عزیزو اب ہوا ہم ہو
حقیقت سو بسو وہ کیا کہے حال پریشاں کی
جنوں صد آفریں اور مرحبا تیری رفاقت کو
اڑائیں دھجیاں تو نے ہمارے جیب و داماں کی
اسی باعث سے میں شب کو ترے گھر میں نہیں آتا
ترے در پر جو چوکی رات دن رہتی ہے درباں کی
یہ اس کو منع کر دینا کہ وہ روکے نہیں مجھ کو!
وگرنہ اس گھڑی ٹھہرے گی اس میں ہم میں تو تاں کی

ظفر گرداب دریائے سخن کا تو شناور ہے!
بدل اب بحر تا خوش ہو طبیعت ہر سخن داں کی!

ہے آ گھٹ گئی زر سے یہاں بادہ کشاں کی
بیعت نہ کریں کیونکہ بھلا پیر مغاں کی
باعث خفگی کا نہیں معلوم بتاں کی
پہنچی ہے صدا کیا مری فریاد و فغاں کی
اس اشک کے قربان کہ مقراض مژہ سے
کی تن پہ مرے قطع قبا آب رواں کی
ہنسنے کا یہ عالم ہے کہ ہوتا ہوں میں بیہوش
لے لے کے بلائیں ترے دندان و دہاں کی
مرجھائے ہے کیونکر یہ گل زخم دل اپنا
کہتے ہیں کہ گلشن میں اب آمد ہے خزاں کی
پیدا اثر کی شکل سے ہو جاؤں گا ماتم!
جوں شمع جو محفل میں کبھی تو نے زباں کی
ہو شب کو جو آ کر مہ کامل سے یہ روکش
چھاتی نہ تڑق جاوے بھلا کیونکہ کتاں کی
بولے کہ کہیں گم نہ کریں راہ مسافر
اک شخص نے کل میری کہانی جو بیاں کی
سچ ہے کہ وہی جانے کہ جس شخص پہ گزرے
اس بت کو خبر کیا ہے مرے درد نہاں کی
آنکھوں سے لگا کیونکہ بھلا اس کو نہ رکھو
آئی ہے مرے ہاتھ جو یہ خاک وہاں کی

پائی نہ ذرا گل میں ظفر بوئے محبت
جوں بادِ سحر گرچہ بہت سیر جہاں کی!

ہمارا دل نہیں اس کے سرِ پشت زنخداں ہے
عزیز و چاہِ کنعاں ہے یا اور وہ ماہِ کنعاں ہے

کہاں ہے خرمنِ گل اے صبا گنجِ شہیداں ہے
جو ہر یک شہپرِ بلبل بھی دستِ فاتحہ خواں ہے

ہٹیں زلفیں جو رخ پر سے انہوں کی بس وہیں سوجھا
کہ نکلا پردۂ ابرِ سیہ سے ماہِ تاباں ہے

جہاں سودا لبِ دلبر سے بوسے کا کیا ہم نے
بکا عناب کی قیمت وہاں لعلِ بدخشاں ہے

ہوس ہو سیرِ گلگشتِ چمن کی کس کو اے ہمدم
تنِ گل خوردہ اپنا یک قلم تختۂ گلستاں ہے

دکھاؤں کس کو میں دستِ جنوں کی دستکاری کو
بنا ہر تختۂ دامن ہے نے تارِ گریباں ہے

ظفر اس آبلہ پائی کی دولت سے ہے ہر کانٹا
سراسر ٹانکا موتی بداماں بیاباں ہے

تپِ غم میں مجھے بھرتے جو دیکھا سانس ٹھنڈی سی
تو ہر دم ہاتھ بالیں پر مرے ملنے لگا عیسیٰ

لڑاتا ہے وہ ترک چشم کو مژگاں کی گولی سے
قزلباشوں سے سیکھی ہے لڑائی کیا فرانسیسی

مجھے درباں ترے ہیں روکتے ظالم یہی ڈر ہے
نہ ہو جاوے کہیں در پر ترے اب خانہ جنگی سی

عجب ڈھب سے لگی جا رفتہ رفتہ اس کے پاؤں تک
حنا بھی کام اپنے میں بہت پکی ہے اور چٹی سی

نہ کیوں اس گلبدن کے ساتھ سونے کی رہے خواہش
کہ دیکھی باغِ عالم میں یہی وہ ایک شکل اچھی سی

ظفر کے ان کے شعروں کو ہمہ داں سارے کہتے ہیں
بدل کر قافیے کوئی غزل لکھ اپنے جی کی سی

ہم ایسے سوزِ غمِ ہجرِ یار سے ہیں بنے
کہ داغ دل کے گلِ نوبہار سے ہیں بنے

کریں گے ذبح ہمیں دلبرانِ کافر کیش
ازل سے ہم تو انہیں کے شکار سے ہیں بنے

نہ پوچھو حال ہمارا کہ اس کے کوچے میں
زیادہ ہم تو پریشاں غبار سے ہیں بنے

گلے کے ہار ہیں گے یار اشکوں کے
کہ میرے واسطے پھولوں کے ہار سے ہیں بنے

جدا ہوں حسرت و اندوہ کس طرح ہم سے
کہ کنجِ غم میں یہی اپنے یار سے ہیں بنے

وہ میرے دشمنِ جاں ہیں یہ جان لیجے گا!
تمہارے آن کے جو دوستدار سے ہیں بنے

تصور اس درِ دنداں کا ہے جو ہم کو ظفر
سخن ہمارے درِ شاہوار سے ہیں بنے

تری چشم مقلس ہیں وہ جادو گیرِ صحرائی!
کہ جس کی دید کو ٹھہرے ہے یہ نخچیرِ صحرائی

کرے غل کیوں نہ برپا قیس ہر دم دشتِ وحشت سے
گلو لا طوق ہے موجِ ہوا زنجیرِ صحرائی

نہ پوچھو نقشِ پائے ناقۂ لیلیٰ کے نقشے کو
کہ مجنوں کی پرستش کو ہے یہ تصویرِ صحرائی

کوئی میری طرف سے کہہ دو یہ خضرِ خجستہ کو!
بجز الیاس میرا کون ہے اب میرِ صحرائی

ظفر کیا خاک کیجے بن کے مجنوں دشت پیمائی
کہ ہر خارِ مغیلاں ہے نظر میں تیرِ صحرائی!

لختِ دل اور اشک کو کیونکر کہوں یکساں ہے
وہ درِ غلطاں ہے تو یہ ہمسر مرجان ہے

مارکاکل زلف سنبل رخ ہے رشکِ یاسمن
سرو قد ہے گل لب ہے خو گل خندان ہے

چشم و رخ کو دیکھ کر تیرے سدا اے سادہ رو
دنگ ہے نرگس یہاں اور آئینہ حیران ہے

ابر میں درخشندہ کب ہے برق اے پیرِ فلک
وہ بہار اور وہ دل پیالہ سوزان ہے

دیکھ کر خالِ زنخداں کیوں نہ ہووے ڈانواں ڈول
چاہِ کنعاں وہ ہے اور یہ یوسفِ کنعان ہے

ہاتفِ غیبی سے کل آئی ندا مجھ کو ظفر
فکر میں تاریخ کے رہتا تو کیوں حیران ہے

وو ہیں صد رشکِ چمن مصرع یہ مجھ سے ڈھل گیا
زور اب رنگین یہ اپنا سر بسر دیوان ہے

عشق میں بازی اگر چوپڑ کی دل پر کھیلئے
نرد دل ہم بھی بٹھاتے اور دل پر کھیلئے

کیونکہ طفلِ اشک کو آنکھوں میں رکھوں روک روک
یہ نکل جاتے ہیں لڑکے گھر سے باہر کھیلئے

پنجۂ مژگاں میں ہیں اے مردمک کب اشک سرخ
ہیں گل بازی یہ لے کر دیدۂ تر کھیلئے

ہر بھنور وف سے تلاطم آ کے موج میں
ہیں گل بازی یہ لے دریا مقرر کھیلئے

شیخ جی گردن ہلا کر تم جواب کرتے ہو بات
شیخ سدو ہیں تمہارے اب یہ سر پر کھیلئے

آئینہ غماز ہے کہہ دے گا منہ پر سچ کہوا
کھیل کس سے کنگھی کا تم ہو اکثر کھیلئے

اے ظفر اس خالِ رخ پر بال زلفوں کے نہیں
من سے اپنے ہیں یہ کالے لہر کھا کر کھیلئے

قطعہ

یہ دیواں رشکِ گلشن کیوں نہ ہو گلہائے مضموں سے
کہ اس کا جو ورق ہے سو خیابانِ معانی ہے

ظفر یہ بنا اک مصرع تاریخ لکھ اس پر
مرا اب یک قلم دیوان بستانِ معانی ہے

تمہیں عیش و طرب واں دمبدم ہے
یہاں سینہ زنی ہے اور غم ہے

جو آتا آج وہ اپنے بہم ہے
تو یارو چمن ہے شادی کا دم ہے

نہ کیوں دل کا ہو اس کاکل سے سودا
کہ اس کی گانٹھ میں دام و درم ہے

مجھے سوجھے ہے کیفیت جہاں کی!
وہ چشمِ مست ساقی جامِ جم ہے

لباس اپنا نہ کر اے شوخ تو سبز
کہ ہر صورت یہ میرے حق میں سم ہے

تری مژگاں کے آگے اے گل اندام
قلم نرگس کی مرفوع القلم ہے

جہاں دیتا ہے تو جنبش بھنووں کو
وہاں بھونچال کا چرچا صنم ہے

بنا داغوں سے دل ہے رشکِ گلشن
یہاں لالہ رخوں کا بس کرم ہے

سرِ صحرا نوردی دیکھ کر وہ
لگے کہنے کہ سچ کہہ کیا ستم ہے

پھرے ہے جو تو ڈانواں ڈول ایسا
کسی کی چاہ کا تجھ کو الم ہے

برنگ نقش پا تو در پہ ہم کو — ملامت خاک میں یہ کیا ستم ہے
زمیں نے پاؤں پکڑے ہیں اپنے — کہ یاں سے اٹھ نہیں سکتا قدم

ظفر پیروں کا تجھ کو ہے گا سایہ
کہ جن کی یاد میں تو چشم نم ہے!

کوئی کہتا ہے یہ چین جبیں موج سمندر ہے — کوئی کہتا ہے یہ ابرو نہیں باب سکندر ہے
کووی کہتا ہے اس کی مانگ کو ہے کہکشاں کا خط — کوئی کہتا ہے پیشانی کو اس کی ماہ انور ہے
کوئی کہتا ہے اس کی جعد کو ہے یہ شب یلدا — کوئی کہتا ہے اس کے رخ کو یہ خورشید محشر ہے
کوئی کہتا ہے وہ جوڑا نہیں مشک نافہ ہے — کوئی کہتا ہے بوئے زلف کیا ہے بوئے عنبر ہے
کوئی کہتا ہے بینی کو کہ ہے در شک گل زنبق! — کوئی کہتا ہے چشم سرمگیں ہم چشم عبہر ہے
کوئی کہتا ہے کہ اس قاتل کی چشمک تیغ تر ان ہے — کوئی کہتا ہے اس کی چین ابرو تیز خنجر ہے
کوئی کہتا ہے اک سیف کشیدہ ہے وہ دنبالہ — کوئی کہتا ہے جو مژگاں ہے وہ ناوک سے ہمسر ہے
کوئی کہتا ہے وہ گردن مصفا اک صراحی ہے — کوئی کہتا ہے اس کا گوش کیا ہے چشم ساغر ہے
کوئی کہتا ہے وہ شفاف عارض صبح صادق ہے — کوئی کہتا ہے وہ در کان کا تابندہ اختر ہے
کوئی کہتا ہے ہونٹوں کو کہ ہیں وہ لعل کے ٹکڑے — کوئی کہتا ہے دانتوں کو عجب یہ سلک گوہر ہے
کوئی کہتا ہے گویا وہ دہن ہے خضر کا چشمہ — کوئی کہتا ہے اس چاہ ذقن میں آب کوثر ہے
کوئی کہتا ہے وہ دست حنابستہ ہے شاخ گل — کوئی کہتا ہے رنگیں پنجہ مرجاں کے برابر ہے
کوئی کہتا ہے پستاں کو حباب آسا مصفا ہے — کوئی کہتا ہے سینہ وہ کو آئینہ مکدر ہے
کوئی کہتا ہے وہ پتلی کمر تار رگ گل ہے — کوئی کہتا ہے نرمی میں شکم مخمل سے بہتر ہے
کوئی کہتا ہے اس کی ناف کو ہے وہ گل نسریں — کوئی کہتا ہے سیمیں شاخ نسریں اک سراسر ہے
کوئی کہتا ہے وہ زانو عجب ہے صاف آئینہ — کوئی کہتا ہے ساق سیمگوں شمع منور ہے
کوئی کہتا ہے ہر انگشت پا ہے شاخ گل مہندی — کوئی کہتا ہے جو ناخن ہے برگ گل تر ہے
کوئی کہتا ہے اس قد کو قیامت کا نمونہ ہے — کوئی کہتا ہے وہ قامت قیامت سے بھی بہتر ہے
کوئی کہتا ہے اس کی ہر ادا ہے اک بلا آفت — کوئی کہتا ہے جو غمزہ ہے اس کا اک فسوں گر ہے

ظفر جو اس سراپا ناز کی تعریف کی تو نے
مقرر ہے مقرر ہے مقرر ہے مقرر ہے

اس کے کل کوچے میں ہم ایسے بشر سے گزرے
ایک نے دیکھا نہیں سب کی نظر سے گزرے

کیا عجب تیر نگہ میرے جگر سے گزرے
پر وہ ہے تیر کہ آہن کی سپر سے گزرے

اس سرا میں تو بہت آئے مسافر لیکن
جو ہے کیا جانے کہاں سے وہ کدھر سے گزرے

جوش گریہ سے مرے ہو جو طوفاں برپا
آب ہو پیر فلک کے ابھی سر سے گزرے

آج تک وہم و گماں میں نہیں آتا اپنے
کیا کریں ہم ترے مضمون کمر سے گزرے

دل کے آئینے میں جو کچھ عیاں ہیں جوہر
ہیں وہ پہلے نظر آئینہ گر سے گزرے

چشم نقش کف پا راہ میں حیراں ہوں کیوں
راہ رو کتنے ہی اس راہگزر سے گزرے

بوسہ تیرے لب شیریں کا ہے گو قند و شکر
تلخ اتنا نہ ہو ہم قند و شکر سے گزرے

دیدبازی کے تماشے کا نہ پوچھو عالم
کہ تماشے ہیں بہت چشم ظفر سے گزرے

جو دل کے ارادے کو ادھر کھینچ کے باندھے
وہ راہ میں ہمت کی کمر کھینچ کے باندھے

اے ہم نفسو کہہ دو یہ جراح کو میرے
پٹی نہ سر زخم جگر کھینچ کے باندھے

جاتا ہے اڑا زاغ نظر تا سر افلاک!
اس کے کوئی کس طرح سے پر کھینچ کے باندھے

مکا مرے دل پر لگے ہے اس سے یہ کہہ دو
جوڑے کو نہ وہ رشک قمر کھینچ کے باندھے

آ جائے نظر ابر کا ٹکڑا ابھی خورشید!
تو پیٹھ پر اپنے جو سپر کھینچ کے باندھے

پھر کون چھڑا سکتا ہے دل کی میری مشکیں
تو طرہ مشکیں سے اگر کھینچ کے باندھے

ڈرتا ہے نزاکت سے مرا دل اسے کہہ دو
تعویذ نہ یوں بازوؤں پر کھینچ کے باندھے

جو تارک دنیا ہو کمر کھول کے بیٹھے
لازم ہے سپاہی کو کمر کھینچ کے باندھے

پڑ جائیں نزاکت سے نشاں کیوں نہ جبیں پر
دستار کو وہ جب کہ ظفر کھینچ کے باندھے

ہوتے ہوتے چشم سے آج اشکباری رہ گئی
آبرو بارے تری ابر بہاری رہ گئی

آتے آتے اس طرف ان کی سواری رہ گئی
دل کی دل میں آرزوئے جاں نثاری رہ گئی

ہم کو خطرہ تھا کہ لوگوں میں تھا چرچا اور کچھ
بات خط آنے سے تیرے پر ہماری رہ گئی

ٹکڑے ٹکڑے ہو کے اڑ جائے گا سب سنگ مزار
دل میں بعد از مرگ گر کچھ بے قراری رہ گئی

اٹھ چلیے اک میں جو خاک میں ڈھونڈے کوئی
خاکساری خاک کی گر خاکساری رہ گئی

آؤ گر آتا ہے کیوں گن گن کے رکھتے ہو قدم
اور کوئی دم کی ہے یاں دم شماری رہ گئی

ہو گیا جس دن سے اپنے دل پر اس کو اختیار
اختیار اپنا گیا بے اختیاری رہ گئی

جب قدم اس کافر بدکیش کی جانب بڑھے
دور پہنچے سو قدم پرہیزگاری رہ گئی

کھینچتے ہی تیغ ادا کے دم ہوا اپنا ہوا
آہ دل میں آرزوئے زخم کاری رہ گئی

اور تو غم خوار سارے کر چکے غم خوارگی
اب فقط ہے ایک غم کی غمگساری رہ گئی

شکوہ عیاری کا یاروں سے بجا ہے اے ظفر
اس زمانے میں یہی ہے دم یاری رہ گئی

شاخِ مژگاں میری کب اشکوں سے تر پانی میں ہے
یہ عشق البحر کا دیکھو شجر پانی میں ہے

جوش گریہ نے مرے کھینچا یہاں تک بار چشم
گنبد نیلی برنگ نیلوفر پانی میں ہے

بحر و بر خالی نہیں گردش زدوں سے دیکھ لو
ہے جو خشکی میں بگولا تو بھنور پانی میں ہے

آتش دل سے ڈر میرے سمندر اس قدر
جا چھپا مانند ماہی اپنا گھر پانی میں ہے

دیکھ کر تیرے لب و دنداں کو مارے شرم کے
لعل پتھر میں چھپا جا کر گہر پانی میں ہے

میری آہ و اشک سے چرخ و زمیں کا ہے یہ حال
وہ ادھر آتش میں ہے اور یہ ادھر پانی میں ہے

عشق میں اس سنگدل کے اس قدر رویا ہوں میں
کوہ بھی اشکوں سے میرے تا کمر پانی میں ہے

آئینے میں اس کے روئے آتشیں کو دیکھنا
کیا تماشا ہے کہ آتش جلوہ گر پانی میں ہے

سینے میں صافی دلوں کے کب ہے تاب حسن دوست
عکس خورشید درخشاں اے ظفر پانی میں ہے

جدھر آنکھ پڑتی ہے تو روبرو ہے
ترا جلوہ سب میں ہے سب جائے تو ہے

رکھوں آئنہ کیوں نہ پیش نظر میں
مری آرزو میرا آئینہ رو ہے

مری چشم میں کیا ہے؟ تیرا تصور
مرے دل میں کیا ہے؟ تری آرزو ہے

بدن میں مہک ہے تری یاسمن کی
تری زلف مشکیں میں عنبر کی بو ہے

صدا پردہ ساز کی یہ نہیں ہے
کوئی پردے میں کر رہا گفتگو ہے

کوئی چھوٹتا ہے یہ دامن سے قاتل
شہید محبت کا آخر لہو ہے

ظفر آپ کو ڈھونڈ مت ڈھونڈ اس کو
وہ تجھ میں ہے جس کی تجھے جستجو ہے

عشق میں کیا ہم بھی اے تقدیر سیدھے ہو گئے
کتنے اس قالب میں ٹیڑھے تیر سیدھے ہو گئے

آتش سوزاں نے میرے کر دیا آہن کو موم
کھل کے میرے حلقہ زنجیر سیدھے ہو گئے

تو ہوا ہم سے نہ سیدھا اور دست شانہ سے
بال بل کھائے ترے تصویر سیدھے ہو گئے

کج ادائی سے تری قاتل تعجب ہے مجھے!
تن پہ میرے کیوں خط شمشیر سیدھے ہو گئے

چرخ ٹیڑھا ہی رہا اور سیکڑوں بانکے جواں
ٹیڑھے ہو کر زیر چرخ پیر سیدھے ہو گئے

راستی پر کس کی قامت کے ہوا جو بعد مرگ
دست و پائے عاشق دلگیر ہو گئے

سرنوشت اپنی نہ بدلی اور خط معکوس کے
حرف جو الٹے ہوئے تحریر سیدھے ہو گئے

سیدھے ہو وہ آئیں گے گر یہ طالع واژوں مرے
اک ذرا اے آہ بے تاثیر سیدھے ہو گئے

میری سیدھی بات پر ہوتے ہیں ٹیڑھے اے ظفر
جب کہ ٹیڑھی میں نے کی تقریر سیدھے ہو گئے

شمع رو جس کو ترے وصل کی لو ہووے گی
اس کو پروانہ صفت کچھ تگ و دو ہووے گی

چاندنی اس کی بنی ہے جو مصور تصویر
شکل ابرو کی جبینِ مہِ نو ہووے گی

عقل و ویں ہوش و خرد عشق میں ہم بیچ چکے
جنس دل ایک رہی ہے سو گرو ہووے گی

دیکھا دانہ نہ بو تخم کوئی کے سوا
کہ کبھی کشت عمل تیری درو ہووے گی

لاکھ تم منع کرو جب کہ بھر آئے گا یہ دل
ناصحو آنسوؤں کی چشم میں رو ہووے گی

سنتے ہیں ان کی رقیبوں سے ہوئی جب خفگی
ہے یقین لوگ جو یوں کہتے ہیں تو ہووے گی

اے ظفر ہے زباں خلق کی نقارۂ حق
یعنی وہ بات کہیں گے جسے سو ہووے گی

عجب کیا گرچہ دریا صرف ساغر ہو تو پی جائے
یہ ہے آشام دریا کیا سمندر ہو تو پی جائے

اگرچہ آب تیغ یار آب زندگانی ہے
پئے پر کس طرح عاشق میسر ہو تو پی جائے

جو آنسو چشم میں بھر لاؤں تو ہنس کر وہ کہتا ہے
کہ کہہ دو آبرو کا اپنی گوہر ہو تو پی جائے

ترے جاں سوختہ کی خاک ہے وہ تشنہ باراں
کہ گر اک قطرہ سو دریا کے ہمسر ہو تو پی جائے

طبیب درد دل تو ہو تو ظالم تلخ دارو دے
ترے آنسو سے کوئی زہر بھی گر ہو تو پی جائے

جو ہووے تشنہ بوسہ ترے چاہ زنخداں کا
بھلا انصاف کر وہ آب کوثر ہو تو پی جائے

سبیل عشق پر ہر دم یہی آواز سنتا ہوں
کسی کو تشنگی آب خنجر ہو تو پی جائے

سکندر پی سکے اے خضر کیونکہ آب حیواں کو
نصیب اس کا تیری سا سکندر ہو تو پی جائے

کہے کھول کر وہ زلف اپنی ساغرے میں
کوئی آشفتہ زلف معنبر ہو تو پی جائے

نمک اب اس قدر مت جان جشنے کو محبت کے
دلا تو ایک کیا گر ایک لشکر ہو تو پی جائے

کہیں ہیں جس کو حب جاہ تیغ تشنہ خوں ہے
عزیزو با اگر خون برادر ہو تو پی جائے

ظفر غصے کو دل میں کون پی سکتا ہے کیا قدرت
کسی کا ظرف تیرے ہی برابر ہو تو پی جائے

اک نگہ دیکھ نگارا مجھے
کم نگہی نے مارا مجھے

شربت دیدار کی امید پر
تلخی ہجراں سے گوارا مجھے

اس نے پکارا تھا کسی اور کو
میں نے یہ جانا کہ پکارا مجھے

خال رخ یار کا سرگشتہ ہوں
لایا ہے گردش میں ستارا مجھے

نفع کی امید تھی لیکن ہوا
زلف کے سودے میں خسارا مجھے

آج اگر آنکھ چرائی تو کیا
یاد ہے وہ کل کا اشارا مجھے!

سیر دو عالم سے غرض کچھ نہیں
ایک تصور ہے تمہارا مجھے!

ہوتے ہو اک بات پر تم کیوں خفا
حال ابھی کہنا ہے سارا مجھے!

ہم نفس و دلبر عیسیٰ نفس
کیوں نہ لگے دل سے پیارا مجھے

جس نے کہ ٹھکرا کے مری نعش کو
زندہ کیا آج دوبارہ مجھے

سچ تو ظفر یوں ہے کہ جز فخر دیں
اور نہیں کوئی سہارا مجھے

مریض عشق ترا کیا دوا سمجھ کے پیے
جو گھونٹ زہر کے آب بقا سمجھ کے پیے

جگر کے کرتے ہیں ٹکڑے یہ پارۂ الماس
پیے جو اشک کوئی مبتلا سمجھ کے پیے

کہاں نصیب کہ قلیاں ہمارے ہاتھوں سے
ہمیں بھی اپنا کوئی آشنا سمجھ کے پیے

مرے لہو کا وہ پیاسا ہے پر اسے کہہ دو
یہ خون سوختہ جاں ہے ذرا سمجھ کے پیے

شراب عشق سے کیفیت فنا کے لیے
وہ دیکھے آپ کو جو یاں فنا سمجھ کے پیے

تمہارے تشنۂ بوسہ کو دیں جو شربت قند
تو ہے یقین کہ نہ وہ بے مزا سمجھ کے پیے

تمہارے پاؤں بھی دھو کے پیے یہ عاشق زار
پر اس کو فائدہ کیا اور کیا سمجھ کے پیے

نہ اس کو فہم کلام اور نہ تجھ کو ضبط کلام!
کہو ظفر سے پیے گر نشہ سمجھ کے پیے

آنکھ دیدار کی بندوق دکھا تو دابے
کیا کرے دشت میں گر کان نہ آہو دابے

لوٹے مرا دل بے تاب ترے پاؤں پہ حیف
رحم آئے نہ تجھے پاؤں تلے تو دابے!

سر مژگاں پہ کہاں ٹھہر سکیں پارۂ دل
کہ چلے آتے ہیں بے ساختہ آنسو دابے

نبض دیکھے ترے بیمار محبت کی اگر
انگلی دانتوں کے تلے اپنی ارسطو دابے

قسمت اس صید ستم دیدہ کی جس کو دم ذبح!
چڑھ کے سینے پہ وہ قاتل تہ زانو دابے

پنجۂ شانہ کے قائل ہوں سازی کا
تل ہے افسوں کر ترے سافتی گیسو دابے

اگیں سبزے کی جگہ خاک سے پھر نشتر خار
اپنے مجنوں کی جو تو فصد کا لوہو دابے

جو کہ ہے خاک نشیں اور ہے میخانہ ظفر
مسند جاہ پہ جمشید کے پہلو دابے

کہ ان کے دیکھتے ہی اپنی حالت ایسی ہوتی ہے
کہ سب کہتے ہیں توبہ ہائے چاہت ایسی ہوتی ہے!

دکھا دے باغ میں گل رو رگ گل کو کمر اپنی
کہ نازک اس کو کہتے ہیں نزاکت ایسی ہوتی ہے

نہ رکھے دل میں صاف خوب وحشت سب منہ پہ
بجز آئینہ کس کی صاف طینت ایسی ہوتی ہے

مے گلگوں بلوریں جام میں وہ بھر کے کہتے ہیں
نشے میں اپنے بھی چہرے کی رنگت ایسی ہوتی ہے

نہ ہوتا اس کا پاس آبرو تو ابر سے کہتے!
کہ گریہ اس طرح کرتے ہیں رقت ایسی ہوتی ہے

غبار آلودہ خط سے رخ کا آئینہ ہوا دیکھا!
کہ دکھی دل میں عاشق کے کدورت ایسی ہوتی ہے

دکھا کر وہ مجھے تصویر مجنوں کی یہ کہتے ہیں
کہ جو ہوتے ہیں عاشق ان کی صورت ایسی ہوتی ہے

اٹھا جو برقع فانوس منہ سے شمع محفل کے
ہوا پروانہ جل کر خاک غیرت ایسی ہوتی ہے

ظفر مت پوچھو جو کچھ ہم میں ان میں ربط ہے باہم
کہ نے یار ایسے ہوتے ہیں نہ الفت لیسی ہوتی ہے

اگر غفلت کا پردہ ہم اٹھاتے اپنی آنکھوں سے
تو جو واں دیکھتیاں دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے

ہمیں رونے سے تو کیوں روکتا ہے دمبدم ناصح!
تجھے کیا ہم ہیں اشکِ خوں بہارتے اپنی آنکھوں سے

بلا سے آپ ہی پیغامبر ہم اپنے ہو جاتے
کہ جاتے واں اور اس کو دکھاتے اپنی آنکھوں سے

ملائیں گے نظر کس سے کہ وہ بے دید ہیں ایسے
نہیں آئینے میں آنکھیں ملاتے اپنی آنکھوں سے

شبِ فرقت ہمیں اے آسماں آنکھیں دکھاتا ہے
ستارے یہ نہیں ہم کو ڈراتے اپنی آنکھوں سے

بہ رنگِ اشک سرمہ آلودہ ہم اب اے سیہ بختی!
نظر کس کی چڑھیں ہیں سب گراتے اپنی آنکھوں سے

تمہاری شوخ چشمی سے بچے آہو نہ کیوں تکتے
کہ تم انساں کو وحشی ہو بناتے اپنی آنکھوں سے

جو وہ آنکھوں میں آیا کون اس کو دیکھ سکتا تھا
قسم آنکھوں کی ہم اس کو چھپاتے اپنی آنکھوں سے

ظفر گریہ ہمارا کچھ نہ کچھ تاثیر رکھتا ہے!
انہیں ہم دیکھتے ہیں مسکراتے اپنی آنکھوں سے

آنکھ اس قاتل کی سو باری دمِ کشتن پھری
پر نہ زیرِ تیغ اس سرباز کی گردن پھری

صید گہ میں جب سواری تیری صید افگن پھری
رہ گئی ہر صید کی تیری طرف گردن پھری

ہو چکا موسم خزاں کا آئی گلشن میں بہار
کیا تری تقدیر پھر اے طائرِ گلشن پھری

لگ چکا ٹانکے مرے زخمِ جگر پر چارہ گر!
بخت کی گشتگی سے آگے ہی سوزن پھری!

جوں نظر تیری پھری ہم کو ہوا عین الیقیں
کچھ طبیعت دوستوں سے تیری اے دشمن پھری

کوئی گل ایسا نہ پایا جس میں ہو بوئے وفا!
ڈھونڈتی ہر چند بادِ صبح سو گلشن پھری

ہے یہ خوبی بخت برگشتہ کی جو یوں مجھ سے آہ
صف کی صف مژگاں کی تیری اے بتِ پرفن پھری

خاک مجنوں سے ہوئی اتنی مکدر تو صبا!
مدتوں صحرا بصحرا جھاڑتی دامن پھری

تیری جانب سے ظفر شاید دل اس کا پھر گیا
ورنہ کیا باعث کہ آتے ہی نظر چتون پھری

ظاہر ہیں کیا ظہور کے مظہر نئے نئے
جلوے ہیں اس کے پردے کے اندر نئے نئے

ہوں زخم میرے دل پہ نہ کیوں کر نئے نئے
اور امتحاں وہ کرتے ہیں خنجر نئے نئے

صیاد یا اسیر نئے ہیں تو کیا کریں
ہیں دام میں پھنسے ابھی آ کر نئے نئے

ناز و ادا و غمزہ تو ہیں شیوہ قدیم
انداز ان کے اور ہیں اکثر نئے نئے

جن جن کے یہ پرانے پرانے ہیں مقبرے
تھے ان کے واسطے بھی یہاں گھر نئے نئے

دل ٹوٹے محتسب کا الٰہی کہ اس نے آج
کیا بت کدے میں توڑے ہیں ساغر نئے نئے

آغازِ خط سے کیا ہی نکالے ہیں دیکھنا
طوطی باغِ حسن نے یہ پر نئے نئے

کل ٹکڑے ٹکڑے خط کو کیا نامہ بر کو آج
کترے ہے روز گل پہ ستم گر نئے نئے

اک داغِ دل کا کہنہ ہوا ہے تو پھر بھرے
پیدا ہزار داغ جگر پر نئے نئے

کرتی ہے تازہ فتنہ بپا گردشِ فلک
لاتی ہے ہم سے روز یہ چکر نئے نئے

اک دل ہے اس کو دیجیے کس کس کو اے ظفر
آتے نظر ہیں سیکڑوں دلبر نئے نئے

عجب سا کب خط رخسارہ دلبر کے نیچے ہے
لیے بیٹھے کو طوطی اپنے بال و پر کے نیچے

تصور اس کی مژگاں کا مجھے سونے نہیں دیتا
بچھا دیتا کوئی نشتر مرے بستر کے نیچے ہے

طلب کرتا ہے آب خضر آب تیغ قاتل ہے
غرض جو سبز بخت اس گنبد اخضر کے نیچے ہے

بنایا خال عارض کے تلے حق اس نے کاجل کا
ہوا پیدا اک اختر اور اس اختر کے نیچے ہے

ہوائے جیسا شاخ گل ہلے اس طرح سینے میں
کف ساقی کو رعشہ دمبدم ساغر کے نیچے ہے

مری آواز زیر بام سنتا ہے تو پھر وہ بیں
اتر جاتا وہ کوٹھے سے بہانہ کر کے نیچے ہے

قلق سے دمبدم گردن تڑپے صید محبت کی
کبھی شمشیر کے اوپر کبھی خنجر کے نیچے ہے

خیال بالش سے پرپری رونیند اڑتی ہے
ترے جو آستاں کا سنگ میرے سر کے نیچے ہے

ظفر شیریں سنگین دل سے کیا چالاک دستی ہے
کر دست کوہ کن تو دب گیا پتھر کے نیچے ہے

کس کے ابرو کی مری تصویر آنکھوں میں پھری
میل سرمہ کی جگہ شمشیر آنکھوں میں پھری

اس پری رخسار نے کھولی جو اپنے منہ پہ زلف
وحشیوں کی صورت زنجیر آنکھوں میں پھری

خواب میں دیکھا کیا میں قصر جنت رات بھر
اس کے گھر کی جو مری تعمیر آنکھوں میں پھری

صبح کیا خورشید سے بھی بھر گئی میری نظر
جب کہ اس کی شکل پر تنویر آنکھوں میں پھری

جب پھر آیا وہ شکار افگن کہ تکتے تکتے راہ
پتلی آنکھوں کی تری پھیر آنکھوں میں پھری

سبزہ خط دیکھ کر رخ پر ترے اے سرو ہر!
اک بہار گلشن کشمیر آنکھوں میں پھری

نالہ دل سے ظفر کے اک سلائی نیل کی
تیری آخر آسمان پھیر آنکھوں میں پھری

جہاں میں ہم تو غم آلودہ اک جہاں کے رہے
رہے اسی میں یہاں کے رہے نہ واں کے رہے

شب فراق نہ پوچھو کہ کس طرح گزری
ستارے گنتے ہم آنکھوں سے آسماں کے رہے

نہ عزم کعبہ کیا اور نہ قصد بت خانہ
کہ ہم تو خاک نشیں اس کے آستاں کے رہے

پہنچ گئے سر منزل تو ہم سفر اور ہم
بھٹکتے گرد و صفت پیچھے کارواں کے رکے

برنگ غنچہ تصویر کچھ نہ بولے ہم!
سدا خموش تصور میں اس دہاں کے رہے

غرض رہی نہ ہمیں کچھ بھی دین و ایماں سے
فریفتہ جو رخ و زلف پر بتاں کے رہے

ٹھکانا جب نہ رہا کوئے یار میں اپنا
تو اے ظفر یہ بتا ہم کو ہم کہاں کے رہے

ادھر تو موت کی خواہش میں بسمل ہاتھ ملتا ہے
ادھر کو نیم بسمل چھوڑا قاتل ہاتھ ملتا ہے

تمنا ہے جسے تیرے لب شیریں کے بوسے کی!
مگس کی طرح اے شیریں شمائل ہاتھ ملتا ہے

کسی کا دل جو لے کر اپنے تو ملتا ہے پاؤں سے
تو کیا کیا حسرتوں سے تیرا بیدل ہاتھ ملتا ہے

چلا محفل سے کس کو چھوڑ کر بیتاب تو ایسا!
کہ شعلہ شمع کا اے زیب محفل ہاتھ ملتا ہے

قدم اٹھتا نہیں جب ضعف سے ہمراہ ناقہ کے
تو مجنوں دیکھ کر کیا سوئے محفل ہاتھ ملتا ہے

کف افسوس تو ملتے ہیں ہم محو تصور میں!
فضائے شغل میں جس طرح شاغل ہاتھ ملتا ہے

ہوا سے برگ گل ملتے نہیں اے غیرت گل اب
چمن میں گل بھی تجھ پر ہو کے مائل ہاتھ ملتا ہے

رکھا ہے عشق میں اس راہ پر ہم نے قدم اپنا
کہ جس رہ میں خضر سا میر منزل ہاتھ ملتا ہے

دیا اللہ نے ایسا کمال عشق انساں کو!
فرشتہ دیکھ کر انسان کامل ہاتھ ملتا ہے

ظفر مشکل پسندی تیری سی اب کس کو آتی ہے
سخنور دیکھ کر یہ طرز مشکل ہاتھ ملتا ہے

دبائے دل کو جو مژگان یار ہاتھ سے
اچھل پڑے کہ یہ آیا شکار ہاتھ سے

دیا نشے میں جو گیسو کا تار ہاتھ سے
جھجھک کے بولے کہ شاید ہے مار ہاتھ سے

ہزار پھیریے ہاتھ اس رخ خط پر
کوئی مٹے ہے یہ خط غبار ہاتھ سے

کبھی رہے گی نشانی جو تم چھپاتے ہو!
رکھا ہے آپ نے چھلا تار ہاتھ سے

جدا نہ کیوں خط دنبالہ سے ہو دست مژہ
کھنچے ہے تیزی سے خنجر کی دھار ہاتھ سے

کسی کے عارض نازک پہ جیسے پھیرا ہاتھ!
لگے ہے چبھنا رگ گل بھی خار ہاتھ سے

فلک کے دست تصرف میں کہکشاں ہے یوں
عصا کو جیسے رکھے شہسوار ہاتھ سے

تونگروں میں بھی ہو وہ گدا نہ بالا دست
کہ ایک ہاتھ ہو جس کا ہزار ہاتھ سے

دکھائے دست حنائی جو وہ تو دیکھ بہار
ظفر ہے پیار کی رنگ بہار ہاتھ سے

جام چشم یار ہے ساغر کے درکار ہے
اور علاوہ اس کے گردن بھی صراحی وار ہے

سرمہ تحریر سے کب زیب چشم یار ہے
سرمگی ڈورے سے باندھا آہوئے تاتار ہے

مسجد و بتخانہ میں کیا فرق ہے دونوں ہیں ایک
ایک سے ہیں سنگ و خشت اور ایک سی دیوار ہے

ہے گلو گیر اپنی جس دن سے بتوں کی دوستی
تار اشک اپنے گلے میں رشتۂ زنار ہے

عشق کے آنے کو مانع ہے ہوس دل سے اٹھا
پہلے دروازے پہ دل کے یہی چوکیدار ہے

دیکھتا اس مہ جبیں کی مانگ بینی کے قریب
ملک دل کی سمت روئے اختر دمدار ہے

آمد و شد نے نفس کی دی ظفر ساری خبر
سوئے ہستی و عدم قاصد کے درکار ہے

کہیں کس وجہ ہم مشرب نہیں کچھ کام ان سے ہے
حوالے ان کے زلفوں کے ہے اپنا ملت ومذہب
رقیب اور ہم ہیں دونوں اس کو یکساں ہائے اے
قسمت
سمجھتے پند معزان جنوں ہیں کن کے سمجھائے
نہیں مہ چرخ پر نکلا چڑھے وہ اپنے کوٹھے پر
جو شکل طائر تصویر سب سے بے تعلق ہیں
بغیر ان کے کہاں بستر آرام پر راحت
کبھی ہم کو کبھی اوروں کو دیتے ہیں دلاسے وہ

ہو لڑنا م عالم میں ہمارا نام ان سے ہے
تعلق رکھتا اپنا کفر ور اسلام ان سے ہے
کہ الفت صبح ہم سے ہے محبت شام ان سے ہے
ارے ناصح تجھے یہ کیا خیال خام ان سے ہے
کہ یہ وحشی سی ہے کتنا رام ان سے ہے
نہ مذہب باغ ان سے ہے نہ مذہب دام ان سے ہے
مرے آرام جاں وہ ہیں مجھے آرام ان سے ہے
ادھر پیغام ہم سے ہے ادھر پیغام ان سے ہے

بھرے بیٹھے ہیں وہ غصے میں بوسے مانگتے ہو تم
ظفر شاید کہ تم کو خواہش دشنام ان سے ہے

جب کوئی کہتا ہے ہستی کو کہ ہستی خوب ہے
تو ہے اے ساقی نہیں پینے کا میں جام شراب
جس طرح چشم نگاں سے میری ہیں بندھے اشکوں کے
تار
خواب میں جلوہ دکھا دیتا ہے وہ مہوش کے
راہ بہتر ہے وہ ہموار رہرو کے لیے
خود پرستی چھوڑ دو یہ بت پرستی ہے صریح
ایک عالم کشتہ ابرو ہے اس سفاک کا
ملک دنیا کی تو آبادی ہے ویرانہ تھا

اس کی غفلت پر فنا اس وقت ہستی خوب ہے
مجھ کو اپنی بادہ وحدت کی مستی خوب ہے
اس طرح جھڑی نہیں کوئی برستی خوب ہے
چشم میری دیکھنے کو جب ترستی خوب ہے
نہ بلندی ہے بہت اچھی نہ پستی خوب ہے
غافلو حق میں تمہارے حق پرستی خوب ہے
ان دنوں میں چل رہی تیغ دو دستی خوب ہے
اور بستی ہے جہاں ایک خلق بستی خوب ہے

دین ودنیا دونوں ہوں قسمت محبت کی اگر
میں کہوں گا اے ظفر یہ جنس سستی خوب ہے

لوٹتا کیا دل پہ آہ آتشیں کا سانپ ہے
کہکشاں کا خط نہیں ہے جوش انجم میں نمود
سبز چوڑی ساعد نازک پہ اس گل کے نہیں
دیکھ کر آئینے میں وہ زلف کو چھٹنے لگے
بوسہ پیشانی کا لیں کیونکر کہ ڈر ہے جان کا
روزن تربت سے دل تنکوں کا کیا نکلے ہے دود

بلکہ راشک بھی اک آتشیں کا سانپ ہے
کنگروں میں یہ اژدہا چرخ بریں کا سانپ ہے
شاخ گل پر صاف لپٹا یاسمیں کا سانپ ہے
بند پانی میں پڑا اطراف کہیں کا سانپ ہے
کاٹنے کو دوڑتا ہے چین جبیں کا سانپ ہے
یہ کوئی کالا غضب بازار چیں کا سانپ ہے

اے ظفر سینہ پہ سینہ تو سمجھ کر ہو جیو
خط سلی صاف یہ اس نازنین کا سانپ ہے

تمہانہ عشق میں دل مائل پہ بن گئی
جی پر بھی وہ وہی بن گئی جو دل پہ بن گئی

دل ہی سے پوچھو عشق میں جو دل پہ بن گئی
بسمل ہی جانتا ہے جو بسمل پہ بن گئی

کیوں سوچ گل سے پائے نہ زنجیر سے بہا
دیوانہ کس کے حسن و شمائل پہ بن گئی

خوش ہے جسے کہ غم نہیں انجام کار کا
اندیشہ مال میں عاقل پہ بن گئی

برپا ہو کیوں نہ خانہ زنداں میں روز غل
میرے جنوں سے اب تو سلاسل پہ بن گئی

پہنچی نہ رفتگان عدم کی جو کچھ خبر
کیا جانے کیسی جاتے ہی منزل پہ بن گئی

ناخن پہ دفتہ رفتہ تیری سرخی حنا
تصویر ماہ نو مہ کامل پہ بن گئی

پتھر کے دل میں بیٹھ گیا نقش کوہ کن
شیریں کی صورت اس سے نہیں سل پہ بن گئی

تزئین جو دی وفا نے تو میرے لہو کی چھینٹ
بوٹی سی ایک دامن قاتل پہ بن گئی

ہستی کے باغباں کی ظفر پوچھتا ہے کیا
جو کچھ چمن میں جان عنا دل پہ بن گئی

گلشن دل سے جو کچھ گل چیدہ چیدہ آئیں گے
لخت دل یا قطرہ خون چکیدہ آئیں گے

دل میں ہے کیا کیا کدورت پر وہ منہ پر دیکھنا
آئنے کی طرح ہو کر صاف دیدہ آئیں گے

وحشیوں کو اپنے رکھ دام گر رم کر گئے
ہاتھ تیرے یہ نہ آ ہوئے رمیدہ آئیں گے

منت خنجر نہ کھینچیں گے ترے سرباز عشق
مثل ماہی صید گر میں سر بریدہ آئیں گے

میں نہ ہوتا ان کا خاک رہ جو ہوتی یہ خبر
خاک پڑی میری وہ دامن کشیدہ آئیں گے

اس چمن میں مثل نرگس آنکھ ہووے گی جنہیں
جب یہاں آئیں گے وہ گردن خمیدہ آئیں گے

اے ظفر جس دم کی آمد غم دل دار کی
پہلے استقبال کو آنسوئے دیدہ آئیں گے

ہم بتوں کو اپنے جذب دل سے کھینچ جائیں گے
پر بڑے پتھر ہیں یہ مشکل سے کھینچ جائیں گے

بھاگ کر جائیں گے محفل سے ہماری وہ کہاں
ہوں گے جس محفل میں اس محفل سے کھینچے جائیں گے

ایک نقشہ اس کے کاشانے کا کھینچا جائے گا
سینکڑوں نقشے مہ کامل سے کھینچ جائیں گے

لکھتے جو حرف انانیت ہیں وہ منصور دار
دار پر اس حرف لاطائل سے کھینچ جائیں گے

کشتہ کیوں ہوتے ترے عشاق گر یہ جانتے
لاشے آخر کوچہ قاتل سے کھینچ جائیں گے

ہاں مدد کر جذبہ الفت وہ دیکھیں کب تلک
آپ کو دور اپنے اس مائل سے کھینچے جائیں گے

اے ظفر ان کو طپش دل کرے ہی گی اثر
ہم جو یوں نالے دل بسمل سے کھینچے جائیں گے

کہاں خلقت عزیز و زیر چرخ پیر پھرتی ہے
یہ فانوس خیالی میں ہر ایک تصویر پھرتی ہے

نہ چرخ ایسا ہوں نے بھنور ہوں نے بگولا ہوں
مجھے تو کیوں لیے اے گردش تقدیر پھرتی ہے

نہ چھوڑا ساتھ مر کر بھی کہ تیری ساتھ ہے لپٹی
ہر اک سائے پہ روح عاشق دلگیر پھرتی ہے

ہوئی ہے جوش گل سے جوش وحشت اس قدر پیدا
کہ ہر موج ہوا پہنے ہوئے زنجیر پھرتی ہے

تمہیں آتا ہے نظر چرخ خواب اے غافلو کیونکر
کہ شب کو کہکشاں کھینچے ہوئے شمشیر پھرتی ہے

اترتے ہیں گلے میں گھونٹ آب زندگانی کے
چھری جب حلق پر قاتل دم تکبیر پھرتی ہے

ظفر کو منزل مقصود تقدیر لے پہنچی
کدھر بھٹکتی ہوئی سی عقل بے تدبیر پھرتی ہے

جستجو اب اور ہے تدبیر پہلے اور تھی
گفتگو اب اور ہے تقدیر پہلے اور تھی

میں کروں کیوں کر نہ اپنے نالہ ہائے دل کو ضبط
اور ہے تاثیر اب تاثیر پہلے اور تھی

روز روز وصل تھا یا اب شب ہجراں ہے روز
یا الٰہی کیا مری تقدیر پہلے اور تھی

زلف سے چھٹ کر ہوا دل خط کے حلقے میں اسیر
طوق ہے پیچھے ہوا زنجیر پہلے اور تھی

میرے دل نے کر دیا مجھ کو سبک یاں ورنہ یار
تیری محفل میں مری توقیر پہلے اور

خاک ہو کر عشق میں ہم ہو گئے اکسیر آپ
ورنہ ہم کو خواہش اکسیر پہلے اور تھی

اس بنا کا کیا بھروسہ ہے کہ منعم جہاں
ہے تری تعمیر واں تعمیر پہلے اور تھی

ہو گئی قسمت سے میری کند تیرے وقت قتل
تیرا اے قاتل تری شمشیر پہلے اور تھی

دیکھ کر ہم کو ظفر بدلا ہے تو نے یہ ورق
ورنہ تیرے ہاتھ میں تصویر پہلے اور تھی

بھوں کی جنبش سے اگر چین جبیں مل جائے گی
چین کی بھونچال سے یکسر زمیں مل جائے گی

پردہ کھل جائے گا مردم گریہ خاموش کا
چشم تر پہ ہے جو میری آستیں مل جائے گی

شمع سوز عشق میں ہر چند ہے ثابت قدم
دیکھ کر پہ میری آہ آتشیں مل جائے گی

تاب عارض سے ترے بجلی سی ایک جاوے گی کوند
غرفے سے چلمن جو اے پردہ نشیں مل جائے گی

مضطرب دل کو نہ کر تا دور کی سوجھی تجھے
کیونکہ ٹھہرے گی نظر گر دوربیں مل جائے گی

سلک باریک روئے منہ پہ موج دود دل
گر ہوا سے رخ پہ زلف عنبریں مل جائے گی

لی جو زیر خاک کروٹ عاشق بیتاب نے
بیخ خار اے دل اندوہگیں مل جائے گی

دیکھنا کیا کیا جھڑیں گے پھول اشکوں کے اگر
شاخ مژگاں گر تیری اے مہ جبیں مل جائے گی

اب تو پھڑکے ہے قفس میں بلبل تازہ اسیر
کوئی دن کو دیکھنا اس کو یہیں مل جائے گی

اے ظفر زیر و زبر ہوگا دو عالم دیکھنا
گر صف مژگان چشم خشمگیں مل جائے گی

اب نازونگہ در پہ آزاد ہیں دونے
بیمار تری آنکھوں کے بیمار ہیں دونے

کس دن ہوئے سیراب ترے چاہ ذقن سے
ہم روز ترے تشنۂ دیدار ہیں دونے

جوں جوں کہ انہیں پیار جتاتا ہوں میں اپنے
ہوتے مری صورت سے وہ بیزار ہیں دونے

گن ان کی برابر ستاروں کو فلک کے
سینے کے میرے داغ نمودار ہیں دونے

بدمست رہیں میکدۂ عشق کے مے خوار
بیہوشی میں تو اور بھی ہشیار ہیں دونے

بہتر شکر سے کسے کام کہ اس سے
شیریں ترے لعل شکربار ہیں دونے

فراط غم و رنج جدائی میں نہ پوچھو
شب چو گئے ہیں دن کو اگر یار ہیں دونے

زلفوں سے تری ہووے گا سودا دل کا
۳۱ جنس کے دام اب مجھے دکانیں دونے

جتنی کہ ہے کمیاب ظفر جنس محبت
ہم اپنے ہی اور اس کے خریدار ہیں دونے

جان دے اپنی جو ماہ تمکیں کے واسطے
چادر مہتاب ہو اس کے کفن کے واسطے

اس قدر ہے لاغری اس خستہ تن کے واسطے
کم نہیں اک برگ گل دو پیرہن کے واسطے

واسطے اس جنبش مژگاں کے جو ہے نوک جھونک
وہ کہاں ہے نیزہ بازاں دکن کے واسطے

چین ابرو پر تری کافر نہیں کچھ خوشنما
چین زیبا ہے تو زلف پر شکن کے واسطے

ہوں تو نخل بے ثمر جوں سرو میں اے نخل بند
پھر لگا رکھا تو مجھے زیب چمن کے واسطے

اگر جادو تو اس کے چشم جادو کے لیے
سحر ہے تو اس نگاہ تیغ زن کے واسطے

خاک سے اشک چکیدہ کی طرح اٹھتا ہے کب
خاک غربت ہے وطن جس بے وطن کے واسطے

ہر شرار سنگ توڑے عشق سے ہے اک چراغ
چاہیے کیا شمع گور کوہکن کے واسطے

نہ بہر وقت آخر' چار عنصر شش جہت
اے ظفر جو کچھ بنا سو پنج تن کے واسطے

کسی عاشق کا تر اشکوں سے یہ خواب دیدہ ہے
گل نرگس جو شبنم سے چمن میں آب دیدہ ہے

بجائے کہ بارہ بھر کر خون دیکھتا ہوں آنکھوں میں
کہ دل شیشہ ہے اور جام شراب ناب دیدہ ہے

مرے اشکوں کا دریا کر رہا تی ہے طغیانی
نظر آتا ہر رنگ حلقہ گرداب دیدہ ہے

نہ آیا ماہ وش اور انتظار اس کا کیا یاں تک
سفید اپنا ہوا یاں صورت مہتاب دیدہ ہے

دل بیتاب سے میرے جو ہمسر ہو کے اڑتا ہ
ہوائی ہو گیا کیوں تیرا اے سیماب دیدہ ہے

نہ پوچھو شوق دیدار اس پری وش کا کہ آنکھوں میں
ہر ایک اشک اور ہر اک قطرہ خوناب دیدہ ہے

سیاہی مردمک کی داغ لالہ سے مشابہ ہے
کہ ہر ایک لخت دل مرغاب ہے تالاب دیدہ ہے

ہمارا جوش گریہ بھی عجب بارو تماشا ہے

ظفر اس کی جدائی میں ہے یہ حال دل و دیدہ
کہ رہتا رات دن بیتاب دل بیتاب دیدہ ہے

کہاں ہے چشم میں دنبالہ اس ترک پری رو کی
نکل آئی زباں ہے منہ سے باہر مست آہو کی

کرے صدقے ہلال عید کو ہو کر بلا گرداں
فلک پر چھائیں بھی دیکھے گر ان رخسار و ابرو کی

پھپھولے اشک شوریدہ سے ہوں کیونکر نہ کانٹوں پر
نہیں تیزاب سے کم کچھ ہماری بوند آنسو کی

خدا گویائی دے گر رات دن کو تو قسم کھائیں
تمہارے عارض پر نور کی اور تاب گیسو کی

مقرر اس کو کاٹا ہے مرے سالے کے افعی نے
کہ جس کے زہر سے نیلی ہے رنگت چرخ مینو کی

طبیبو گلخلخے کے واسطے مجھ کو سنگھاتے ہو
مری تفریح کو کافی ہے بو زلف سمن بو کی

برنگ نقش تصویر گلشن مجھ کو حیرت ہے
اگر تصویر دھروں باغ میں میں اپنے گلرو کی

عجب کیا وہ نگاہوں میں جو تو نے ایک عالم کو
بعینہ چشم و ابرو ہیں وہ ہم صورت ترازو کی

نہیں کوئی عزیز اصلا سوائے رب عزت کے
سفید اب ہو گئی رنگت عزیزوں کے ہے لوہو کی

خموشی بے سبب تیری نہیں ہے اے ظفر اتنی
مگر تو چپکے چپکے دیکھتا ہے بات قابو کی

ڈبوتا چہ رخ کا کیا چشم نم پیچھے نہیں پڑتے
کسی کے دھوکے اتنے ہاتھ ہم پیچھے نہیں پڑتے

وہ کس دن لے کے شمشیر ستم پیچھے نہیں پڑتے
پر اپنے عشق میں بڑھ کر قدم پیچھے نہیں پڑتے

بھویں تو ہو نہ غصے میں ہمارا دم نکلتا ہے
کسی کے لیکے یوں تیغ دو دم پیچھے نہیں پڑتے

خوشی سے دے اگر بوسہ تو بہتر ہے مروت میں
وگرنہ ہم ترے سر کی قسم پیچھے نہیں پڑتے

ستم تیرے کہاں تک سہئے اپنی جان جاتی ہے
کسی کی جان کے اے پرستم پیچھے نہیں پڑتے

اٹھاتے ہیں وہ مجھ پر تیغ جل کر دست نازک سے
کبھی منہ پر کسی کے خم بہ خم پیچھے نہیں پڑتے

تمہارے پاس رسوائی سے میں نالہ نہیں کرتا
وگرنہ کب مرے درد و الم پیچھے نہیں پڑتے

ترا وحشی ترے کوچے کے ویوں گرد رہتا ہے
سمجھ کر لوگ اے صید حرم پیچھے نہیں پڑتے

یہ دل شیشے سے بھی نازک ہے ناحق ٹوٹ جائے گا
بہت اے عشق لے کر سنگ غم پیچھے نہیں پڑتے

ہوئے جاتے ہیں یکقد داغ چرخ اے عشق دل ہی میں
جگر کو دوں کہاں سے کچھ درم پیچھے نہیں پڑتے

کہاں طاقت پڑے سد جے ترے دلگیر کے آگے
کبھی دیوار کے بھی اے صنم پیچھے نہیں پتے

غزل یہ ایک کیا کتنی ہی ایسی پھینک دیں لکھ کر
ظفر ہم لے کے قرطاس و قلم پیچھے نہیں پڑتے

یہ عکس زلف جاناں کب خط دلبر کے اوپر ہے
چمن میں لوٹتا کالا گیا ہتر کے اوپر ہے

یہ کب عکس مژگاں اس رخ دلبر کے اوپر ہے
یہ پرچھائیں چکوروں کی مہا نور کے اوپر ہے

کسی سرباز تشنہ لب کی آنکھ آب خنجر پر
نہیں ہے حلقہ جوہر ترے خنجر کے اوپر ہے

جگر کے آبلوں کی خیمہ گر کوئی تماشا ہے
عجب رونق پیارے غم کے اس لشکر کے اوپر ہے

دلوں میں بات یہ سنگین دلوں کے آہ رہتی ہے
کہ جیسے نقش آجاتا کوئی پتھر کے اوپر ہے

سر ہستی ہے شہرت حسن کے وہ داغ چیچک کا
دھرا طبل سکندر صدا سکندر کے اوپر ہے

لب رنگین پہ یوں ہے خال گویا چشم ساقی کا
یہ عکس مردمک جام مے احمر کے اوپر ہے

سر بینی کہاں ہے ابروؤں میں خال کا جل کا
ہلال آیا نظر مسجد میں یہ منبر کے اوپر ہے

تمنا تاج شاہی کی نہ کر ہے بوجھ دنیا کا
کلاہ ہمت سایہ حق اے ظفر بس سر کے اوپر ہے

دل کے ہمراہ مرے کیوں کہ نہ نکلیں آنسو
جو کہ مرتا ہے لنڈھا دیتے ہیں گھر کا پانی

زخمی اس تیغ نگہ کا ہے نہ مر جائے کہیں!
ہمدمو جلد کرو بند ظفر کا پانی

سبوئے چشم سے اپنی جو گر گیا پانی
تمام خانہ مردم پہ پھر گیا پانی!

صد آفریں ہے دلا تجھ کو چاہ میں اسکی
شناوری کے بزور اپنے سر گیا پانی

شکستہ قلبہ چشم اپنا ہو گیا شاید!
یہاں جو ہر بن مژگاں سے جھڑ گیا پانی

وہ ہے طلاطم امواج سیل اشک اپنا
کہ آبشار کا ہو منتشر گیا پانی!

نہ کیونکہ معرکہ عشق میں ہو تشنہ لبی!
عیاں ہے لشکر حسرت کا گھر گیا پانی

نہ نکلی مری خورشید رو سے بندہ سکے
رہا جو چشم سے میں منتظر گیا پانی

ظفر جہان میں اس کی ہی سرد مہری سے
پڑا ہے پالا اب ایسا کہ ٹھٹھر گیا پانی!

دکھ ہاتھ کو پہنچے گا نخچیر کے جھٹکے سے
کیوں صید کو جھٹکے ہے سرچہ کے جھٹکے سے

میں تیغ ادا کا ہوں کشتہ اے قاتل
مروا نہ کر لاشہ شمشیر کے جھٹکے سے

کاکل کی کشاکش سے ہے کام سدا دل کو
ڈرتا نہیں دیوانہ زنجیر کے جھٹکے سے

گر ہووے فلک پر وہ تو بھی اسے دھر کھینچیں!
ہم آہ کے رشتے کی تاثیر کے جھٹکے سے

تو تاج زر اپنے پر اے شمع نہ ہو نازاں!
کٹ جائے گا سر تیرا گلگیر کے جھٹکے سے

بچ ہم نہ سکے اسکی نظروں کے بس آگے سے
محفل میں ہمیں کھینچا صف چیر کے جھٹکے سے

سینے سے ظفر کے کیوں سوفار کو کھینچے ہے
ڈر ہے نہ نکل آوے دل تیر کے جھٹکے سے

چمن حسن کی رنگت گئی نازی بدلی!
گلبدن تو نے جو پوشاک پیازی بدلی!

منہ کیا کعبے کے رخ ابروئے جاناں نے پھیرا
جائے سجدے کی عبث تو نے نمازی بدلی

کیوں نہ اوراق دل اب میرے ہوں ابتر یکدست
گنجفے میں جو کچھ اس شوخ نے بازی بدلی

کوئی رکھتا ہے بھلا صاف دلوں سے بھی غبار
شیشہ گر کیا روش آئینہ سازی بدلی

ہم حقیقی سے سمجھتے نہ تھے کم تجھ کو اب
تیری تاثیر گئی عشق مجازی بدلی

گرچہ پروانہ ہوا رات کو دل سوزی سے
شمع محفل کے نہ پر دل کی گدازی بدلی

لکھ بہ تبدیل قوافی غزل اک اور ظفر
ہم نے سلک در مضموں کی درازی بدلی

شرط رونے کی جو اس چشم سے جھٹ پٹ بدلی
دل برسنے سے گھٹا کر گئی پھر ہٹ بدلی

اس نے شب کو یہ مرے ساتھ رکاوٹ بدلی
بائیں کوٹ سے نہ پھر داہنی کروٹ بدلی

ہمسری زلف پریشان سے کسکی اب ہے
ان دنوں آہ نہایت ہی گئی لٹ بدلی

آبرو تیری ابھی خاک میں مل جائے گی!
دیدۂ تر سے نہ روکش ہو پرے ہٹ بدلی

دیدۂ تر پہ مرے سایۂ مژگان کو دیکھا!
مردماں بولے کہ آئی شب پگھٹ بدلی

بندش اس رشک قمر کی کہوں کیا جوڑے کی
چاند کے پیچھے ہے مارے ہوئے جھرمٹ بدلی

پڑھ کے میں سورۂ اخلاص نہ دم کیوں تک کروں
روز اس مصحف رو کی ہے سجاوٹ بدلی

شوق سے گھر میں مرے رات کو آیا کہیے!
برق سی ہے یہ لیے ہاتھ میں ڈیوٹ بدلی

زلف اس رخ سے جو سرکی تو یہ سوجھا شب کو
اے ظفر مہ نکل آیا جو گئی ہٹ بدلی

عقل پر پڑ گئے اے بت ترے کیا پتھر تھے
مارنے شیشۂ دل ہی پہ ذرا پتھر تھے

میں کسی زلف سیہ فام کا دیوانہ تھا
زیر سر قبر میں بھی میرے بجا پتھر تھے

مر گئے ٹھوکریں کھا کھا کے ہزاروں عاشق
کوچۂ عشق میں معلوم ہوا پتھر تھے

شافع حشر ہمارا ہے وہ اعجاز نما
بولتے حکم سے جس کے نبدا پتھر تھے

سنگ دل آن کے دن بھی نہ پوچھا تو نے
سر عاشق تھا اور اس در پہ سدا پتھر تھے

صدمۂ عشق سے اپنا دل نازک نہ بچا
دل بتوں کے بھی جو دیکھے تو دلا پتھر تھے

اے ظفر مختلف القافیہ لکھ اور غزل
سنگلاخ ایسے یہ کیا شعر بھلا پتھر تھے

گویا ہوں وے اس بت بیباک میں دم ہے
ہاتھوں سے جدائی کے مرا ناک میں دم ہے

دم تیری ہی الفت کا بھرے جاؤں گا قاتل!
جب تک کہ مرے سینۂ صد چاک میں دم ہے

کیوں روتے ہو بالیں پہ مری آہ عزیزو
اب تک تو مرے دیدۂ نمناک میں دم ہے

دریائے محبت کے گئے ہم تو کنارے
میر اسا کہاں اب کسی تیراک میں دم ہے

ہم دعوئے صنعت کریں کس منہ سے کہ یارب
مدت سے تری کالبد خاک میں دم ہے

سوکوس مری خاک کو رہنا ہے ولیکن
اتنا ہی ترے توسن چالاک میں دم ہے

فروائے قیامت کا ظفر خوف نہ کر تو
ہر دم ترا یاد شہ لولاک ﷺ میں دم ہے

شبنم تری کب اشک فشانی سے بجھے ہے
کیا آتش گل ہے کہیں پانی سے بجھے ہے

کب حرص تری آب دم تیغ سے قاتل
میری فقط اس تشنہ دہانی سے بجھے ہے

بیمار ہوں یہ عشق میں مے خوار بسر کے!
پانی مرا لوہے کی نہانی سے بجھے ہے

کس طرح نہ بوسے لوں عزیزو کہ مری پیاس
چاہ ذقن یوسف ثانی سے بجھے ہے

درمان تپ عشق عزیزو نہ کرو تم!
دل کی تپش اس دلبر جانی سے بجھے ہے

سوزش کوئی جاتی ہے یہ میخواری کی دل سے
اے ابر تری فیض رسانی سے بجھے ہے

وہ ماہ لقا کیوں نہ ظفر ہو عرق آلود!
ہوتا ہے بھلا گرم تو پانی سے بجھے ہیا ے ظفر مختلف

کہوں کیا حال چشم و دل شکایت اس میں دو کی ہے
بیان عشق ہے مشکل شکایت اس میں دو کی ہے

جگر اور دل کی کیا پوچھے ہے بس یہ ذکر جانے دے
کہوں کیا خاک اے غافل شکایت اس میں دو کی ہے

الم اور غم سے جو گزرے جگر پہ نہ کھلواؤ!
نہ پوچھو آہ کیا حاصل شکایت اس میں دو کی ہے

کہوں کیا شمع و گل گیر کا مذکور میں تجھ سے!
سراپا شاہد محفل شکایت اس میں دو کی ہے

حقیقت ابرو و مژگاں کی اپنی پوچھ مت ہمدم!
نہیں لکھنے کے یہ قابل شکایت اس میں دو کی ہے

کیا جو تیغ و خنجر نے ترے سو دل ہی جانے ہے!
زباں سے کیا کہوں قاتل شکایت اس میں دو کی ہے

دلدار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے
اس یار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

ابرو کی دیکھی جنبش کہتا ہے چل پرے ہٹ
تلوار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

دیتا ہے گالیاں وہ میرے لہو کا پیاسا
خونخوار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

مطلب کے عرض پر وہ کیا کیا کرے ہے باتیں
تکرار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

منصور دار پر بھی کہتا رہا انا الحق!
سر دار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

لے نام اس کا مجھ کو غش میں کوئی پکارا
غمخوار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

دل لے کے جو کہے ہے تجھ سے نہ میں ملوں گا
عیار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

مے کے نشے میں بھی وہ بوسہ نہیں ہے دیتا
ہشیار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

سن کر غزل ظفر کی اہل سخن کہیں ہیں!
اشعار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

رخ پہ کیا زلف ترے غنچہ دہن چھوٹے ہے
ہم سیہ بختوں سے آخر کو وطن چھوٹے ہے

کیونکہ دل پنجۂ مژگاں سے رہائی پاوے
چنگل باز سے کب مرغ چمن چھوٹے ہے

کب تلک روئے گی دل سوزی پروانہ پر
کوئی اس دل کی لگن شمع لگن چھوٹے ہے

سچ ہے ہوتی ہے بری آہ عزیزو چاہت
آہ یوسف سے وہ کب چاہ ذقن چھوٹے ہے

روبرو اس بت کافر کے ہوائی شب پر
منہ پہ مہتاب کے اے چرخ کہن چھوٹے ہے

لاکھ تو مجھ سے نہ مل پر تری الفت واللہ
کب مرے دل سے بت عہد شکن چھوٹے ہے

رشک مہ شب کو ظفر سے ہے ملا مدت میں
کیوں تجھے دیکھ کے اے شمع جلن چھوٹے ہے

نے فقط کوہِ الم کا اس بدن پر بار ہے
کچھ تو اپنے دل پہ ہے کچھ اس کے تن پر بار ہے

کب عرق سے عارضِ غنچہ دہن پر بار ہے
قطرۂ شبنم سے کیا برگِ سمن پر بار ہے

کہہ دو شیریں سے کہ اپنا رکھ قدم تک آن کر
گل کے رکھنے سے مزارِ کوہکن پر بار ہے

جنبشِ ابرو ہی کافی ہے ہمارے قتل کو
تیغ کے لینے سے دستِ تیغ زن پر بار ہے

تجھ کو فرشِ چاندنی پر دیکھ کر اے رشکِ ماہ
پھر دکھاتا پنبہ چرخِ کہن پر بار ہے

بارِ اسبابِ جہاں سے کب ہے آزادوں کو کام
کس نے دیکھا گردنِ سروِ چمن پر بار ہے

دیکھ اے پروانہ دل سوز تیرے عشق میں
سر کا دینا کچھ نہیں شمعِ انجمن پر بار ہے

اے ظفر کب تک کہوں اس بیوفا سے بار بار
یاں تلک آنا بہت پیماں شکن پر بار ہے

کب سناں میں اور دلا مژگانِ تر میں فرق ہے
ایک سال بھی نہ جو اس کی نظر میں فرق ہے

تیرے ہی پرتو سے اس کی روشنی ہے رشکِ مہر
عارضِ تاباں میں ورنہ اور قمر میں فرق ہے

اپنے تو نزدیک اے یار دو یہ دونوں ایک ہیں
کون کہتا ہے کہ جان و جگر میں فرق ہے

کیوں نہ محرابِ عبادت اس کو ہم سمجھیں دلا
کیا خمِ ابرو میں اور مسجد کے در میں فرق ہے

جو اثر کرتی نہیں دل میں کسی کے ہم نشیں
ان دنوں کچھ آہ کی میرے اثر میں فرق ہے

جلد تر نامہ مرا لے جا تو اے پیکِ صبا
تیرے پہنچانے میں واں اور نامہ بر میں فرق ہے

جو حلاوت اس میں ہے وہ ذائقہ اس میں کہاں
اس لبِ شیریں میں اب اور نیشکر میں فرق ہے

اشک باری وہ کرے رو رو کے پیالے بہائے
ابرِ دریا بار میں اور چشمِ تر میں فرق ہے

جو کہ دو کہتے ہیں تم کو وہ کسی لائق نہیں!
اے ظفر واللہ اب ان کی نظر میں فرق ہے

سبزۂ خط سے ترے کب دلِ ناکام دبے
یہ وہ طائر ہے کہ ہرگز نہ تہِ دام دبے

محتسب آج جو میخانے کی دیوار گری
سینکڑوں شیشے دبے سینکڑوں ہی جام دبے

کر سکے کون تری چشم سے پھر ہم چشمی
خاک میں جبکہ پڑے نرگسِ بادام دبے

ہجر کی رات اگر ہو جائے مجھے روزِ وصال
زیرِ عارض ترے گر زلفِ سیہ فام دبے

تیغِ ابرو کا تری جو جہاں میں شہرہ
کیوں نہ پھر تجھ سے ہر اک اے بتِ خودکام دبے

منعم اس دولتِ دنیا پہ نہ کر دیکھ غرور
سینکڑوں گور میں کیا کیا نہیں بہرام دبے

اے ظفر ساحتِ مضموں سے قلم رو میں ترے
زیرِ راں کیونکہ نہ بس توسنِ شہ گام دبے

زلف یوں روئے عرق آلود پر لہرائے ہے
صبح جوں ناگن گلوں پر چاٹنے اوس آئے ہے

سیل اشک تر میں ہے یہ لخت دل اے مردماں
عشق یا سیر چہ اناں گھاٹ پر دکھلائے ہے

ہے قیامت کا نمونہ یہ قد موزوں ترا!
دیکھ کر بس سرو جس کو خاک میں گڑ جائے ہے

آہ کیا جانے طبیب عشق کس کی یاد میں!
ہوک سی اٹھ کر کلیجے میں مرے رہ جائے ہے

یہ دل پر آبلہ دیکھا ہے جس کے خوف سے
لے کے تنکا دانت میں انگور بھی رہ جائے ہے

کچھ خدا کا بھی نہیں ترس اس بت بے ترس کو
وہ بت ترسا ہمیں دیدار کو ترسائے ہے

جان شیریں دے ہے بس فرہاد کب شیریں پہ آہ
کون مرتے کے ظفر پیچھے بھلا مر جائے ہے

لخت دل یوں چشم میں پھرتے تھے کل ترتے ہوئے
جوں کف دریا پہ جاتے ہیں کنول ترتے ہوئے

ساحل الفت تلک پہنچے نہ ہم مانند کاہ
جسم لاغر ہو گیا یہ اپنا شل ترتے ہووے

دل جگر دریائے غم میں جب کہ بے دم ہو گئے
تا کنار وصل پہنچے بے خلل ترتے ہوئے

بحر الفت کے تلاطم سے خطر ہے کیا ہمیں!
ڈوب جاتا ہے کوئی کب بے اجل ترتے ہوئے

موج دریا سے حباب آبجو رکھ سر پہ خود
بے طرح کرتا ہے کچھ جنگ و جدل ترتے ہوئے

بحر غم میں آ گیا یوں اس دل بے دم میں دم
جس طرح جاوے شناور پھر سنبھل ترتے ہوئے

پڑھ کے بسم اللہ مجریہا و مرسہا ظفر
دم میں بحر غم سے ہم آئے نکل ترتے ہوئے

نہ بالو پر مرے ناحق کہو صیاد کو توڑے
مبادا دم وہ سن کر اس مری فریاد کو توڑے

جراحت سے ہمارا جسم ہے کیا بن گیا جوشن
نگہ تیری یقیں ہے بکتر فولاد کو توڑے

تعجب کیا ہے گلشن میں اگر وہ قامت موزوں
کرے بے سرو کو سیدھا قد شمشاد کو توڑے

بتو! اس خانۂ دل پر نہ دست انداز جو رکھو
تمہارے ہاتھ کیا خاک آوے گا اس بنیاد کو توڑے

ہماری دست گیری گر اسے منظور خاطر ہے
نہ رکھے ہاتھ میں کہہ دو تم ایجاد کو توڑے

عبث خاطر تراشی میں کرے ہے عمر کو ضائع
جو کچھ چاہے تو کوہ غم کہ فرہاد کو توڑے

ظفر ملنے نہ ملنے کا تو ہرگز ڈر نہیں اس کے
پر اپنے دل سے وہ قاتل نہ میری یاد کو توڑے

درد فرقت ہے نہاں منہ سے نہ یوں نکلے ہے
آہ کے ساتھ جگر سے مرے خوں نکلے ہے

چھوڑ پچکاری مژگاں کو ہر اک طفل سرشک
بر میں کر پیرہن بوقلموں نکلے ہے

سر ہتھیلی پہ دھرے پھرتے ہیں اس دم عاشق
لے بکف تیغ جو وہ کھا کے جنوں نکلے ہے

ایک عالم کے کیا اس نے ہے دل کو تسخیر
آہ کیا جادو ہے کیا پڑھ کے فسوں نکلے ہے

ناخن پا کو ترے دیکھ کے اے رشک قمر
مہ نو چرخ پہ ہو فرق نگوں نکلے ہے

غیر تو خوش ترے کوچے میں ہیں پھرتے چلتے
ایک یہ عاشق با حال زبوں نکلے ہے

ہم نشیں عشق میں اس بت کے بقول ظفر اب
آہ کے ساتھ جگر سے مرے خوں نکلے ہے

لاکھ عیار ترے کوچے میں خم ٹھوکیں گے
کوئی ملتے ہیں وہاں سے انہیں ہم ٹھوکیں گے

منع دربان کو کردے کہ نہ روکے ہم کو
ورنہ اک روز ترے سر کی قسم ٹھوکیں گے

نام لکھ رکھیں گے ہم تیرا نگین دل پر
نقش سکہ نہیں پر روئے درم ٹھوکیں گے

کہکشاں سے نہیں تھمنے کی دلا شقہ فلک
گر پڑے گی یہ جو ہم آہ کا خم ٹھوکیں گے

اپنے ہوتے ترے گھر آئیں گے اغیار اگر
ہم کہے دیتے ہیں ان کو اسی دم ٹھوکیں گے

تو پھراتا ہی رہے گا پہ نہ چھوڑیں گے ولے
ہاں بہت کہنے سے تیرے اسے کم ٹھوکیں گے

یوں تو لڑتے نہیں پھرتے ہیں ظفر لیکن آہ
کوئی الجھے گا جو ہم سے تو صنم ٹھوکیں گے

آنکھیں ہیں یہ وہ بس میں دل آئے انہیں روکے!
مارے سے دو عالم بھی مر جائے انہیں روکے!

کب واعظ و ناصح اب چپ رہتے ہیں بکنے سے!
ملنے سے ہم اسے یارو باز آئے انہیں روکے

گو کوہ کن و مجنوں تھے عشق کے کوچے میں!
پر ہم بھی تو رہتے ہیں ہمسائے انہیں روکے

بے وجہ تری زلفیں ہیں دام بلا یک سر!
پھندے میں یہ مرغ دل الجھائے انہیں روکے

آنکھوں نے نہ بتلایا اس چاہ زنخداں کے!
ہم ڈوب گئے یارو بہکائے انہیں روکے!

جنبش میں بھنویں اپنی مت لا کہ میں ڈرتا ہوں
بھونچال نہ ملنے سے آجائے انہیں روکے

میرا دل صد چاک اب رکھ شانے سے یا ہم تو
کاکل تری سلجھے گی سلجھائے انہیں روکے!

اٹھنے نہیں دیتے ہیں یہ نالہ و افغاں اب
در پر ترے بیٹھا ہوں بٹھلائے انہیں روکے

یہ عشق و محبت کا ہے کام ظفر پوچھو
واللہ تم اتنے ہو سکھلائے انہیں روکے

ہماری آہ دل سے اشک لے کر آوے ہی آوے
سمندر سے جو اترے ہاتھ گوہر آوے ہی آوے

زمیں سے جو فلک دیکھے ستون آہ گر میرا
خجالت میں وہیں سد سکندر آوے ہی آوے

بنایا حسن کا بنگلہ اب ہماری نخل مژگاں نے
برائے آب پاشی دیدہ تر آوے ہی آوے

نہ آیا مہ برو تو کیا ہوا جا اس کے کوچے میں
جواب خط و لے لے کر کبوتر آوے ہی آوے

قبائے گل سے نازک تر ہے وہ شبنم کی اے خالق!
کتاں کو بھی سراسر رشک جس پر آوے ہی آوے

تمہارے سا حسن پا کو اگر دیکھے تو حیرت سے
مہ نو کو خجالت آسماں پر آوے ہی آوے

ظفر ایسی غزل پڑھتا ہوں میں اب جس کے سننے کو
ہر اک اہل سخن مشتاق ہو کر آوے ہی آوے

نظر وہ خواب میں ہم کو مقرر آوے ہی آوے
طلب جس چیز کی ہو وہ میسر آوے ہی آوے

یقین ہے کہ پیا صدا مرے لے کر آوے ہی آوے
کل آوے پرسوں آوے پر مقرر آوے ہی آوے

خیال زلف ہو جس کو پریشاں کیوں نہ وہ ہووے
ضرر اس کو اسی سودے میں یکسر آوے ہی آوے

یہی ڈر ہے مجھے پل میں ڈبو مت دو عالم کو
ترے رونے سے طوفاں دیدۂ تر آوے ہی آوے

نہیں دیکھی ہے جاے ابروکماں تو نے کشش دل کی
نہ لانا ہو اگر کوئی تو کھنچ کر آوے ہی آوے

یہ سب جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں راز عشق چھپتا ہے
جو ہووے بات دل میں سو وہ منہ پر آوے ہی آوے

یہ ہے وہ عشق کا میداں کوئی کیا خاک تھم ٹھوکے
کہ اس جا گیو و رستم کو بھی اب ڈر آوے ہی آوے

خلش کرتا نہ کر تو دمبدم پر نشتر مژگاں!
خراش دل سے میرے خون اب تر آوے ہی آوے

ظفر اب یاد ہے ہم کو وہ تسخیر سلیمانی!
پری بھی ہو پرستاں میں تو اڑ کر آوے ہی آوے

جتنے ہیں پیراہن رشک سمن میں دھبے
کب ہیں اس رنگ کے عباسی کے تن میں دھبے

داغ مت سمجھو کوئی ان کو کہ یہ بوقلموں
خوشنما ہیں پر طاؤس چمن میں دھبے

دھووے عاشقوں سے دلا شب کو نہ کیوں شمع مدام
خون پروانہ سے دامان لگن میں دھبے!

ہو اٹھا غیر مجھے دیکھ کے نیلا پیلا
بعد مردن بھی رہے اسکے کفن میں دھبے!

اشک سے کچھ نہ ہے دو سرخی لخت جگر آہ
یہ تعجب ہے کہ ہیں لعل یمن میں دھبے!

داغ پر دل جو ہوا تیرا شہید الفت!
لالہ ساں پڑ گئے ہیں اس کے کفن میں دھبے

اے ظفر شستہ و رفتہ پڑھتا ہوں
جس سے پڑ جائیں دل اہل سخن میں دھبے

داغ کے دیکھ دل لعل نظر پر دھبے!
ویسے ہی پڑ گئے لالے کی نظر پر دھبے

کس کا خوں تو نے کیا اپنے در دولت پر
شاہد قتل ہیں دریا کے گذر پر دھبے

دیکھتا بندگی ارض جاناں شب مہ
پڑ گئے رشک سے ہیں روئے قمر پر دھبے

جوش زن خون ہوا ہجر میں اس کے ایسا!
آبلے دل پہ ہوئے اور جگر پر دھبے

ہم تن میں ہوں وہ مجروح کہ خوں سے قاتل!
تیر کے سے ہیں مرے پشت کمر پر دھبے

چشمۂ چشم کی دولت سے ہے رشک گلزار
اشک خونیں سے پڑے دامن تر پر دھبے

اے ظفر سنتے ہی اس تیری غزل کو واللہ
پڑ گئے اب دل ہر ایک بشر پر دھبے

سکھائی تم کو جو ٹیڑھی باتیں ہماری جانب سے آہ الٹی!
اسی سبب سے ہے میرے صاحب تمہارے ہم سے نگاہ الٹی
ہوا ہے پھر کے دوبارہ یکسر یہ تیرہ بختوں کا روز روشن!
تمہارے رخ سے جو اڑ کے شب کو ہوا سے زلف سیاہ الٹی
کیا ہے خورشید خاوری کو سپہر گرداں کے سر بہ بند!!
سحر تمائی کی اپنے سر پر جو رکھ کے اس نے کلاہ الٹی!
نہ کر تو کچھ دل میں اپنے ہرگز خدا جو چاہے گا وہی ہوگا!

بس اپنی قسمت پر رہ تو شاکر وہ خواہ سیدھی ہو خواہ الٹی
عمل کر اس پر ہے راستی پہ نابزرگوں سے ہے ہمیشہ
کبھو نہ منزل تلک وہ پہنچا چلا ہے جو کوئی راہ الٹی
رکھو ہو غیروں سے روز صحبت نہ پوچھو ان کو کہ جو ہیں عاشق
کہے نہ کیونکر تمام عالم تمہاری ہاں کی ہے داہ الٹی!

تمارے دشمن مدام روویں ظفر ہے تم پر نگاہ وابرو
نہ ہوں گے سرسبز بھی وہ ہرگز گواہی دے ہیں گواہ الٹی

ہو رہا ہے نشہ جام مے گل گوں تجھے!
شیشۂ دل ہے بہت نازک وہ کیونکر دوں تجھے
پوچھتا ہے کون شہر عشق میں مجنوں تجھے!
اک دیا تقدیر نے ہے گوشۂ ہاموں تجھے
خاک میں مل جائے گا اے سرو گلشن تو ابھی
گر دکھا دیوے ذرا وہ قامت موزوں تجھے
ایک عالم تھا ترا مائل ہو لے اے سادہ رو
آئینے نے کر رکھا ہے اپنا اب مفتوں تجھے
رشک سے کیونکر نہ اپنے ہونٹ چاٹیں مدعی!
حق تعالیٰ نے دیا ہے وہ لب میگوں تجھے
تو بھی آنکھوں سے لہو روئے گا سن اے مسکیں
میں سناؤں گا اگر حال دل پرخوں تجھے!
میں خفا ہوں تو بلا سے تو خوشی رہ جان من
ورنہ مر جاؤں گا دیکھوں گا اگر محزوں تجھے
چشم دریا بار سے روکش تو ہوتا ہے مگر
میں دکھاؤں گا تماشا پل میں اے جیحوں تجھے

جب سے ہے اس کی کمر کا اے ظفر تجھ کو خیال
سوجھتے ہیں باریک کیا کیا تب سے یہ مضموں تجھے

خط آزادی نہ لکھا اے یار اپنے ہاتھ سے!
دے نہ دستاویز یہ یک بار اپنے ہاتھ سے
نہ کھینچا کر تو خنجر خوں خوار اپنے ہاتھ سے
کام آ جاویں گے پھر دو چار اپنے ہاتھ سے
عشق سے واقف نہ تھے جب تک نہ تھا رنج و تعب
اے مسیحا دم لیا آزار اپنے ہاتھ سے
دیکھ کر یہ ہیں تری پوشاک دھانی جان من
زہر بس کھانا پڑا ناچار اپنے ہاتھ سے
ایک دن دل میں ہے اپنے نقد جاں کا کیجئے!
جا کے اب سودا سر بازار اپنے ہاتھ سے
جنبش ابرو ہے کافی بس ہمارے قتل کو!
کھینچ کر مت مار تو تلوار اپنے ہاتھ سے
آفریں صد آفریں او مرحبا تجھ کو جنوں
چھوڑا جامے میں نہیں اک تار اپنے ہاتھ سے
یہ وصیت ہے مری قاصد تجھے اب آخری
خط اسے دینا سر بازار اپنے ہاتھ سے
اور یہی کہنا کہ کس نے دل میں ڈالا تفرقہ!
خط نہیں لکھتے ہو گاہے یار اپنے ہاتھ سے

ہے عبث شکوہ ظفر واللہ اب اس چیز کا
کھو دیا آپ ہی جسے یک بار اپنے ہاتھ سے

سر مو کے تو نے ہیں اس وجہ سے یکسر گوندھے
جیسے شیرازہ مصحف کو ہے دلبر گوندھے

چشم نے جوگ کسی کے ہے تصور میں لیا
سیلی تار سر اشک اب نہ وہ کیونکر گوندھے

موج دریا پہ ہے یوں پڑتی شعاع خورشید
جیسے زنجیر طلائی کوئی زرگر گوندھے

کہکشاں نکلی شب تیرہ میں ہے اے ہمدم
مانگ میں اس بت مہوش نے ہیں گوہر گوندھے

داغ حسرت سے یہاں بھر گیا سینہ میرا
ہار پھولوں کے جو تو نے بت کافر گوندھے

اشک کو لخت جگر سے ہے علاقہ اپنے
چشم کس طرح سے جوہر کا نہ زیور گوندھے

ہو ظفر کیونکہ نہ کوتہ شب ہجراں میری
اپنے وہ شوخ خم پیچ جو سر پر گوندھے

یہ چند ہے بت عزت ماب کے پیچھے
سواد شام ہے جیسا آفتاب کے پیچھے

دل اس کی چشم سے کیونکر بچے بھلا اپنا
کہ بہر صید ہے بیٹھا ہیں عقاب کے پیچھے

برب کعبہ ہوئے آہ ایسے ہم رسوا
جہاں میں اس بت خانہ خراب کے پیچھے

سر شک تر سے مری آستین مژگاں نے
گہر کے تکمے ہیں ٹانکے حباب کے پیچھے

نہ ایک گام ملا گا تو سن صبا ہمراہ
چمن میں رہ گیا اس مہ رکاب کے پیچھے

رکے ہے چشم کے رونے سے کب یہ طفل سرشک
ہزار اس کو رکھے داب داب کے پیچھے

نمود شام کی پہلے ہے رات سے یارو
نہ کیوں ہو زلف خط مشک ناب کے پیچھے

ہزار جور کرے وہ برا نہ مان ظفر
رقم کر اس کو بھی فرد حساب کے پیچھے

وہ عرق سے رخ گلرنگ طراوت پر ہے
تو کب اے غنچہ دل تنگ طراوت پر ہے

دل کہے کیونکہ نہ اس کے لب پان خوردہ کو دیکھ
روز برگ گل خوش رنگ طراوت پر ہے

کچھ جبل پر ہی نہیں لالہ احمر پھولا!
خون فرہاد سے ہر سنگ طراوت پر ہے

عکس سے فندق پا کے ترے اے لجہ حسن
باغ میں تختہ اورنگ طراوت پر ہے

کچھ ترا دل مری جانب سے پسیجا شاید
آج آئینہ ہر رنگ طراوت پر ہے

شب کے کملائے ترے گلشن میں ہر اک گل کا دماغ
صبح اے مرغ خوش آہنگ طراوت پر ہے

اشک باری سے مری چشم کی دن رات زمیں
مردماں سیکڑوں فرسنگ طراوت پر ہے

رات بھیگی ہوئی شبنم ہی نہیں ہے دیکھو
یار گی مشکل خوش رنگ طراوت پر ہے

ظفر اس بحر میں لکھی ہے غزل یہ تم نے
ہر گل قافیہ تنگ طراوت پر ہے

رو کے میں کہتا ہوں اور تم نہیں ہنس کے سنتے
دیکھو ہو جاؤں گا بدنام میں دس کے سنتے

ہم صفیرو مری فریاد و فغاں گلشن میں
آہ کیا ہوتا جو پاس آ کے قفس کے سنتے

گر رہا تو لیلے ہے ادھر کو شاید
دم بدم ہم جو بیالے ہیں جرس کے سنتے

رند کو شب جو کہیں دختر رز سے پکڑا
رنگ فق ہو گیا ہر بات عس کے سنتے

ہمدموں کا مرے اک شب میں ہوا کا اہتمام
قہر تھا نالے جو دو چار برس کے سنتے

عشق کے ذکر میں مت نام ظفر کا لیجو
دیکھو ہو جاؤں گا بدنام میں اس کے سنتے

رو رو کے گر ہچکیاں میرا دل مجنون لے
داغ سینے پر پھنور سے کیوں نہ پھر شبخون لے

ہو گیا ہر دشت صد رشک گلستاں عندلیب
کل جو صحرا میں گئے ہم دیدہ پر خون لے

عشق ہے سنگ گراں تجھ سے دلا اٹھتا نہیں
چوم کر بس چھوڑ دے سر پر نہ یہ ہامون لے

کس لیے عشق بتاں میں تو پھرے ہے بیہودہ
ہاتھ میں زاہد اک اپنے سبحہ زیتون لے

مفت میں بدنام ہو گا دیکھ اے قاتل مجھے!
بے گزرت قتل کر سر پر نہ اپنے خون لے

کی جو کچھ عرض تمنا ان سے میں تو یہ کہا
بیٹھ رہ چل جا یہاں سے عقل کے ناخون لے

خاک کے ڈالے سے چھپتا ہے کہیں بھی ماہتاب
شعر کا تیرے ظفر کیا جان جو مضمون لے

اسلام ہو کفر سے ہے سروکار کیا مجھے
ہے بس تصور رخ و زلف دوتا مجھے

کب دسترس ہوا سر زلف دوتا مجھے
اس بخت نا رسا نے رکھا نا رسا مجھے

میں ہوں مریض عشق نہ کیوں ہو شفا مجھے
تعویذ درد سر ہے ترا نقش پا مجھے

کوچے سے تیرے اٹھ کے میں جاؤں بھلا کدھر
موج سرشک چشم ہے زنجیر پا مجھے

میں کس طرح بتوں کے نہ جور و ستم سہوں
حق نے بنایا ہے کو جور و جفا مجھے

ہو کر اسیر زلف کہے ہے یہ دل مرا!
دام بلا سے کیجیو یا رب رہا مجھے!

میری نظر میں رتبہ اکسیر خاک ہے
اس سیم تن کا وصل ہے بس کیمیا مجھے!

ترسا نہ اب تیغ سے ظالم تو کر شہید
کوچہ نہیں ہے تیرا کم از کربلا مجھے

پیک صبا نے آن کے کوچے سے اس کے کل
اپنا کہا سمجھ کے ہوا خواہ کیا مجھے

میں آپ سے گر نہیں کرتا ولیکن آہ!
لے جاوے ہے کچھ آہ مرا دل اڑا مجھے

جلدی بدل کے قافیہ بس اے ظفر کہیں
اب تو غزل نئی کوئی اچھی سنا مجھے!

آؤ گے آج گھر میں بتادو کہیں مجھے!
بھاتی نہیں یہ آٹھ پہر کی نہیں مجھے!

کیا پوچھتا ہے مجھ سے کہ عاشق ہوں میں ترا
دنیا کی ہے طلب نہ تمنائے دیں مجھے

قربان تیرے اے بت ناوک فگن کہ آہ
تیر مژہ دکھائے کیا سہم گیں مجھے

کیونکر نہ غرق کشتی دل ہو کہ اے صنم
موج بلا ہے تیری چین جبیں مجھے

اس کی گلی میں بیٹھ کے رویا ہوں اشک سرخ
آئی نظر وہاں کی گلستاں زمیں مجھے

صورت سے میری کیونکہ نہ آزردہ ہو وہ شوخ
تو نے فلک بنایا ہے اندوہ گیں مجھے

تو ظلم کر اور اس کے عوض میں وفا کہ لوگ
تجھ کو تو مرحبا کہیں اور آفریں مجھے

کھا کھا قسم کہے ہے کہ آؤں گا رات کو
پر اس کی بات کا نہیں ہرگز یقین مجھے

لیتے ہی بوسہ اس لب شیریں کا اے ظفر
آئی حلاوت شکر و انگبیں مجھے!

تو رخ سے صبح دم جو اٹھا تک نقاب دے
پردے سے برق کو نہ نکلنے حجاب دے

مکتوب شوق اس کو میں اے نامہ بر لکھوں
فرصت جو تک بھی رونے سے چشم پر آب دے

ابر بہار باغ ہے سبزہ ہے ساقیا
بھر کر مجھے تو ساغر گل میں شراب دے

گر تیغ موج اشک دکھاؤں تو آہ چھوڑ
دریا دلوں سے آنکھ لڑائی حباب دے

زنجیر موج بحر حوادث میں ہوں پھنسا
اس سے نجات اب مجھے یا بوتراب دے

گلشن میں طفل غنچہ کو چپکا لگا ہے دیکھ
شبنم بجائے آب اسے تو گلاب دے

بوسہ کی اس سے کیونکہ تمنا رکھیں ظفر
گالی بھی منہ سے جو کہ ہو بے حجاب دے

رفاقت کیا کہوں آہ جگر اور داغ سوزاں کی
ہماری قبر پر حاجت نہیں ہے شمع گریاں کی

بھلا کس واسطے دیکھوں میں اب صورت گلستاں کی
مجھے اب سادہ پن کی اس کی بھاتی ہے روش باکی

بیاں کیونکر بھلا ہووے حدیث اس زلف پیچاں کی
نہ جب تک چل کے کیجے سیر یکسر سنبلستاں کی

تمہارے پا کے گرمی رات کو اے شاہد محفل
زباں لغزش میں آ جاوے نہ کیوں شمع شبستاں کی

جو سودا اس لب پاں خوردہ کے بوسے کا پٹتا ہے
تو قیمت خاک میں ملتی ہے پھر لعل بدخشاں کی

فراق یار میں رہنا ہے بے تابی ہے وحشت ہے
خبر مجھ کو نہیں ہے آہ ہرگز دین و ایماں کی

ہمارے لخت دل کو دیکھ کر مژگاں میں یوں مردم
لگے کہنے کہ ٹٹی روک دی کس نے چراغاں کی

کہا قاصد نے کیا معلوم پر اس کی زبانی ہے
وہ غافل آہ کیا جانے ہمارے درد پنہاں کی

غزل ان قافیوں میں اور بھی لکھو ظفر ایسی
کہ ہو ہر بیت جس میں رشک فردوسی کے دیواں کی

نہ کیوں ہو قدر ہم چشموں میں میری چشم گریاں کی!
کہ شیخی جھڑ گئی اک پل میں جس سے ابر نیساں کی
کنار بحر م آب رواں میں تو اگر نا کے
حباب بحر ٹھہرے کیا نظر میں ماہتاباں کی
لکھی تفسیر ہے مصحف کی یا رو حاشیے پر یا
زیادہ کیوں نہ ہو اب خط سے خوبی روئے جاناں کی
چمکتے ہیں عقب چرخ مینا فام پر اختر
دکھا دے تاب تک فس کرسی الودہ عدال کی
میان ذوالفقار ابروئے خم دار سے تیرے
دو عالم قتل ہوتا ہے قسم ہے شاہ مرداں کی
پری رو دیکھ کو مجھے پر نہ چڑھ دیوں بے دھڑک ہرگز
تعالی لا ابھی ہو جائے گی خلقت پرستاں کی
خیال ماف جس کو اے عزیز و اب ہوا سم ہو
حقیقت سو ہو وہ کیا کہے حال پریشاں کی
جنوں صد آفریں اور مرحبا تیری رفاقت کو
اڑائیں دھجیاں تو نے ہمارے جیب و داماں کی
اسی باعث سے میں شب کو ترے گھر میں نہیں آتا
ترے در پر جو چوکی رات دن رہتی ہے درباں کی
یہ اس کو منع کر دیا کر وہ روکے نہیں مجھ کو!
وگرنہ اس گھڑی ٹھہرے گی اس میں ہم میں تو تاں کی

ظفر گرداب دریائے سخن کا تو شناور ہے!
بدل اب بحر تا خوش ہو طبیعت ہر سخن داں کی!

ہے آ کھڑی زرے یہاں بادہ کشاں کی
بیعت نہ کریں کیونکہ بھلا پیر مغاں کی
باعث خفگی کا نہیں معلوم بتاں کی
پہنچی ہے صدا کیا مری فریاد و فغاں کی
اس اشک کے قربان کہ مقراض مژہ سے
کی تن پہ مرے قطع قبا آب رواں کی
جینے کا یہ عالم ہے کہ ہوتا ہوں میں بیہوش
لے لے کے بلائیں ترے دندان و دہاں کی
مرجھائے ہے کیونکر یہ گل زخم دل اپنا
کہتے ہیں کہ گلشن میں اب آمد ہے خزاں کی
پیر اڈر کی شکل سے ہو جاؤں گا ما تج!
جوں شمع جو محفل میں کبھی تو نے زباں کی
ہو شب کو جو آ کر مہ کامل سے یہ روکش
چھاتی نہ تڑق جاوے بھلا کیونکہ کتاں کی
بولے کہ کہیں تھم نہ کریں راہ مسافر
اک شخص نے کل میری کہانی جو بیاں کی
سچ ہے کہ وہی جانے کہ جس شخص پہ گزرے
اس بت کو خبر کیا ہے مرے درد نہاں کی
آنکھوں سے لگا کیونکہ بھلا اس کو نہ رکھو
آئی ہے مرے ہاتھ جو یہ خاک وہاں کی

پائی نہ ذرا گل میں ظفر بوئے محبت
جوں باد گرچہ بہت سیر جہاں کی!

ہمارا دل نہیں اس کے سرپشت زنخداں ہے
عزیز و چاہ کنعاں ہے یا وہ ماہ کنعاں ہے

کہاں ہے تربت گل اے صبا کنج شہیداں ہے
جو ہر یک شہپر بلبل بھید ست فاتحہ خواں ہے

ہٹیں زلفیں جو رخ پر سے انہوں کی بس وہیں سوجھا
کہ نکلا پردۂ ابر سیہ سے ماہ تاباں ہے

جہاں سودا لب دلبر سے بوسے کا کیا ہم نے
بکا عناب کی قیمت وہاں لعل بدخشاں ہے

ہوس ہو سیر گلگشت چمن کی کس کو اے ہمدم
تن گل خوردہ اپنا یک قلم تحسن گلستا ہے

دکھاؤں کس کو میں دست جنوں کی دستکاری کو
بنا ہر تختہ دامن ہے نے تار گریباں ہے

ظفر اس آبلہ پائی کی دولت سے ہے ہر کانٹا
سراسر ٹکتا موتی بداماں بیاباں ہے

تپ غم میں مجھے بھرتے جو دیکھا سانس ٹھنڈی سی
تو ہر دم ہاتھ بالیں پر مرے ملنے لگا عیسیٰ

لڑاتا ہے وہ ترک چشم کو مژگاں کی کولی سے
قزلباشوں سے سیکھی ہے لڑائی کیا فرانسیسی

مجھے درباں ترے ہیں روکتے ظالم یہی ڈر ہے
نہ ہو جاوے کہیں در پر ترے اب خانہ جنگی سی

عجب ڈھب سے گئی جا رفتہ رفتہ اس کے پاؤں تک
حنا بھی کام اپنے میں بہت پکی ہے اور چی سی

نہ کیوں اس گلبدن کے ساتھ سونے کی رہے خواہش
کہ دیکھی باغ عالم میں یہی وہ اک شکل اچھی سی

ظفر کے ان کے شعروں کو جو دامن سارے کہتے ہیں
بدل کر قافیے کوئی غزل لکھ لے اپنے جی کی سی

ہم ایسے سوز غم ہجر یار سے ہیں بنے
کہ داغ دل کے گل نو بہار سے ہیں بنے

کریں گے ذبح ہمیں دلبراں کافر کیش
ازل سے ہم تو انہیں کے شکار سے ہیں بنے

نہ پوچھو حال ہمارا کہ اس کے کوچے میں
زیادہ ہم تو پریشاں غبار سے ہیں بنے

گلے کے ہار دہیں گے بیا رانگلوں کے
کہ میرے واسطے پھولوں کے ہار سے ہیں بنے

جدا ہوں حسرت و اندوہ کس طرح ہم سے
کہ کنج غم میں یہی اپنے یار سے ہیں بنے

وہ میرے دشمن جاں ہیں یہ جان لیجئے گا!
تمہارے آن کے جو دوستدار سے ہیں بنے

تصور اس در دنداں کا ہے جو ہم کو ظفر
سخن ہمارے در شاہوار سے ہیں بنے

تری چشم مغلس ہیں وہ جادو گیر صحرائی!
کہ جس کی دید کو ٹھہرے ہے یہ نخچیر صحرائی

کرے غل کیوں نہ برپا قیس ہر دم دشت وحشت سے
گلو لا طوق ہے موج ہوا زنجیر صحرائی

نہ پوچھو نقش پائے ناقہ لیلیٰ کے نقشے کو
کہ مجنوں کی پرستش کو ہے یہ تصویر صحرائی

کوئی میری طرف سے کہہ دو یہ خضر خجستہ کو!
بجز الیاس میرا کون ہے اب میر صحرائی

ظفر کیا خاک کیجے بن کے مجنوں دشت پیمائی
کہ ہر خار مغیلاں ہے نظر میں تیر صحرائی!

لخت دل و اشک کو کیونکر کہوں یکساں ہے
وہ در غلطاں ہے تو یہ بسر مرجان ہے

مارکاکل زلف سنبل رخ ہے رشک یاسمن
سروقد ہے محو لب ہے غنچہ گل خندان ہے

چشم و رخ کو دیکھ کر تیرے سدا اے سادہ رو
دنگ ہے نرگس یہاں اور آئینہ حیران ہے

ابر میں درخشندہ کب ہے برق اے پیر فلک
وہ بہار و دو دل پیالہ سوزان ہے

دیکھ کر خال زنخداں کیوں نہ ہووے داواں ڈول
چاہ کنعاں وہ ہے اور یہ یوسف کنعان ہے

ہاتف غیبی سے کل آئی ندا مجھ کو ظفر
فکر میں تاریخ کے رہتا تو کیوں حیران ہے

وو ہیں صد رشک چمن مصرع یہ مجھ سے ڈھل گیا
زور اب رنگین یہ اپنا سر بسر دیوان ہے

عشق میں بازی اگر چوپڑ کی دل پر کھیلئے
نرد دل ہم بھی بٹھاتے اور دل پر کھیلئے

کیونکہ طفل اشک کو آنکھوں میں رکھوں روک روک
یہ نکل جاتے ہیں لڑکے گھر سے باہر کھیلئے

پنجۂ مژگاں میں ہیں اے مرد ماں کب اشک سرخ
ہیں گل بازی یہ لے کر دیدۂ تر کھیلئے

ہر بھنور دف سے لگا آ کے لو موج میں
ہیں گل بازی یہ لے دریا مقرر کھیلئے

شیخ جی گردن ہلا کر تم جواب کرتے ہو بات
شیخ سدو ہیں تمہارے اب یہ سر پر کھیلئے

آئینہ غماز ہے کہہ دے گا منہ پر ہیچ کیوا
کھیل کس سے تنکی کا تم ہو اکثر کھیلئے

اے ظفر اس خال رخ پر بال زلفوں کے نہیں
من سے اپنے ہیں یہ کالے لہر کھا کر کھیلئے

قطعہ

یہ دیواں رشک گلشن کیوں نہ ہوگا ہائے مضموں سے
کہ اسکا جو ورق ہے سو خیابان معانی ہے

ظفر یہ بنا ل مصرع تاریخ لکھ اس پر
مراب یک قلم دیوان بستان معانی ہے

تمہیں عیش و طرب واں دمبدم ہے
یہاں سینہ زنی ہے اور غم ہے

جو آتا آج وہ اپنے بغم ہے
تو یا رو چمن ہے شادی کا دم ہے

نہ کیوں دل کا ہو اس کاکل سے سودا
کہ اس کی گانٹھ میں دام و درم ہے

مجھے سوجھے ہے کیفیت جہاں کی
وہ چشم مست ساقی جام جم ہے

لباس اپنا نہ کرائے شوخ تو سبز
کہ ہر صورت یہ میرے حق میں سم ہے

تری مژگاں کے آگے اے گل اندام
قلم نرگس کی مرفوع القلم ہے

جہاں دیتا ہے تو جنبش بھؤوں کو
وہاں بھونچال کا چرچا صنم ہے

بنا داغوں سے دل ہے رشک گلشن
بیان لالہ رخوں کا بس کرم ہے

سر صحرا نوردی دیکھ کر وہا
لگے کہنے کہ کہیا ستم ہے

پھرے ہے جو تو ڈانواں ڈول ایسا
کسی کی چاہ کا تجھ کو الم ہے

برنگ نقش پا تو در پہ ہم کو
ملامت خاک میں یہ کیا ستم ہے

زمیں نے پاؤں پکڑے ہیں اپنے
کہ یاں سے اٹھ نہیں سکتا قدم

ظفر پیروں کا تجھ کو ہے گا سایہ
کہ جن کی یاد میں تو چشم نم ہے!

کوئی کہتا ہے یہ چین جبیں موج سمندر ہے
کوئی کہتا ہے یہ ابرو نہیں باب سکندر ہے

کووی کہتا ہے اس کی مانگ کو ہے کہکشاں کا خط
کوئی کہتا ہے پیشانی کو اس کی ماہ انور ہے

کوئی کہتا ہے اس کی جعد کو ہے یہ شب یلدا
کوئی کہتا ہے اس کے رخ کو یہ خورشید محشر ہے

کوئی کہتا ہے وہ جوڑا نہیں مشک نافہ ہے
کوئی کہتا ہے بوئے زلف کیا ہے بوئے عنبر ہے

کوئی کہتا ہے بینی کو کہ ہے در شک گل زنبق!
کوئی کہتا ہے چشم سرمگیں ہم چشم عبہر ہے

کوئی کہتا ہے کہ اس قاتل کی چشمک تیغ تر ان ہے
کوئی کہتا ہے اس کی چین ابرو تیز خنجر ہے

کوئی کہتا ہے اک سیف کشیدہ ہے وہ دنبالہ
کوئی کہتا ہے جو مژگاں ہے وہ ناوک سے ہمسر ہے

کوئی کہتا ہے وہ گردن مصفا اک صراحی ہے
کوئی کہتا ہے اس کا گوش کیا ہے چشم ساغر ہے

کوئی کہتا ہے وہ شفاف عارض صبح صادق ہے
کوئی کہتا ہے وہ در کان کا تابندہ اختر ہے

کوئی کہتا ہے ہونٹوں کو کہ ہیں وہ لعل کے ٹکڑے
کوئی کہتا ہے دانتوں کو عجب یہ سلک گوہر ہے

کوئی کہتا ہے گویا وہ دہن ہے خضر کا چشمہ
کوئی کہتا ہے اس چاہ ذقن میں آب کوثر ہے

کوئی کہتا ہے وہ دست حنا بستہ ہے شاخ گل
کوئی کہتا ہے رنگین پنجہ مرجاں کے برابر ہے

کوئی کہتا ہے پستاں کو حباب آسا مصفا ہے
کوئی کہتا ہے سینہ وہ کہ آئینہ مکدر ہے

کوئی کہتا ہے وہ پتلی کمر تار رگ گل ہے
کوئی کہتا ہے نرمی میں شکم مخمل سے بہتر ہے

کوئی کہتا ہے اس کی ناف کو ہے وہ گل نسریں
کوئی کہتا ہے پتلی شاخ نسریں اک سراسر ہے

کوئی کہتا ہے وہ زانو عجب ہے صاف آئینہ
کوئی کہتا ہے ساق سیمگوں شمع منور ہے

کوئی کہتا ہے ہر انگشت پا ہے شاخ گل مہندی
کوئی کہتا ہے جو ناخن ہے برگ گل تر ہے

کوئی کہتا ہے اس قد کو قیامت کا نمونہ ہے
کوئی کہتا ہے وہ قامت قیامت سے بھی بہتر ہے

کوئی کہتا ہے اس کی ہر ادا ہے اک بلا آفت
کوئی کہتا ہے جو غمزہ ہے اس کا اک افسوں گر ہے

ظفر جو اس سراپا ناز کی تعریف کی تو نے
مقرر ہے مقرر ہے مقرر ہے مقرر ہے

اس کے کل کوچے میں ہم ایسے ہنر سے گزرے
ایک نے دیکھا نہیں سب کی نظر سے گزرے

کیا عجب تیر نگہ میرے جگر سے گزرے
پر وہ ہے تیر کہ آہن کی سپر سے گزرے

اس سرا میں تو بہت آئے مسافر لیکن
جو ہے کیا جانے کہاں سے وہ کدھر سے گزرے

جوش گریہ سے مرے ہو جو طوفاں برپا
آب ہو چرخ فلک کے ابھی سر سے گزرے

آج تک وہم و گماں میں نہیں آتا اپنے
کیا کریں ہم ترے مضمون کمر سے گزرے

دل کے آئینے میں جو کچھ عیاں ہیں جوہر
ہیں وہ پہلے نظر آئینہ گر سے گزرے

چشم نقش کف پا راہ میں حیراں ہوں کیوں
راہ روکتے ہی اس راہگزر سے گزرے

بوسہ تیرے لب شیریں کا ہے گو قند و شکر
تلخ اتنا نہ ہو ہم قند و شکر سے گزرے

دیدبازی کے تماشے کا نہ پوچھو عالم
کہ تماشے ہیں بہت چشم ظفر سے گزرے

جو دل کے ارادے کو ادھر کھینچ کے باندھے
وہ راہ میں ہمت کی کمر کھینچ کے باندھے

اے ہم نفسو کہہ دو یہ جراح کو میرے
پٹی نہ سر زخم جگر کھینچ کے باندھے

جاتا ہے جاڑ ازاغ نظر تا سر افلاک!
اس کے کوئی کس طرح سے پر کھینچ کے باندھے

مکا مرے دل پر لگے ہے اس سے یہ کہہ دو
جوڑے کو نہ وہ رشک قمر کھینچ کے باندھے

آ جائے نظر ابر کا ٹکڑا ابھی خورشید!
تو پیٹھ پر اپنے جو سپر کھینچ کے باندھے

پھر کون چھڑا سکتا ہے دل کی مری مشکیں
تو طرۂ مشکیں سے اگر کھینچ کے باندھے

ڈرتا ہے نزاکت سے مرا دل اسے کہہ دو
تعویذ نہ یوں بازوؤں پر کھینچ کے باندھے

جو تارک دنیا ہو کمر کھول کے بیٹھے
لازم ہے سپاہی کو کمر کھینچ کے باندھے

پڑ جائیں نزاکت سے نشاں کیوں نہ ذمیں پر
دستار کو وہ جب کہ ظفر کھینچ کے باندھے

ہوتے ہوتے چشم سے آج اشکباری رہ گئی
آبرو بارے تری ابر بہاری رہ گئی

آتے آتے اس طرف ان کی سواری رہ گئی
دل کی دل میں آرزوئے جاں نثاری رہ گئی

ہم کو خطرہ تھا کہ لوگوں میں تھا چرچا اور کچھ
بات خط آنے سے تیرے پر ہماری رہ گئی

ٹکڑے ٹکڑے ہو کے اڑ جائے گا سب سنگ مزار
دل میں بعد از مرگ جو گھر کر بے قراری رہ گئی

اٹھ چلے اک میں جو خاک میں ڈھونڈے کوئی
خاکساری خاک کی گر خاکساری رہ گئی

آؤ گر آتا ہے کیوں گن گن کے رکھتے ہو قدم
اور کوئی دم کی ہے یاں دم شماری رہ گئی

ہو گیا جس دن سے اپنے دل پر اس کو اختیار
اختیار اپنا گیا بے اختیاری رہ گئی

جب قدم اس کافر بدکیش کی جانب بڑھے
دور پہنچے سو قدم پرہیزگاری رہ گئی

کھینچتے ہی تیغ ادا کے دم ہوا اپنا ہوا
آہ دل میں آرزوئے زخم کاری رہ گئی

اور تم غم خوار سارے کر چکے غم خوارگی
اب فقط ہے ایک غم کی غمگساری رہ گئی

شکوہ عیاری کا یاروں سے بجا ہے اے ظفر
اس زمانے میں یہی ہے ہمدم یاری رہ گئی

شاخ مژگاں میری کب اشکوں سے تر پانی میں ہے
یہ عشق البحر کا دیکھو شجر پانی میں ہے

جوش گریہ نے مرے کھینچا یہاں تک بار سر
گنبد نیلی بہ رنگ نیلوفر پانی میں ہے

بحر و بر خالی نہیں گردش زدوں سے دیکھ لو
ہے جو خشکی میں بگولا تو بھنور پانی میں ہے

آتش دل سے ڈر میرے سمندر اس قدر
جا چھپا مانند ماہی اپنا گھر پانی میں ہے

دیکھ کر تیرے لب و دنداں کو مارے شرم کے
لعل پتھر میں چھپا جا کر گہر پانی میں ہے

میری آہ و اشک سے چرخ و زمیں کا ہے یہ حال
وہ ادھر آتش میں ہے اور یہ ادھر پانی میں ہے

عشق میں اس سنگدل کے اس قدر رویا ہوں میں
کوہ بھی اشکوں سے میرے تا کمر پانی میں ہے

آئینے میں اس کے روئے آتشیں کو دیکھنا
کیا تماشا ہے کہ آتش جلوہ گر پانی میں ہے

سینے میں صافی دلوں کے کب ہے تاب حسن دوست
عکس خورشید درخشاں اے ظفر پانی میں ہے

جدھر آنکھ پڑتی ہے تو روبرو ہے
ترا جلوہ سب میں ہے سب جائے تو ہے

رکھوں آئنے کیوں نہ پیش نظر میں
مری آرزو میرا آئینہ رو ہے

مری چشم میں کیا ہے؟ تیرا تصور
مرے دل میں کیا ہے؟ تری آرزو ہے

بدن میں مہک ہے تری یاسمن کی
تری زلف مشکیں میں عنبر کی بو ہے

صدا پردہ ساز کی یہ نہیں ہے
کوئی پردے میں کر رہا گفتگو ہے

کوئی چھوٹتا ہے یہ دامن سے قاتل
شہید محبت کا آخر لہو ہے

ظفر آپ کو ڈھونڈ مت ڈھونڈ اس کو
وہ تجھ میں ہے جس کی تجھے جستجو ہے

عشق میں کیا ہم بھی اے تقدیر سیدھے ہو گئے
کتنے اس قالب میں ٹیڑھے تیر سیدھے ہو گئے

آتش سوزاں نے میرے کر دیا آہن کو موم
کھل کے میرے حلقہ زنجیر سیدھے ہو گئے

تو ہوا ہم سے نہ سیدھا اور دست شانہ سے
بال بل کھائے ترے تصویر سیدھے ہو گئے

کج ادائی سے تری قاتل تعجب ہے مجھے!
تن پہ میرے کیوں خط شمشیر سیدھے ہو گئے

چرخ ٹیڑھا ہی رہا اور سینکڑوں بانکے جواں
ٹیڑھے ہو کر زیر چرخ پیر سیدھے ہو گئے

راستی پر کس کی قامت کے ہوا جو بعد مرگ
دست و پائے عاشق دلگیر ہو گئے

سرنوشت اپنی نہ بدلی اور خط معکوس کے
حرف جو الٹے ہوئے تحریر سیدھے ہو گئے

سیدھے وہ آئیں گے گر یہ طالع واژوں مرے
اک ذرا اے آہ بے تاثیر سیدھے ہو گئے

میری سیدھی بات پر ہوتے ہیں ٹیڑھے اے ظفر
جب کہ ٹیڑھی میں نے کی تقریر سیدھے ہو گئے

شمع رو جس کو ترے وصل کی لو ہووے گی
اس کو پروانہ صفت پھونک دو وہ ہووے گی

چاندنی اس کی نئی ہے جو مصور تصویر
شکل ابرو کی جیسے مہ نو ہووے گی

عقل وویں ہوش و خرد عشق میں ہم بیچ چکے
جنس دل ایک رہی ہے سو گرو ہووے گی

دیکھا دان نہ بو تخم کوئی کے سوا
کہ کبھی کشت عمل تیری درو ہووے گی

لاکھ تم منع کرو جب کہ بھر آئے گا یہ دل
ناصحو آنسوؤں کی چشم میں رو ہووے گی

سنتے ہیں ان کی رقیبوں سے ہوئی جب خفگی
ہے یقین لوگ جو یوں کہتے ہیں تو ہووے گی

اے ظفر ہے زباں خلق کی نقارہ حق
یعنی وہ بات کہیں گے جسے سو ہووے گی

عجب کیا گرچہ دریا صرف ساغر ہو تو پی جائے
یہ ہے آشام دریا کیا سمندر ہو تو پی جائے

اگرچہ آب تیغ یار آب زندگانی ہے
پئے پر کس طرح عاشق میسر ہو تو پی جائے

جو آنسو چشم میں بھر لاؤں تو غصہ کر وہ کہتا ہے
کہ کہہ دو آبرو کا اپنی کو ڈر ہو تو پی جائے

ترے جاں سوختہ کی خاک ہے وہ تشنہ باراں
کہ گر اک قطرہ سو دریا کے ہمسر ہو تو پی جائے

طبیب درد دل تو ہو تو ظالم تلخ دارو دے
ترے آنسو سے کوئی زہر بھی گر ہو تو پی جائے

جو ہووے تشنہ بوسہ ترے چاہ زنخداں کا
بھلا انصاف کر وہ آب کوثر ہو تو پی جائے

سبیل عشق پر ہر دم یہی آواز سنتا ہوں
کسی کو تشنگی آب خنجر ہو تو پی جائے

سکندر پی سکے اے خضر کیونکہ آب حیواں کو
نصیب اس کا تیری سا سکندر ہو تو پی جائے

کہے کھول کر وہ زلف اتنی ساغرے میں
کوئی آشفتہ زلف معنبر ہو تو پی جائے

تنک اب اس قدر مست جان جشئے کو محبت کے
دلا تو ایک کیا گر ایک لشکر ہو تو پی جائے

کہیں ہیں جس کو حب جاہ تیغ تشنہ خوں ہے
عزیزو باگر خون برادر ہو تو پی جائے

ظفر غصے کو دل میں کون پی سکتا ہے کیا قدرت
کسی کا ظرف تیرے ہی برابر ہو تو پی جائے

اک نگہ دیکھ نگارا مجھے
کم نگہی نے مارا مجھے

عمر بہت دیدار کی امید پر
تلخی ہجراں سے گوارا مجھے

اس نے پکارا تھا کسی اور کو
میں نے یہ جانا کہ پکارا مجھے

خال رخ یار کا سرگشتہ ہوں
لایا ہے گردش میں ستارا مجھے

نفع کی امید تھی لیکن ہوا
زلف کے سودے میں خسارا مجھے

آج اگر آنکھ چرائی تو کیا
یاد ہے وہ کل کا اشارا مجھے!

ہر دو عالم سے غرض کچھ نہیں
ایک تصور ہے تمہارا مجھے!

ہوتے ہو اک بات پر تم کیوں خفا
حال ابھی کہنا ہے سارا مجھے!

ہم نفس و دلبر عیسیٰ نفس
کیوں نہ لگے دل سے پیارا مجھے

جس نے کہ ٹھکرا کے مری نعش کو
زندہ کیا آج دوبارہ مجھے

سچ تو ظفر یوں ہے کہ جز فخر دیں
اور نہیں کوئی سہارا مجھے

مریض عشق ترا کیا دوا سمجھ کے پیے
جو گھونٹ زہر کے آب بقا سمجھ کے پیے

جگر کے کرتے ہیں ٹکڑے یہ پارۂ الماس
پیے جو اشک کوئی مبتلا سمجھ کے پیے

کہاں نصیب کہ قلیاں ہمارے ہاتھوں سے
ہمیں بھی اپنا کوئی آشنا سمجھ کے پیے

مرے لہو کا وہ پیاسا ہے پر اسے کہہ دو
یہ خون سوختہ جاں ہے ذرا سمجھ کے پیے

شراب عشق سے کیفیت بقائے ابد
وہ دیکھے آپ کو جو یاں فنا سمجھ کے پیے

تمہارے تشنۂ بوسہ کو دیں جو شربت قند
تو ہے یقین کہ نہ وہ بے مزا سمجھ کے پیے

تمہارے پاؤں بھی دھو کے پیے یہ عاشق زار
پر اس کو فائدہ کیا اور کیا سمجھ کے پیے

نہ اس کو فہم کلام اور نہ تجھ کو ضبط کلام!
کہو ظفر سے پیے گر نشہ سمجھ کے پیے

آ کے دیدار کی بندوق دکھا تو دا ہے
کیا کرے دشت میں گر کان نہ آہو دا ہے

لوٹے مرا دل بے تاب ترے پاؤں پہ حیف
رحم آئے نہ تجھے پاؤں تلے تو دا ہے!

سر مژگاں پہ کہاں ٹھہر سکیں پارۂ دل
کہ چلے آتے ہیں بے ساختہ آنسو دا ہے

نبض دیکھے ترے بیمار محبت کی اگر
انگلی دانتوں کے تلے اپنی ارسطو دا ہے

قسمت اس صید ستم دیدہ کی جس کو دم ذبح!
چڑھ کے سینے پہ وہ قاتل تہ زانو دا ہے

پنجۂ شانہ کے قائل ہوں سازی کا
تل ہے با فسوں کہ ترے سا فتی گیسو دا ہے

اگیں سبزے کی جگہ خاک اسے پھر نشتر خسار
اپنے مجنوں کی جو تو فصد کا لوہو دا ہے

جو کہ ہے خاک نشیں اور ہے میخانہ ظفر
مسند جاہ پہ جمشید کے پہلو دا ہے

کہ ان کے دیکھتے ہی اپنی حالت ایسی ہوتی ہے
کہ سب کہتے ہیں توبہ ہائے چاہت ایسی ہوتی ہے!

دکھا دے باغ میں گل رو رگ گل کو کمر اپنی
کہ نازک اس کو کہتے ہیں نزاکت ایسی ہوتی ہے

نہ رکھے دل میں صاف خوب وحشت سب منہ پر
بجز آئینہ کس کی صاف طینت ایسی ہوتی ہے

مے گلگوں بلوریں جام میں وہ بھر کے کہتے ہیں
نشے میں اپنے بھی چہرے کی رنگت ایسی ہوتی ہے

نہ ہوتا اس کا پاس آبرو تو ابر سے کہتے!
کہ گریہ اس طرح کرتے ہیں رقت ایسی ہوتی ہے

غبار آلودہ خط سے رخ کا آئینہ ہوا دیکھا!
کہ رکھتی دل میں عاشق کے کدورت ایسی ہوتی ہے

دکھا کر وہ مجھے تصویر مجنوں کی یہ کہتے ہیں
کہ جو ہوتے ہیں عاشق ان کی صورت ایسی ہوتی ہے

اٹھا جو برقع فانوس منہ سے شمع محفل کے
ہوا پروانہ جل کر خاک غیرت ایسی ہوتی ہے

ظفر مت پوچھو جو کچھ ہم میں ان میں ربط ہے باہم
کہ نے یار ایسے ہوتے ہیں نہ الفت ایسی ہوتی ہے

اگر غفلت کا پردہ ہم اٹھاتے اپنی آنکھوں سے
تو جو واں دیکھتے یاں دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے

ہمیں رونے سے تو کیوں روکتا ہے دمبدم ناصح!
تجھے کیا ہم ہیں اشکِ خوں بہاتے اپنی آنکھوں سے

بلا سے آپ ہی پیغامبر ہم اپنے ہو جاتے
کہ جاتے واں ور اس کو دکھاتے اپنی آنکھوں سے

ملائیں گے نظر کس سے کہ وہ بے دید ہیں ایسے
نہیں آئینے میں آنکھیں ملاتے اپنی آنکھوں سے

شبِ فرقت ہمیں اے آسماں آنکھیں دکھاتا ہے
ستارے یہ نہیں ہم کو ڈراتے اپنی آنکھوں سے

برنگِ اشکِ سرمہ آلودہ ہم اب اے سیہ بختی!
نظر کس کی چڑھے ہیں سب گراتے اپنی آنکھوں سے

تمہاری شوخ چشمی سے بچے آہو نہ کیوں سیکھے
کہ تم انساں کو وحشی ہو بناتے اپنی آنکھوں سے

جو وہ آنکھوں میں آیا کون اس کو دیکھ سکتا تھا
قسم آنکھوں کی ہم اس کو چھپاتے اپنی آنکھوں سے

ظفر گریہ ہمارا کچھ نہ کچھ تاثیر رکھتا ہے!
انھیں ہم دیکھتے ہیں مسکراتے اپنی آنکھوں سے

آنکھ اس قاتل کی سو باری دمِ کشتن پھری
پر نہ زیرِ تیغ اس سرباز کی گردن پھری

صید گہ میں جب سواری تیری صید افگن پھری
رہ گئی ہر صید کی تیری طرف گردن پھری

ہو چکا موسم خزاں کا آئی گلشن میں بہار
کیا تری تقدیر پھر اے طائرِ گلشن پھری

لگ چکا تھا کے مرے زخمِ جگر پر چارہ گر!
بخت کی برگشتگی سے آ کے ہی سوزن پھری!

جوں نظر تیری پھری ہم کو ہوا عین الیقیں
کچھ طبیعت دوستوں سے تیری اے دشمن پھری

کوئی گل ایسا نہ پایا جس میں ہو بوئے وفا!
ڈھونڈتی ہر چند بادِ صبح سو گلشن پھری

ہے یہ خوبی بختِ برگشتہ کی جو یوں مجھ سے آہ
صف کی صف مژگاں کی تیری اے بتِ پرفن پھری

خاک مجنوں سے ہوئی اتنی مکدر تو صبا!
مدتوں صحرا بصحرا جھاڑتی دامن پھری

تیری جانب سے ظفر شاید دل اس کا پھر گیا
ورنہ کیا باعث کہ آتے ہی نظر چتون پھری!

ظاہر ہیں کیا ظہور کے مظہر نئے نئے
جلوے ہیں اس کے پردے کے اندر نئے نئے

ہوں زخم میرے دل پہ نہ کیوں کر نئے نئے
اور امتحاں وہ کرتے ہیں خنجر نئے نئے

صیاد یا اسیر بنیں چلیں تو کیا کریں
ہیں دام میں پھنسے ابھی آ کر نئے نئے

ناز و ادا و غمزہ تو ہیں شیوۂ قدیم
لیکن ان کے اور ہیں اکثر نئے نئے

جن جن کے یہ پرانے پرانے ہیں مقبرے
تھے ان کے واسطے بھی یہاں گھر نئے نئے

دل توڑے محتسب کا الٰہی کہ اس نے آج
کیا بت کدے میں توڑے ہیں ساغر نئے نئے

آغازِ خط سے کیا ہی نکالے ہیں دیکھنا
طوطیِ باغِ حسن نے یہ پر نئے نئے

کل ٹکڑے ٹکڑے خط کو کیا نامہ بر کو آج
کترے ہے روز گل یہ ستم گر نئے نئے

اک داغِ دل کا کہنہ ہوا یہ تو پھر بھرے
پیدا ہزار داغِ جگر پر نئے نئے

کرتی ہے تازہ فتنہ بپا گردشِ فلک
لاتی ہے ہم سے روز یہ چکر نئے نئے

اک دل ہے اس کو دیجیے کس کس کو اے ظفر
آتے نظر ہیں سیکڑوں دلبر نئے نئے

مچا سا کب خط رخسار دلبر کے نیچے ہے
لیے بیٹھے کو طوطی اپنے بال و پر کے نیچے

تصور اس کی مژگاں کا مجھے سونے نہیں دیتا
بچھا دیتا کوئی نشتر مرے بستر کے نیچے ہے

طلب کرتا ہے جا آب خضر آب تیغ قاتل ہے
غرض جو سبز بخت اس گنبد اخضر کے نیچے ہے

بنایا خال عارض کے تلے حل اس نے کاجل کا
ہوا پیدا اک اختر اور اس اختر کے نیچے ہے

ہوا ہے جیسا داغ گل بلے اس طرح سینے میں
کف ساقی کو رعشہ دمبدم ساغر کے نیچے ہے

مری آواز زیر بام سنتا ہے تو پھر وہ ہیں
اتر جاتا وہ کوٹھے سے بہانہ کر کے نیچے ہے

قلق سے دمبدم گردن ترے صید محبت کی
کبھی شمشیر کے اوپر کبھی خنجر کے نیچے ہے

خیال بالش سے پر پری رو نیند اڑتی ہے
ترے جو آستاں کا سنگ میرے سر کے نیچے ہے

ظفر شیریں سنگین دل سے کیا چالاک دستی ہے
کہ دست کوہ کن تو دب گیا پتھر کے نیچے ہے

کس کے ابرو کی مری تصویر آنکھوں میں پھری
میل سرمہ کی جگہ شمشیر آنکھوں میں پھری

اس پری رخسار نے کھولی جو اپنے منہ پہ زلف
وحشیوں کی صورت زنجیر آنکھوں میں پھری

خواب میں دیکھا کیا میں قصر جنت رات بھر
اس کے گھر کی جو مری تعمیر آنکھوں میں پھری

شمع کیا خورشید سے بھی بھر گئی میری نظر
جب کہ اس کی شکل پر تنویر آنکھوں میں پھری

جب پھر آیا وہ شکار افگن کہ تکتے تکتے راہ
پتلی آنکھوں کی تری بے تیر آنکھوں میں پھری

سبزۂ خط دیکھ کر رخ پر ترے اے سرو دہرا!
اک بہار گلشن کشمیر آنکھوں میں پھری

نالۂ دل سے ظفر کے اک سلائی نیل کی
تیری آخر آسمان پیر آنکھوں میں پھری

جہاں میں ہم تو غم آلودہ اک جہاں کے رہے
رہے اسی میں یہاں کے رہے نہ واں کے رہے

شب فراق نہ پوچھو کہ کس طرح گزری
ستارے گنتے ہم آنکھوں سے آسماں کے رہے

نہ عزم کعبہ کیا اور نہ قصد بت خانہ
کہ ہم تو خاک نشیں اس کے آستاں کے رہے

پہنچ گئے سر منزل تو ہم سفر اور ہم
بھٹکتے گرد و صفت پیچھے کارواں کے رہ کے

بہ رنگ غنچۂ تصویر کچھ نہ بولے ہم!
سدا خموش تصور میں اس دہاں کے رہے

غرض رہی نہ ہمیں کچھ بھی دین و ایماں سے
فریفتہ جو رخ و زلف پر بتاں کے رہے

ٹھکانا جب نہ رہا کوئے یار میں اپنا
تو اے ظفر یہ بتا ہم کو ہم کہاں کے رہے

ادھر تو موت کی خواہش میں بسمل ہاتھ ملتا ہے
ادھر کو غم بسمل چھوڑا قاتل ہاتھ ملتا ہے

تمنا ہے جسے تیرے لب شیریں کے بوسے کی!
مگس کی طرح اے شیریں شمائل ہاتھ ملتا ہے

کسی کا دل جو تڑپے کر اپنے تو ملتا ہے پاؤں سے
تو کیا کیا حسرتوں سے تیرا بیدل ہاتھ ملتا ہے

چلا محفل سے کس کو چھوڑ کر بے تاب تو ایسا!
کہ شعلہ شمع کا اے زیب محفل ہاتھ ملتا ہے

قدم اٹھتا نہیں جب ضعف سے ہمراہ ناقے کے
تو مجنوں دیکھ کر کیا سوئے محفل ہاتھ ملتا ہے

کف افسوس تو ملتے ہیں ہم محو تصور میں!
قضائے شغل میں جس طرح شاغل ہاتھ ملتا ہے

ہوا سے برگ گل ملتے نہیں اے غیرت گل اب
چمن میں گل بھی تجھ پر ہو کے مائل ہاتھ ملتا ہے

رکھا ہے عشق میں اس راہ پر ہم نے قدم اپنا
کہ جس رہ میں خضر سا میر منزل ہاتھ ملتا ہے

دیا اللہ نے ایسا کمال عشق انساں کو!
فرشتہ دیکھ کر انسان کامل ہاتھ ملتا ہے

ظفر مشکل پسندی تیری سی اب کس کو آتی ہے
سخنور دیکھ کر یہ طرز مشکل ہاتھ ملتا ہے

دبائے دل کو جو مژگان یار ہاتھ لگے
اچھل پڑے کہ یہ آیا شکار ہاتھ لگے

دیا نشے میں جو گیسو کا تار ہاتھ لگے
جھجھک کے بولے کہ شاید ہے مار ہاتھ لگے

ہزار پھیریے ہاتھ اس رخ خط پہ
کوئی مٹے ہے یہ خط غبار ہاتھ لگے

بچی رہے گی نشانی جو تم چھپاتے ہو!
دکھا ہے آپ نے چھلا تار ہاتھ لگے

جدا نہ کیوں خط دنبالہ سے ہو دست مژہ
کٹے ہے تیزی سے خنجر کی دھار ہاتھ لگے

کسی کے عارض نازک پہ جیسے پھیرا ہاتھ!
لگے ہے جتنا رگ گل بھی خار ہاتھ لگے

فلک کے دست تصرف میں کہکشاں ہے یوں
عصا کو جیسے رکھے شوبدار ہاتھ لگے

تونگروں میں بھی ہو وہ گدا نہ بالا دست
کہ ایک ہاتھ ہو جس کا ہزار ہاتھ لگے

دکھائے دست حنائی جو وہ تو دیکھ بہار
ظفر ہے پیار کی رنگ بہار ہاتھ لگے

جام چشم یار ہے ساغر کے درکار ہے
اور علاوہ اس کے گردن بھی صراحی وار ہے

سرمہ تحریر سے کب زیب چشم یار ہے
سرمئی ڈورے سے باندھا آہوئے تاتار ہے

مسجد و بتخانہ میں کیا فرق ہے دونوں ہیں ایک
ایک سے ہیں سنگ و خشت اور ایک سی دیوار ہے

ہے گلوگیر اپنی جس دن سے بتوں کی دوستی
تار رشتک اپنے گلے میں رشتۂ زنار ہے

عشق کے آنے کو مانع ہے ہوس دل سے اٹھا
پہلے دروازے پہ دل کے یہی چوکیدار ہے

دیکھنا اس مہ جبیں کی مانگ بینی کے قریب
ملک دل کی سمت رو نے اختر و مدار ہے

آمد و شد نے نفس کی دی ظفر ساری خبر
سوئے ہستی و عدم قاصد کے درکار ہے

کہیں کس وجہ ہم منہ سے نہیں کچھ کام ان سے ہے
حوالے ان کے زلفوں کے ہے اپنا ملت ومذہب
رقیب اور ہم ہیں دونوں اس کو یکساں ہائے اے
قسمت
کبھے پند معزان جنوں ہیں کن کے سمجھائے
نہیں مہ چرخ پر نکلا چڑھے وہ اپنے کوٹھے پر
جو شکل طائر تصویر سب سے بے تعلق ہیں
بغیر ان کے کہاں بستر آرام پر راحت
کبھی ہم کو کبھی اوروں کو دیتے ہیں دلاسے وہ

ہو لہذا نام عالم میں ہمارا نام ان سے ہے
تعلق رکھتا اپنا کفر و اسلام ان سے ہے
کہ الفت صبح ہم سے ہے محبت شام ان سے ہے
ارے ناصح تجھے یہ کیا خیال خام ان سے ہے
کہ یہ وحشی سی ہے کتنا رام ان سے ہے
نہ مذہب باغ ان سے ہے نہ مذہب دام ان سے ہے
مرے آرام جاں وہ ہیں مجھے آرام ان سے ہے
ادھر پیغام ہم سے ہے ادھر پیغام ان سے ہے

بھرے بیٹھے ہیں وہ غصے میں بوسے مانگتے ہو تم
ظفر شاید کہ تم کو خواہش دشنام ان سے ہے

جب کوئی کہتا ہے ہستی کو کہ ہستی خوب ہے
توبہ اے ساقی نہیں پینے کا میں جام شراب
جس طرح سے مژگاں سے میری ہیں بندھے اشکوں کے
تار
خواب میں جلوہ دکھا دیتا ہے وہ مہوش کے
راہ بہتر ہے وہ ہموار رہرو کے لیے
خود پرستی چھوڑ دو یہ بت پرستی ہے صریح
ایک عالم کشتہ ابرو ہے اس سفاک کا
ملک دنیا کی تو آبادی ہے ویرانہ تھا

اس کی غفلت پر فنا اس وقت ہستی خوب ہے
مجھ کو اپنی بادہ وحدت کی مستی خوب ہے
اس طرح جھڑی نہیں کوئی برستی خوب ہے
چشم میری دیکھنے کو جب ترستی خوب ہے
نہ بلندی ہے بہت اچھی نہ پستی خوب ہے
نا فلوق میں تمہارے حق پرستی خوب ہے
ان دنوں میں چل رہی تیغ دو دستی خوب ہے
اور بستی ہے جہاں ایک خلق بستی خوب ہے

دین و دنیا دونوں ہوں قسمت محبت کی اگر
میں کہوں گا اے ظفر یہ جنس سستی خوب ہے

لوٹتا کیا دل پہ آہ آتشیں کا سانپ ہے
کہکشاں کا خط نہیں ہے جوش انجم میں نمود
سبز چوڑی سا عصا زک پہ اس گل کے نہیں
دیکھ کر آئینے میں وہ زلف کو جھنے لگے
بوسہ پیشانی کا لیں کیونکر کہ ڈر ہے جان کا
روزن تربت سے دل تنگوں کا کیا نکلے ہے دود

بلکتا راشک بھی اک آتشیں کا سانپ ہے
کنگروں میں یہ بڑا اچھا رخ چرخ کا سانپ ہے
شاخ گل پر صاف لپٹا یا کسی کا سانپ ہے
بند پانی میں پڑا اطرفہ کہیں کا سانپ ہے
کاٹنے کو دوڑتا ہے چین جبیں کا سانپ ہے
یہ کوئی کالا غضب بازار چیں کا سانپ ہے

اے ظفر سینہ بہ سینہ تو سمجھ کر ہوجیو
خط سلی صاف یہ اس نازنین کا سانپ ہے

تنہا نہ عشق میں دل مائل پہ بن گئی
جی پر بھی وہ وہی بن گئی جو دل پہ بن گئی

دل ہی سے پوچھو عشق میں جو دل پہ بن گئی
بسمل ہی جانتا ہے جو بسمل پہ بن گئی

کیوں موج گل سے پائے نہ زنجیر سے بہا
دیوانہ کس کے حسن و شمائل پہ بن گئی

خوش ہے جسے کہ غم نہیں انجام کار کا
اندیشہ مال میں عاقل پہ بن گئی

برپا ہو کیوں نہ خانہ زنداں میں روز غل
میرے جنوں سے اب تو سلاسل پہ بن گئی

پہنچی نہ رہ روان عدم کی جو کچھ خبر
کیا جانے کیسی جاتے ہی منزل پہ بن گئی

ناخن پہ رفتہ رفتہ تیری سرخی حنا
تصویر ماہ نو مہ کامل پہ بن گئی

پتھر کے دل میں بیٹھ گیا نقش کوہ کن
شیریں کی صورت اس سے نہیں سل پہ بن گئی

تزئین جو دی وفا نے تو میرے لہو کی چھینٹ
بوٹی سی ایک دامن قاتل پہ بن گئی

ہستی کے باغباں کی ظفر پوچھتا ہے کیا
جو کچھ چمن میں جان عنادل پہ بن گئی

گلشن دل سے جو کچھ گل چیدہ چیدہ آئیں گے
لخت دل یا قطرہ خوں چکیدہ آئیں گے

دل میں ہے کیا کیا کدورت پر وہ منہ پر دیکھنا
آئینے کی طرح ہو کر صاف دیدہ آئیں گے

وحشیوں کو اپنے رکھ دام گر رم کر گئے
ہاتھ تیرے یہ نہ آہوئے رمیدہ آئیں گے

منت خنجر نہ کھینچیں گے ترے سرباز عشق
مثل ماہی صید گر میں سر بریدہ آئیں گے

میں نہ ہوتا ان کا خاک رہ جو ہوتی یہ خبر
خاک پڑی میری وہ دامن کشیدہ آئیں گے

اس چمن میں مثل نرگس آنکھ ہووے گی جنہیں
جب یہاں آئیں گے وہ گردن خمیدہ آئیں گے

اے ظفر جس دم کی آمد غم دل دار کی
پہلے استقبال کو آنسوئے دیدہ آئیں گے

ہم بتوں کو اپنے جذب دل سے کھنچے جائیں گے
پر بڑے پتھر ہیں یہ مشکل سے کھنچے جائیں گے

بھاگ کر جائیں گے محفل سے ہماری وہ کہاں
ہوں گے جس محفل میں اس محفل سے کھنچے جائیں گے

ایک بقعہ اس کے کاشانے کا کھنچا جائے گا
سینکڑوں نقشے مہ کامل سے کھنچے جائیں گے

لکھتے جو حرف انانیت ہیں وہ منصور دار
دار پر اس حرف لاطائل سے کھنچے جائیں گے

کشتہ کیوں ہوتے ترے عشاق گر یہ جانتے
لاشے آخر کوچہ قاتل سے کھنچے جائیں گے

ہاں مدد کر جذبہ الفت وہ دیکھیں کب تلک
آپ کو دور اپنے اس مائل سے کھنچے جائیں گے

اے ظفر ان کو طپش دل کرے ہی گی اثر
ہم جو یوں نالے دل بسمل سے کھنچے جائیں گے

کہاں خلقت عزیز و زیر چرخ پیر پھرتی ہے
یہ فانوس خیالی میں ہر ایک تصویر پھرتی ہے

نہ چرخ ایسا ہوں نے بھنور ہوں نے بگولا ہوں
مجھے تو کیوں لیے اے گردش تقدیر پھرتی ہے

نہ چھوڑا ساتھ مر کر بھی کہ تیری ساتھ ہے لپٹی
ہر اک سائے پہ روح عاشق دلگیر پھرتی ہے

ہوئی ہے جوش گل سے جوش وحشت اسقدر پیدا
کہ ہر موج ہوا پہنے ہوئے زنجیر پھرتی ہے

تمہیں آتا ہے نظر یہ چرخ خواب اے غافلو کیونکر
کہ شب کو کہکشاں کھینچے ہوئے شمشیر پھرتی ہے

اترتے ہیں گلے میں گھونٹ آب زندگانی کے
چھری جب حلق پر قاتل دم تکبیر پھرتی ہے

ظفر کو منزل مقصود تقدیر لے پہنچی
کدھر بھٹکتی ہوئی سی عقل بے تدبیر پھرتی ہے

جستجو اب اور ہے تدبیر پہلے اور تھی
گفتگو اب اور ہے تقدیر پہلے اور تھی

میں کروں کیوں کر نہ اپنے نالہ ہائے دل کو ضبط
اور ہے تاثیر اب تاثیر پہلے اور تھی

روز روز وصل تھا یا اب شب ہجراں ہے روز
یا الٰہی کیا مری تقدیر پہلے اور تھی

زلف سے چھٹ کر ہوا دل خط کے حلقے میں اسیر
طوق ہے پیچھے ہوا زنجیر پہلے اور تھی

میرے دل نے کر دیا مجھ کو سبک یاں ورنہ یار
تیری محفل میں مری توقیر پہلے اور

خاک ہو کر عشق میں ہم ہو گئے اکسیر آپ
ورنہ ہم کو خواہش اکسیر پہلے اور تھی

اس بنا کا کیا بھروسہ ہے کہ منعم جہاں
ہے تری تعمیر واں تعمیر پہلے اور تھی

ہو گئی قسمت سے میری کند تیرے وقت قتل
تیز اے قاتل تری شمشیر پہلے اور تھی

دیکھ کر ہم کو ظفر بدلا ہے تو نے یہ ورق
ورنہ تیرے ہاتھ میں تصویر پہلے اور تھی

بھوؤں کی جنبش سے اگر چین جبیں مل جائے گی
چین کی بھونچال سے یکسر زمیں مل جائے گی

پردہ کھل جائے گا مردم گریہ خاموش کا
چشم تر پر ہے جو میری آستیں مل جائے گی

شمع سوز عشق میں ہر چند ہے ثابت قدم
دیکھ کر پر میری آہ آتشیں مل جائے گی

تاب عارض سے ترے بجلی سی ایک جاوے گی کوند
غرفے سے چلمن جو اے پردہ نشیں مل جائے گی

مضطرب دل کو نہ کر نا دور کی سوجھی تجھے
کیونکہ ٹھہرے گی نظر گر دوربیں مل جائے گی

سیلی باریک روئے مہ پہ موج دود دل
گر ہوا اے رخ پہ زلف عنبریں مل جائے گی

لی جو زیر خاک کروٹ عاشق بے تاب نے
تیغ خارا اے دل اندوگیں مل جائے گی

دیکھنا کیا کیا جھڑیں گے پھول اشکوں کے اگر
شاخ مژگاں گر تیری اے مہ جبیں مل جائے گی

اب تو پھڑکے ہے قفس میں بلبل تازہ اسیر
کوئی دن کو دیکھنا اس کو یہیں مل جائے گی

اے ظفر زیر و زبر ہوگا دو عالم دیکھنا
گر صف مژگان چشم خشمگیں مل جائے گی

اب ناز و نگہ درپے آزار ہیں دونے
بیمار تری آنکھوں کے بیمار ہیں دونے

کس دن ہوئے سیراب ترے چاہ ذقن سے
ہم روز ترے تشنۂ دیدار ہیں دونے

جوں جوں کہ انھیں پیار جتاتا ہوں میں اپنے
ہوتے مری صورت سے وہ بیزار ہیں دونے

گن ان کی برابر ستاروں کو فلک کے
سینے کے مرے داغ نمودار ہیں دونے

بد مست رہیں میکدۂ عشق کے مے خوار
بیہوشی میں تو اور بھی ہشیار ہیں دونے

بے قند کرے کیسے کام کر اس سے
شیریں ہیں ترے لعل شکر بار ہیں دونے

افراط غم و رنج جدائی میں نہ پوچھو
شب جو گئے ہیں دن کو اگر یار ہیں دونے

زلفوں سے تری ہووے گا سودا دل کا
۳۱ جنس کے دام اب مجھے دکھائیں دونے

جنسی کرے جو کیا اب ظفر جنس محبت
ہم اپنے ہی اور اس کے خریدار ہیں دونے

جان دے اپنی جو ماہ تمکیں کے واسطے
چادر مہتاب ہو اس کے کفن کے واسطے

اس قدر ہے لاغری اس خستہ تن کے واسطے
کم نہیں اک برگ گل دو پیرہن کے واسطے

واسطے اس جنبش مژگاں کے جو ہے نوک جھونک
وہ کہاں ہے نیزہ بازاں دکن کے واسطے

چین ابرو پر تری کافر نہیں کچھ خوشنما
چین زیبا ہے تو زلف پر شکن کے واسطے

ہوں تو نخل بے ثمر جوں سرو میں اے نخل بند
پھر لگا رکھ تو مجھے زیب چمن کے واسطے

اگر جادو تو اس کے چشم جادو کے لیے
سحر ہے تو اس نگاہ تیغ زن کے واسطے

خاک سے اشک چکیدہ کی طرح اٹھتا ہے کب
خاک غربت ہے وطن جس بے وطن کے واسطے

ہر شرار سنگ توڑے عشق سے ہے اک چراغ
چاہیے کیا شمع گور کوہ کن کے واسطے

نہ سپہر و ہفت اختر ' چار عنصر شش جہت
اے ظفر جو کچھ بنا سو پنج تن کے واسطے

کسی عاشق کا تر اشکوں سے یہ خواب دیدہ ہے
گل نرگس جو شبنم سے چمن میں آب دیدہ ہے

بجائے بادہ بھر کر خون دیتا ہوں آنکھوں میں
کہ دل شیشہ ہے اور جام شراب ناب دیدہ ہے

مرے اشکوں کا دریا کر رہاتی ہے طغیانی
نظر آتا ہر اک حلقہ گرداب دیدہ ہے

نہ آیا ماہ وش اور انتظار اس کا کیا یاں تک
سفید اپنا ہوا یاں صورت مہتاب دیدہ ہے

دل بیتاب سے میرے جو ہمسر ہو کے اڑتا وہ
ہوائی ہو گیا کیوں تیرا اے سیماب دیدہ ہے

نہ پوچھو شوق دیدار اس پری وش کا کہ آنکھوں میں
ہر ایک اشک اور ہر اک قطرہ خوناب دیدہ ہے

سیاہی مردمک کی داغ لالہ سے مشابہ ہے
کہ ہر ایک لخت دل سرخاب ہے تالاب دیدہ ہے

ہمارا جوش گریہ بھی عجب بارو تماشا ہے

ظفر اس کی جدائی میں ہے یہ حال دل و دیدہ
کہ رہتا رات دن بیتاب دل بیخواب دیدہ ہے

کہاں ہے چشم میں دنبالہ اس ترک پری رو کی
نکل آتی زباں ہے منہ سے باہر مست آہو کی

کرے صدقے ہلال عید کو ہو کر بلا گرداں
فلک پر چھائیں بھی دیکھے گر ان رخسار و ابرو کی

پھپھولے اشک شوریدہ سے ہوں کیونکر نہ کانٹوں پر
نہیں تیزاب سے کم کچھ ہماری بوند آنسو کی

خدا گویائی دے گر رات دن کو تو قسم کھائیں
تمہارے عارض پرنور کی اور تاب گیسو کی

مقرر اس کو کاٹا ہے مرے سالے کے افعی نے
کہ جس کے زہر سے نیلی ہے رنگت چرخ مینو کی

طبیبو کھلکھلے کے واسطے مجھ کو سنگھاتے ہو
مری تفریح کو کافی ہے بو زلف سمن بو کی

برنگ نقش تصویر گلشن مجھ کو حیرت ہے
اگر تصویر دھروں باغ میں میں اپنے گل رو کی

عجب کیا وہ نگاہوں میں جو تو نے ایک عالم کو
بعینہ چشم و ابرو ہیں وہ ہم صورت ترازو کی

نہیں کوئی عزیز اصلا سوائے رب عزت کے
سفید اب ہو گئی رنگت عزیزوں کے ہے لوہو کی

خموشی بے سبب تیری نہیں ہے اے ظفر اتنی
مگر تو چپکے چپکے دیکھتا ہے بات قابو کی

ڈبوتا چرخ کا کیا چشم نم پیچھے نہیں پڑتے
کسی کے دھوکے اتنے ہاتھ ہم پیچھے نہیں پڑتے

وہ کس دن لے کے شمشیر ستم پیچھے نہیں پڑتے
پر اپنے عشق میں بڑھ کر قدم پیچھے نہیں پڑتے

بھویں تو ہو نہ غصے میں ہمارا دم نکلتا ہے
کسی کے لے کے یوں تیغ دو دم پیچھے نہیں پڑتے

خوشی سے دے اگر بوسہ تو بہتر ہے مروت میں
وگرنہ ہم ترے سر کی قسم پیچھے نہیں پڑتے

ستم تیرے کہاں تک سہئے اپنی جان جاتی ہے
کسی کی جان کے اے پرستم پیچھے نہیں پڑتے

اٹھاتے ہیں وہ مجھ پر تیغ جل کر دست نازک سے
کبھی منہ پر پس کے خم پہ خم پیچھے نہیں پڑتے

تمہارے پاس رسوائی سے میں نالہ نہیں کرتا
وگرنہ کب مرے درد و الم پیچھے نہیں پڑتے

ترا وحشی ترے کوچے کے ہی یوں گرد رہتا ہے
سمجھ کر لوگ اے صید حرم پیچھے نہیں پڑتے

یہ دل شیشے سے بھی نازک ہے ناحق ٹوٹ جائے گا
بہت اے عشق لے کر سنگ غم پیچھے نہیں پڑتے

ہوئے جاتے ہیں بقدر داغ چرخ اے عشق دل ہی میں
جگر کو دوں کہاں سے کچھ درم پیچھے نہیں پڑتے

کہاں طاقت پڑے سدہ ترے دلگیر کے آگے
کبھی دیوار کے بھی اے صنم پیچھے نہیں پتے

غزل یہ ایک کیا کتنی ہی ایسی پھینک دیں لکھ کر
ظفر ہم لے کے قرطاس و قلم پیچھے نہیں پڑتے

یہ عکس زلف جاناں کب خط دلبر کے اوپر ہے
چمن میں لوٹتا کالا گیاہ تر کے اوپر ہے

یہ کب عکس مژگاں اس رخ دلبر کے اوپر ہے
یہ پر چھائیں چکوروں کی مہ انور کے اوپر ہے

کسی سرباز تشنہ لب کی آنکھ آب خنجر پر
نہیں ہے حلقہ جوہر ترے خنجر کے اوپر ہے

جگر کے آبلوں کی خیمہ گر کوئی تماشا ہے
عجب رونق پیارے غم کے اس لشکر کے اوپر ہے

دلوں میں بات یہ سنگین دلوں کے آہ رہتی ہے
کہ جیسے نقش آ جاتا کوئی پتھر کے اوپر ہے

سرِ ہستی ہے شہرت حسن کے وہ داغ چیچک کا
دھرا طبل سکندر سدا اسکندر کے اوپر ہے

لب رنگین پہ یوں ہے خال گویا چشم ساقی کا
یہ عکس مردمک جام مے احمر کے اوپر ہے

سرِ بینی کہاں ہے ابروؤں میں خال کاجل کا
ہلال آیا نظر مسجد میں یہ منبر کے اوپر ہے

تمنا تاج شاہی کی نہ کر ہے بوجھ دنیا کا
کفایت سایہ حق اے ظفر بس سر کے اوپر ہے

اس راہ پر جو ایک جگہ جم کے بیٹھ جائے
مانند نقش پا سر رہ جم کے بیٹھ جائے

دیتی نہیں صفائی ٹھہرنے نگاہ کے پاؤں !
اس رخ پہ وہ میری نگہ جم کے بیٹھ جائے

نم گریے کی ہمارے جو پہنچے تو پھر ابھی !
گردوں کے نہ ورق کی بھی تہ جم کے بیٹھ جائے

خیاط تو بہار کی صنعت نہ ہو تو پھر
گر زخم دل پہ اس کی مژہ جم کے بیٹھ جائے

ٹانکے سے چھوٹنے کے وہ بہتر ہے چارہ گر !

اس رخ پہ حلقہ زن خط مشکیں ہے یوں ظفر
دولت پہ جیسے مار سیہ جم کے بیٹھ جائے

جو تماشا دیکھنے دنیا میں تھے آئے ہوئے
کچھ نہ دیکھا پھر چلے آخر وہ پچھتائے ہوئے

فرش مخمل پر بھی مشکل سے جنہیں آیا تھا خواب
خاک پر سوتے ہیں اب وہ پاؤں پھیلائے ہوئے

جو مہیا یک ناہستی میں ہیں مثل حباب
ہوتے ہیں اول ہی سے پیدا وہ کفنائے ہوئے

غنچے کہتے ہیں کہ ہوگا دیکھئے کیا اپنا رنگ
جب چمن میں دیکھتے ہیں پھول کملائے ہوئے

غافلو اس اپنی ہستی پر کہ ہے نقش برآب
موج کی مانند کیوں پھرتے ہو بل کھائے ہوئے

بے قدم نقش قدم کب بیٹھ سکتا ہے کہ ہم
آپ سے بیٹھے نہیں بیٹھے ہیں بٹھلائے ہوئے

اے ظفر بے آب رحمت اس کے کیونکر بجھ سکے
نفس سرکش کے جو یہ شعلے ہیں بھڑکائے ہوئے

ہر کہیں مجھ کو تماشائے جہاں ایک سا ہے
کر تصور ترا اے راحت جاں ایک سا ہے

خانہ دل میں مرے ایسا سمایا وہ یار !
ہو گیا دل کے مکیں اور مکاں ایک سا ہے

مہ میں کیا مہر میں کیا شعلہ میں کیا برق میں کیا
جلوہ حسن تراب سب میں عیاں ایک سا ہے

چمن دہر میں وہ بلبل تصویر ہوں میں !
کہ مجھے رنگ بہاراں و خزاں ایک سا ہے

شمع گر رات کو جلتی ہے تو دن کو بجھتی
جلنا دن رات ترا سوختہ جاں ایک سا ہے

وہم کچھ اور تجھے مجھ کو گماں ہے کچھ اور !
میرا اور تیرا نہیں وہم و گماں ایک سا ہے

اے ظفر ساغر جم سے نہیں کم ساغر دل
دیکھا دونوں میں تماشائے جہاں ایک سا ہے

یاد چشم مست میں اس کی یہ کیفیت رہی
ہوش باطن میں رہا ظاہر مجھے غفلت رہی

جس کے پیش چشم تیری ایک دم صورت رہی
صورت آئینہ اس کو مدتوں حیرت رہی

جس نے اس کی زلف کو چھیڑا اسے سودا ہوا
جس نے اس کی چشم کو دیکھا اسے حیرت رہی

کیا کہوں اس وقت پوچھا تو نے آ کر حال دل
بات کرنے کی بھی اے ہمدم نہ جب طاقت رہی

کیا کہوں کیا کیا رہی سرگرمی عیش ونشاط
جب تلک اس شمع رو سے گرمی صحبت رہی

زخم تیغ عشق تازہ ہی رہے یا رب مدام
اس جراحت سے مرے دل کو عجب راحت رہی

عرصہ ارض و سما دونوں ہیں جس کے بار عام !
ہم سے اس کے خانہ دل میں ظفر خلوت رہی

صبر کرصبر تو اے دل تجھے کچھ ہوا ہے !
ہو نہ بیتاب کر حاصل تجھے کچھ ہوا ہے

تو نے بے جرم کیا قتل تو ہے عاشق کو
اس کا بدلہ کبھی قاتل تجھے کچھ ہوا ہے

خاک پر کوچہ قاتل کو پڑا شوق سے لوٹ
کر اسی خاک میں بسمل تجھے کچھ ہوا ہے

روکشی کرتا ہے تو ماہ جبیں سے لیکن !
اس میں نقصاں مہ کامل تجھے کچھ ہوا ہے

خواب غفلت میں پڑا سوے گا کب تک بدمست
ہو تو ہوشیار جو غافل تجھے کچھ ہوا ہے

خاک ہونے سے دلا پہلے ہو تو خاک کر پھر
نہ ہو اہے نہ تہ گل تجھے کچھ ہوا ہے

اے ظفر پیش نظر یار کی تصویر کو رکھ
اس کے ہونے سے مقابل تجھے کچھ ہوا ہے

یہ جہاں کا آئنہ خانہ پری خانہ سا ہے
جو یہاں ہشیار آتا ہے وہ دیوانہ سا ہے

کوئی اس سے بادہ کش ہے کوئی ہے خونابہ نوش
یہ جو گردوں رات دن گردش میں پیمانہ سا ہے

آشنائی گر نہ ہو تجھ سے تو ہے کون آشنا
آشنا نا آشنا ہے اپنا بے بے گانہ سا ہے

جس کو تو نے اپنا جلوہ شمع رو دکھلا دیا
گرد پھرتا تجھ پہ جی سے گرد پروانہ سا ہے

تو کہے تو زلف آنکھوں سے تری سلجھائیں ہم
یہ ہمارا پنجہ مژگاں بھی اک شانہ سا ہے

علم سینہ ہو ترا رشک بوعلی سینا ہے تو
یہ جو سینے میں ترے دل ہے کتب خانہ سا ہے

اے ظفر رونا پڑے دولت سے اس کے عشق میں
جو ہے قطرہ اشک کا موتی کا اک دانہ سا ہے

راہ صحرا نے جنوں کی جبکہ ہم لینے لگے !
خار صحرائے جنوں بڑھ کر قدم لینے لگے

ذائقے سب ہو گئے معلوم دل کی لاگ سے
جب مرے ہم بند کر کے چشم نم لینے لگے

اور بھڑکی آتش غم اور دل جلنے لگا !
سانس جو ہم ٹھنڈی ٹھنڈی دمبدم لینے لگے

کیا حلاوت ہے کہ جو دونوں لب زخم جگر
یوں لپٹ کر بوسہ تیغ دو دم لینے لگے

دیکھو ناوانی کہ دے کر دل ہم اس بے مہر سے
مول اپنے واسطے سورنج و غم لینے لگے

اے پری رو تیرے دیوانے کی یہ مشق جنوں
دشت میں ہر خار سے کار قلم لینے لگے !

اے ظفر سچ ہے کا نہیں کچھ اعتبار
عاشق و معشوق جب باہم قسم لینے لگے !

پرو انجم الفت میں ظفر کچھ نہیں اپنی !
خوبان جہاں میں سے چنا ہم نے تمہیں کو
تدبیر تو کرتے ہیں سدا وصل کی اس کے
پوچھ ان کی کمر کو جو کہا ہنس کے وہ بولے
کیوں خاک میں اے چشم ملائے ہے در اشک
جو عرش سے تا فرش ہے سب اس میں ہے لیکن

پرو انجم الفت میں ظفر کچھ نہیں اپنی !
خوبان جہاں میں سے چنا ہم نے تمہیں کو
تدبیر تو کرتے ہیں سدا وصل کی اس کے
پوچھ ان کی کمر کو جو کہا ہنس کے وہ بولے
کیوں خاک میں اے چشم ملائے ہے در اشک
جو عرش سے تا فرش ہے سب اس میں ہے لیکن

تاثیر نہ کی دل میں ظفر سنگ دلوں کے
بس دیکھ چکے آہ جگر کچھ نہیں اپنی !

کس کے عارض کی صفا شائل آئینہ ہے
جس کے باعث سے مصفا دل آئینہ ہے

خود پسند اپنی ہی صورت پہ ہوا ہے مائل
کو ان کہتا ہے کہ وہ مائل آئینہ ہے

جلوہ عارض تا بال سے ترے رشک قمر
روکش منزل مہ منزل آئینہ ہے

گر نظر قائل دیدار ہو تیری غافل
پھر تو ہر سنگ یہاں قائل آئینہ ہے

اپنے جوہر سے ہوا آئینے کو خاک حصول
ہاں مگر چین جبیں حاصل آئینہ ہے

شغل میں دل کے جو مشغول ہے اپنے ہردم
اس سے بہتر ہے کہ جو شاغل آئینہ ہے

اس کا رخ آئینہ میں دیکھ کر حیراں ہوں میں
کیونکہ آئینہ ظفر داخل آئینہ ہے

ملک فنا اور ہے ملک بقا اور ہے — یاں کی ہوا اور ہے واں کی ہوا اور ہے
زندگی و مرگ کا ذائقہ میں کیا کہوں — اس کا مزا اور ہے اس کا مزا اور ہے
قلب مصفا سے کیا آئینہ روکش ہو خاک — اس میں صفا اور ہے اس میں صفا اور ہے
ہوتے بیمار کا چارہ طبیبوں سے کیا — اس کو مرض اور ہے اس کا دوا اور ہے
میرا لہو پاؤں سے مل کر چھٹاتے ہوئے کیا — سرخی خول اور ہے رنگ حنا اور ہے
نالہ نے میں کہاں دل کو فغاں کا اثر — اس کی صدا اور ہے اس کی صدا اور ہے

اس کے ستم کو ظفر کیوں کہا دا چاہئے
طرز ستم اور ہے طرز ادا اور ہے

لپٹی ہے جو آتش عصیاں وجود سے — ٹھنڈی نہ ہووے گی مگر آب جود سے
مٹ جائے گی نمود تری دم میں اے حباب — کیوں باندھتا ہے اپنی ہوا تو نمود سے
ظالم نہ کھول تو رخ روشن پہ اپنی زلف — تاریک کر جہاں نہ مرے دل کو دود سے
سودائے عشق میں وہی ہوتا ہے کامیاب — بہتر زیاں کو اپنے جو سمجھے ہے سود سے
دیکھی ہے جس نے گردش چشم سیہ تری — ڈرتا نہیں وہ گردش چرخ کبود سے
میں وہ سیاہ کار وسیہ رو ہوں جوں نگیں — سجدے کی جا سیاہ ہو جس کے سجود سے

ہاں سچ ہے اے ظفر کہ حسد ہے بری بلا
رکھے خدا پناہ میں چشم حسود سے

یہ نفس کی آمد و شد اک ہوا کا کھیل ہے — اس ہوا بندی میں پر قدرت کا کیا کیا کھیل ہے
جان پر جو کھیلے اے دل چھیڑے وہ کس زلف کو — کیا کھلانا سانپ کا تو سہل سمجھا کھیل ہے
بس اٹھا چوسر کہ دنیا سے اٹھے جاتے ہیں ہم — ہوتا آخر کھیل میں تیرے ہمارا کھیل ہے
مجمع طفلاں جو دیکھے چشم غور سے — بولے وہ یہ عشق تو لڑکوں کا گویا کھیل ہے
نکتہ چیں مہر و مہ کو دیکھ چشم غور سے — تختہ نرد آسماں سے کیا تماشا کھیل ہے
شوق ہے اس جنگجو کو بازی شمشیر سے — بچے کا اس لئے اب اس نے سیکھا کھیل ہے

ہوشیاری سے سمجھ کر چال چلنا چاہئے
کار دنیا بھی ظفر شطرنج کا سا کھیل ہے

کسی پردہ نشیں کا ہے شوق لقا کوئی طرح اب ایسی بتا دے مجھے
کہ اٹھا کے وہ پردہ شرم و حیا ذرا اپنا جمال دکھا دے مجھے

ترے دیکھنے کے تو ہیں سینکڑوں ڈھب نہیں دیکھتا میں تو یہی ہے سبب
کہ تجلی حسن سے برق غضب کہیں ایسا نہ ہو کہ جلا دے مجھے

مجھے قتل کیا تو یہ اس نے کہا کہ تو رنج عذاب سے چھوٹ گیا !
ترے ساتھ یہ میں نے سلوک کیا مرے کشتۂ ناز دعا دے مجھے

رہی اتنی بھی طاقت و تاب نہیں کہ زمیں سے اب اٹھے یہ خاک نشیں !
ترے کوچے کی سمت بلا سے کہیں مرا گریہ شوق بہا دے مجھے

کئی زخم تو کھائے پہ آج تلک لی لذت عشق نہ زیر فلک !
مرے زخم جگر پہ چھڑک کے نمک مزا عشق وفا کا چکھا دے مجھے

لگے بات کا میری ٹھکانا کہاں کہ جب ایک سخن میں وہ سحر بیاں
کبھی عرش بریں پہ چڑھا دے مجھے کبھی فرش زمیں پہ گرا دے مجھے

نہ ہو دام علائق جسم اگر کروں گلشن قدس کی سیر ظفر
کوئی ایسا ہو کامل پاک نظر کہ جو قید سے اس سے چھوڑا دے مجھے

شوق خار و شت و انگیر ہے — اور مجنوں پائے در زنجیر ہے
جذبہ دل میں جہاں تاثیر ہے — بس وہیں جب ہے وہیں تسخیر ہے
فرق مجھ میں اور مجنوں میں نہیں ! — ایک صورت ایک سی تصویر ہے
کیا شگفتہ کر سکے باد بہار ! — دل نہیں یہ غنچہ دلگیر ہے
غفلت دنیا ہے خواب اے غافلو ! — عاقبت اس خواب کی تعبیر ہے
مصحف رخ پر ترے خط ہے کہاں — وہ کلام للہ یہ تفسیر ہے !
دل سمجھ جائے ہمارا ناصحا — دیکھیں کیسی آپ کی تقریر ہے
خانہ زنداں ہے تجھ بن صحن باغ ! — موج رنگ گل نہیں زنجیر ہے

کوچہ فخر جہاں کی اے ظفر
خاک کی چٹکی بھی بس اکسیر ہے

لکھ دیا سب کچھ اسے سب کی گواہی چڑھ گئی — کیونکہ پھر جائیں سفیدی پہ سیاہی چڑھ گئی
پوچھو اس غمزے سے کیوں کرتا ہے ناحق میرا خوں — ضد یہ کیسی تجھ کو اے جاہل سپاہی چڑھ گئی
کیا چمن اس بن مکدر ہے کہ روئے گل پہ آج — دو دو انگل گردباد صبح گاہی چڑھ گئی
لگتا ہے ہر ایک تجھ کو اس تغافل کا گلہ — دفتروں پہ دیکھ تیری کم نگاہی چڑھ گئی
دیکھیں سیر سبزہ جنت نہ کیوں وہ بسیر بخت — دھیان پہ جن کے تری پوشاک کاہی چڑھ گئی
کیوں نہ پہونچے عرش پر زاہد کہ اس کے مغز میں — بے طرح باغرور بے گناہی چڑھ گئی
اپنی آنکھوں میں سماوے کیا کسی کا بانکپن — جب نظر اس کج ادا کی کجکلاہی چڑھ گئی
دل کو گھیرا کیوں صف مژگاں سے تو نے شاہ حسن — کیوں وہ ویرانے پہ فوج پادشاہی چڑھ گئی

اے ظفر آتے ہی اس میخانہ ایجاد میں
سب کو مستی مہ سے لے کر تا بماہی چڑھ گئی

دیکھو انساں خاک کا پتلا بنا کیا چیز ہے
بولتا ہے اس میں کیا وہ بولتا کیا چیز ہے

رو برو اس زلف کے دام بلا کیا چیز ہے
اس نگہ کے سامنے تیر قضا کیا چیز ہے

یوں تو ہیں سارے بتاں غارتگر ایمان و دیں
ایک وہ کافر صنم نام خدا کیا چیز ہے

جس نے دل میرا دیا دام محبت میں پھنسا !
وہ نہیں معلوم تجھ کو ناصحا کیا چیز ہے

ہو دے اک قطرہ جو زہر اب محبت کا نصیب
خضر پھر تو چشمہ آب بقا کیا چیز ہے

مگر ہی صحت ہے اس کی مرگ ہی اس کا علاج
عشق کا بیمار کیا جانے دوا کیا چیز ہے

دل مرا بیٹھا ہے لے کر پھر مجھی سے وہ نگار
پوچھتا ہے ہاتھ میں میرے بتا کیا چیز ہے

خاک سے پیدا ہوئے ہیں دیکھ رنگا رنگ گل
ہے تو یہ ناچیز لیکن اس میں کیا کیا چیز ہے

جس کی تجھ کو جستجو ہے وہ تجھی میں ہے ظفر
ڈھونڈتا پھر پھر کے تو پھر جا بجا کیا چیز ہے

دوستی میں جس کی اپنی جان پر اے دل بنی
وہ بھی دشمن بن گیا افسوس کیا مشکل بنی

پھر گئے اس آرزو میں سینکڑوں شمشیر زن
تیرے ابرو سی نہ کوئی تیغ اے قاتل بنی

کوہکن کا کام کیا پتھر بنا کاٹے ہے وہ
ہاں مگر چھاتی پہ رکھنے کو کوئی ہے سل بنی

ملک ہستی سے ہوئے جو راہ پیمائے عدم
کچھ نہیں معلوم ان پر کیا سر منزل بنی

آدمی ہونے سے ہوتے کاش وہ ہی سنگ ہم
جس سے اس کی تختی تعویذ ہول دل بنی

اس عداوت گاہ میں ہر دوستی پر ہے شکست
جو بنی یاں سے بگڑنے ہی کے وہ قابل بنی

محو حیرت اے ظفر ہوویں نہ کس صورت سے ہم
آرسی اب اس پری رخسار کی مائل بنی !

جب دم غسل اس کے گیسو آب میں لہرائیں گے
موج بن کر سانپ سے تالاب میں لہرائیں گے

اس کے خط سبز سے سرسبز ہونے کے نہیں
لاکھ سبزے گلشن شاداب میں لہرائیں گے

اس رخ روشن پر گر زلفیں ہوا سے مل گئیں
خواب کالے جلوہ مہتاب میں لہرائیں گے

اس کی زلفوں کے تصور میں جو لگ جائے گی آنکھ
سانپ سے سینے میں اپنے خواب میں لہرائیں

اے ظفر توبہ تو کی پر میکشی پر دیکھنا
آپ کیا کیا محفل احباب میں لہرائیں گے

نھیں پرچھائیں تیری رشک حور پیچھے ہے
سحر کا نور آگے ہے شب دیجور پیچھے ہے

ستم کرتے ہیں دلبر لے کے اقرار وفا پر دل ! !
یہ معمول ان کا پہلے اور یہ دستور پیچھے ہے

بڑھاتا ہے قدم چندرا کا تو دیکھ کیوں آگے
چلی آتی اجل ہی تیرے اے مغرور پیچھے ہے

خبر اے قافلہ سالار لے جلد اس مسافر کی !
کہ تھک کر رہ گیا جو ضعف سے رنجور پیچھے ہے

محبت چارہ گر ہے کیا دکھاؤں زخم دل اپنے
کہ یاں تیزاب پہلے ، مرہم کا فور پیچھے ہے

حقیقت میں ہے وہ معراج چڑھنا دار پر اس کو
قدم رکھتا بڑھا کر آگے کب منصور پیچھے ہے

خذر کر سوذیوں سے ان سے ہوگا رنج ہی آخر
کہ ہر زنبور کے نیش دم زنبور پیچھے ہے

برنگ غنچہ و گل اس چمن میں آکے جو دیکھا !
دل شگفتہ پہلے خاطر مسرور پیچھے ہے

ظفر کیونکر بدل ہو سکے تقدیر کا لکھا
کہ جو منصور پہلے تھا وہی منصور پیچھے ہے

ترا خیال نہ بھولے خیال ہے تو یہ ہے
رہے خیال کہ راہ وصال ہے تو یہ ہے

مثال آئینہ ہم سے کبھی ہوا وہ صاف
ہمارے دل میں جو گرد ملال ہے تو یہ ہے

دکھا دے تو رخ تابندہ و خم ابر
کہ ماہ ہے تو یہ ہے اور ہلال ہے تو یہ ہے

اتاریں دختر رز کو نہ کیونکہ شیشے میں
خرابی ڈالنے والی چھنال ہے تو یہ ہے

کرے ہے قتل میں میرے کمی تری شمشیر
چھکائے کیونکہ نہ سر انفعال ہے تو یہ ہے

دکھائے گر مہ کنعاں کو جلوہ تو اپنا
تو وہ کہے کہ جو حسن و جمال ہے تو یہ ہے

ظفر دم آنکھوں میں ہووے اور نگاہ جانب در
اب انتظار میں ہے اس کے جو حال ہے تو یہ ہے

جس کی تصویر ہے یہ سامنے ہم جان گئے
خواب میں دیکھ چکے تھے اسکی پہچان گئے

ہے غضب جو ہر شمشیر قضا پر قاتل
چین ابرو کی ترے دیکھ کے چیں مان گئے

اس گلستان میں ہزاروں روشن غنچہ و گل
آئے باخاطر دلگیر و پریشان گئے

تو دم نزع نہ بالیں پہ ہمارے آیا
ہم نے یہ دنیا سے لئے حسرت وارمان گئے

او کماندار لگاتو اسی انداز سے تیر
تیرے نخچیر محبت ترے قربان گئے

ہو گیا صبح قیامت کا بھی منہ دیکھ کے فق
ہم جو محشر میں کئے چاک گریبان گئے

خاکداں ہے یہ جہاں گزراں وہ کہ جہاں
ہیں بہت چھان رہے خاک بہت چھا ن گئے

بوالہوس عشق کا دم بھرتے تھے لیکن اس نے
امتحاں کا جو لیا نام تو اوسان گئے

ساکن کنج عدم مسکن ہستی میں ظفر
آئے یوں جیسے کہ دو دن کہیں مہمان گئے

اگر ثابت ہے خط لکھنے سے تقصیر اپنے ہاتھوں کی
کہو جو تم کریں تجویز تعزیر اپنے ہاتھوں کی

جب اس کے بال سلجھانے کی تدبیر اپنے ہاتھوں کی
تو ہم نے شکل اپنی پابزنجیر اپنے ہاتھوں کی

رقم جس نے کہ اس ابرو کی تصویر اپنے ہاتھوں کی
رواں اپنے گلے پر آب شمشیر اپنے ہاتھوں کی

دیا ہونے نہ وا مگر قاتل ہم کو قسمت نے
نہ کچھ اس میں قصور اپنا نہ تقصیر اپنے ہاتھوں کی

کھنچا ہے وہ بلا نقشہ تری زلفوں کا اوکافر
بلائیں آپ نے نقاش تقدیر اپنے ہاتھوں کی

مکرتے تھے کہ خط ہم نے نہیں لکھا رقیبوں کو
ہوئے چپ دیکھ کر قاتل وہ تحریر اپنے ہاتھوں کی

مری زشتی وخوبی سے ہے واقف سب مرا خالق
مصور آپ پہچانے ہے تصویر اپنے ہاتھوں کی

لگائی دیر ناحق پاؤں کو مہندی لگانے میں
مرا دل تم نے خوں کرنے میں تاخیر اپنے ہاتھوں کی

کرے ہم نشیں تدبیر خاک جیب سینے کی
کریں وحشت سے ہم کیا آہ تدبیر اپنے ہاتھوں کی

دل و مسجد ہیں دونوں گھر خدا کے فرق پر یہ ہے
وہ تعمیر اس کے ہاتھوں کی یہ تعمیر اپنے ہاتھوں کی

کہاں تھا چور ناحق تھہر چوکیدار پر لوٹا !
ظفر لوٹی ہوئی ہے وہ تو زنجیر اپنے ہاتھوں کی

نکل کے آنکھ سے آنسو کچھ آستیں پہ لگے
اور آستیں سے گرے وہ تو پھر زمیں پہ لگے

چھٹنے حلاوت دنیا میں کسی نہ حریص
مگس کب اٹھے ہے جب پاؤ انگبیں پہ لگے

اچھل کے آتش سوزاں سے بھاگتا ہے سپند
عجب ہے خال ترے روئے آتشیں پہ لگے

زمیں پہ ہاتھ سے دنیا کے ٹک سکے نہ مسیحؑ
اور اتنے دن جو لگے چرخ چار میں پہ لگے

یہ خانہ باغ ہے موجود سینہ پہ داغ !
جو سیر دیکھئے تو وہ دل کی شہ نشیں پہ لگے

مجال اتنی مرے مرغ نامہ برکو کہاں
کہ اس کا پنجہ ذرا بام مہ جبیں پہ لگے

وہ مضطرب ہوں کہ مانند موج برسر آب
کوئی نہ حرف مرے نام کا نگیں پہ لگے

جو تجھ سے ہوں وہ مقابل صبا سے کہ دے کہ ہاں
کہ دھول ایک سرنسرین و یاسمیں کی لگے

کبھی نہ لغزش پا ہووے استقامت کو !
گر عصائے توکل نہ یقیں پہ لگے

نہ کھینچے سرفلک کیونکہ وہ ظفر جس کا
سرنیاز قدم گاہ فخر دیں پہ لگے

پاس جاناں کے کہا کس نے کہ جانا منع ہے
دل کو پاس دشمن جاں سے لگانا منع ہے

ہو کے سرکش گر پڑا فوارہ آخر سر کے بل
جھک کے چلنا چاہئے یاں سر اٹھانا منع ہے

گل کھلایا تازہ یہ خون شہید ناز نے
ہوں نہ جب تک پھول ان کو پان کھانا منع ہے

کرکے منہ اس در کی جانب آہ کھینچوں کس طرح
تیر قبلہ کی طرف اے دل لگانا منع ہے

اپنے زخموں سے کہا ہنس ہنس کے زخمی نے ترے
آج ہے شادی کا دن آنسو بہانا منع ہے

عشق کے مذہب میں واجب ہے بہانا اپنا خوں
خوں بہا کا ذکر پہ قاتل سے لانا منع ہے

عشق میں دل کو ظفر کس نے دیئے یہ آبلے
یہ وہ ہے بیمار جس کو آب و دانہ منع ہے

اشک بن کے اپنی گر چشم پر آب اڑ جائے گی
آبرو نیساں کے موتی کی سی آب اڑ جائے گی

دل کی سوزش سے کوئی واقف نہ ہو تو خوب ہے
کیا مزا ہووے گا جب بوئے کباب آڑ جائے گی

پہنچے گر ساغر کو گری تشنگان چشم مست
اک نشہ رہ جائے گا اور سب شراب اڑ جائے گی

ہم نہ کہتے تھے کہ نرگس کو دکھا مت چشم مست
نیند اس کی آنکھ سے اے مست خواب اڑ جائے گی

گر لگائے گا شتابا عشق تو عاشق کی جان
دیکھنا بارود سے بھی کچھ شتاب اڑ جائے گی

جام مے محفل میں دیتے کیوں تجھے گر جانتے
شرم تیری آنکھ سے اے بے حجاب آڑ جائے گی

چہرہ ساقی جو ہوگا عکس افگن اے ظفر
صاف ساغر سے پری بن کر شراب اڑ جائے گی

ان سے اگر کسی دن ہو گفتگو ہماری
تقریر پر تو کیا کیا ہو روبرو ہماری

اس شوخ نازنیں کے مقتول ناز ہیں جو
تربت پہ چاہئے سبزہ ہو ناز بو ہماری

شب تجھ بن اشک خوں سے روئے ہیں اس قدر ہم
ٹپکے ہے آستیں سے اب تک لہو ہماری

عشق و جنوں کی ہم کو منظور ہے رفاقت
اے عقل اب نہ ہم ہیں تیرے نہ تو ہماری

ہم خاک منہ کو ملتے ہیں خاکسار اپنے
جوں آئینہ اسی میں ہے آبرو ہماری

تم ہو گے لاکھ برہم چھیڑیں گے زلف کو ہم
گر وہ ہے خو تمہاری تو یہ ہے خو ہماری

پایا تو اس کو ہم نے دل کے مکاں میں پایا
دیر و حرم میں بیجا تھی جستجو ہماری

نازاں ہے غیر ناحق اپنی مصاحبت پر
رہتی تھی یوں ہی صحبت ان سے کبھو ہماری

اس گل کے تا بدامن پہنچے نہ اے صبا ہم
برباد خاک تو نے کی کو بکو ہماری

سر جا ہی پہنچا اپنا قدموں پہ قہر دیں کے
بر آئی اے ظفر تھی جو آرزو ہماری

جیسے ہم یار وفادار ہیں ایسے ہوتے
جیسے تم شوخ جفا کار ہیں ایسے ہوتے

رفتہ رفتہ تری رفتار سے ہو حشر بپا
ہم کو معلوم کچھ آثار ہیں ایسے ہوتے

آپ کو بیچ کے یوسف کو زلیخا نے لیا
جنس خوبی کے خریدار ہیں ایسے ہوتے

دام گیسو سے نہیں چھوٹنے کو چاہتا جی
حضرت دل تو گرفتار ہیں ایسے ہوتے

وہ اکیلا لب جو آئے تو پھر سرو سے ہم
یہ کہیں دیکھ طرحدار ہیں ایسے ہوتے

میں نے تو آنسوؤں کو آنکھوں میں اپنے رکھا
دیکھ لے طالب دیدار ہیں ایسے ہوتے

ہے تہ خاک بھی آنکھ اپنی کھلی آئنہ سال
کوئی کیا جانے کہ سردار ہیں ایسے ہوتے

عشق پہنچائے نہ منصور کو جب تک سردار

یہ جو خوباں ہیں ظفر سب سے بھلے ہیں نہ برے
ایک دو ویسے ہیں دو چار ہیں ایسے ہوتے

یہ جب سوچتا ہوں کہ وہ تند خو ہے
تو گھٹتا مرے تن م یں گھڑیوں لہو ہے

صبا کون نیکش گلستاں میں آیا
کہ ساغر لئے گل ہے نچہ سبو ہے

ہم آئینہ میں آپ کو کیوں نہ دیکھیں
نظر آتا اپنے میں بس تو ہی تو ہے

نہ ہو ہم کو تجھ بن کسی کی تمنا
یہی ہے تمنا یہی آرزو ہے

ہوئی ہے تری زلف جس دن سے برہم
مرا دشمن اک اک مرے تن کا مو ہے

سنا میرا نالہ تو خوش ہو کے بولے
کہ نغمہ سرا کون یہ خوش گلو ہے

دل چاک کو اور صد چاک کرنا
ظفر یہ محبت کا تازہ رفو ہے

دریا کیا عجب ترے عارض کی تاب سے
تارے سے ہوں حباب' بجنور آفتاب سے

دے ڈال بوسہ لب میگوں شتاب سے
بہتر نہیں شراب کوئی اس شراب سے

خوشبو ترے پسینے کی میں کیا کہوں کہ ہے
ہر قطرہ ایک شیشہ لبالب گلاب سے

بیتاب ہو کے کاہے کو یوں لوٹتی بھی برق
سیکھی ہے یہ مرے دل پہ اضطراب سے

تم جھاڑ دو نہا کے ذرا اپنے سر کے بال
پھر دیکھو کیا برستے ہیں موتی سحاب سے

کرتا ہے قتل وقت جواب سخن مجھے
ہنس دینا ان کا اور نہ کہنا حجاب سے

مارسیہ سے ڈر نہیں اتنا کہ جس قدر
ڈرتا ہوں اس کے طرہ پہ پیچ وتاب سے

گر ساتھ سوز عشق رہے بعد مرگ بھی
کوئی نہیں عذاب سوا اس عذاب سے

اب تک خمار آنکھوں سے جاتا نہیں ظفر
لپٹے تھے رات خواب میں کس مست خواب سے

یہ دیوانہ ہے دل جوان کے ملنے کو ترستا ہے
کہ ظاہر کی ہے دوری ورنہ وہ تو پاس بستا ہے

مجھے رونا تو یہ ہے مثل شبنم اے گل خنداں !
کہ جب روتا ہوں تیرے روبرو تو اور ہنستا ہے

اڑا لاتی ہوا ہر وپ وہ زلف عرق افشاں
طرف قبلے کے دیکھو ابر رحمت کیا برستا ہے

جو دیکھا ہے مزار رکشتۂ چشم مغلّی کو
نہ چھوڑ اے دل کہ یہ سودا تجھے اس سول سستا ہے

اگر ہوش و خرد دے کر وہ تار زلف ہاتھ آوے
کہ تا معلوم ہوے اس کو ہاں یہ دل پھنستا ہے

لکھا خط میں نے قاط اس لئے خط شکستہ میں

ظفر کیا پوچھتا ہے راہ مجھ سے اس کے ملنے کی
ارادہ ہو اگر تیرا تو ہر جانب سے رستا ہے

شمع جلتی ہے پر اس طرح کہاں جلتی ہے
ہڈی ہڈی مری اے سوز نہاں جلتی ہے

تم جو ہر بات پہ کرتے ہو شرارت مجھ سے
کیا طبیعت مری اے شعلہ رخاں جلتی ہے

صرف گلخن ہے کہیں اور کہیں صرف تنور
ہے جہاں خاک جگر سوختہ واں جلتی ہے

دیکھ کر ہر نفس شعلہ فشاں کو میرے
آتش رشک سے کیا برق جہاں جلتی ہے

شمع جلنے میں نہیں گر تری تاثیر تو کیوں
جان پروانے کی اے سوختہ جاں جلتی ہے

برق وش رنگ مسی میں تری تاب ونداں
خوب تی سی شب تار میں ہاں جلتی اس

اے ظفر سوز محبت کو زباں پر اپنی
کبھی کہتا ہوں تو جوں شمع زباں جلتی ہے

قاتل آتا ہے اگر تیغ و سپر باندھے ہوئے
بیٹھے ہیں مرنے پہ عاشق بھی کمر باندھے ہوئے

جاتا ہے مرغ نظر کندے کدھر باندھے ہوئے
ہم نے تاراشک سے ہیں تیرے پر باندھے ہوئے

اس چمن میں اے صبا جائے گا آخر ہاتھ جھاڑ
کب تلک غنچہ رہے گا مشت زر باندھے ہوئے

کہکشاں اس کو نہ سمجھو فلک کی جانب سے چرخ
پٹی آنکھوں پر ہے یہ اپنی مگر باندھے ہوئے

دل پہ گھونسا مار کر مر جائیں یہ تیرہ بخت
دیکھ پائیں گے تجھے جوڑا اگر باندھے ہوئے

ہے جدھر خورشید رو مثل گل خورشید ہم
ٹکٹکی رہتے ہیں سارے دن ادھر باندھے ہوئے

درد سر دیتا ہے ہم کو باندھنا دستار کار
کون پگڑی باندھتا ہے ہم ہیں سرباندھے ہوئے

کیا غرض ہم کو کہ ہوں منت کش تصویر کش
ہم تصور ہیں ترا آنکھوں پہر باندھے ہوئے

کوچہ جاناں کو چلتی ہے تو چل موجود ہیں !
ہم بھی دامن اپنا اے باد سحر باندھے ہوئے

روز یہ دیکھے نہ زخمی اس نگاہ مست کا
گرچہ ہو انگور ہر زخم جگر باندھے ہوئے

زلف اے کافر تری ہے کیا کمند فتنہ بند
ہر گرہ میں ہے دل شوریدہ سرباندھے ہوئے

معنی تازہ کی رہتی ہے ہمیں ہر دم تلاش
باندھتے ہیں ہم کوئی مضمون ظفر باندھے ہوئے

کافر تجھے اللہ نے صورت تو پری دی
پر حیف ترے دل میں محبت نہ ذری دی

دی تو نے مجھے سلطنت بحر و بر اے عشق
ہونٹوں کو جو خشکی مری آنکھوں کی تری دی

خالی لب شیریں کا دیا بوسہ کب اس نے
اک چاٹ لگانے کو مرے نیشکری دی

کافر ترے سودائے سر زلف نے مجھ کو
کیا کیا نہ پریشانی و آشفتہ سری دی

محنت سے ہے عظمت کہ زمانے میں نگیں کو
بے کاوش سینہ نہ کبھی ناموری دی

صیاد نے دی رخصت پرواز پہ افسوس
تو نے نہ اجازت مجھے بے بال و پری دی

کہتا ترا کچھ سوختہ جاں لیک اجل نے
فرصت نہ اسے مثل چراغ سحری دی

قسام ازل نے نہ رکھا ہم کو بھی محروم
گرچہ نہ دیا کوئی ہنر بے ہنری دی

اس چشم میں ہے سرمے کا دنبالہ پرآشوب
کیوں ہاتھ میں بدمست کے بندوق بھری دی

دل دے کے کیا ہم نے تری زلف کا سودا
اک آپ بلا اپنے لیے مول خریدی

ساقی نے دیا کیا مجھے اک ساغر سرشار
گویا کہ دو عالم سے ظفر بے خبری دی

ہے ڈوپٹہ سرخ جو وہ رشک گل اوڑھے ہوئے
باغ میں گل برقع خجلت میں گل اوڑھے ہوئے

شب کو مہتابی پہ کیا کیا لیٹتے ہیں ساقیا
چادر مہتاب کو مستان مل اوڑھے ہوئے

بولے لاکھوں میں وہ غوغائی کہ جو ہو رات دن
پوستین بے حیائی جوں ولی اوڑھے ہوئے

باندھے بے ہمت پہ پگڑی اس سے بہتر ہے اگر
اوڑھنی عورت کی ہو سر پر رجل اوڑھے ہوئے

میرے نالوں سے یہ گھبرا کے نکلے گھر سے رات
وہ فقط فرغل تھے وقت شور و غل اوڑھے ہوئے

اٹھی ہے دریا پہ اک کالی گھٹا اے مست ناز
تو جو ہے شال سیہ بالائے پل اوڑھے ہوئے

آدمیت ہو تو زیبا ہے لباس فاخرہ
ورنہ کیا فخر ہے اگر زرینہ جل اوڑھے ہوئے

ترک دنیا دل سے کر بیٹھا ہے درویشانہ کیا
سر پہ جوڑی کی کلاہ چار گل اوڑھے ہوئے

جوشن جنگ و جدل پہنے تو کس کے واسطے
ہم تو بیٹھے ہیں ردائے صلح کل اوڑھے ہوئے

ہیں ظفر روز ازل سے چادر تطہیر کو !
اہل بیت حضرت ختم رسل اوڑھے ہوئے

ہوتی ہے اس قدر اشکوں سے میری آستیں گیلی
نچوڑوں آستیں گر میں رہے برسوں زمیں گیلی !

عرق آیا ہے کس کی گرمی نظارہ سے تجھ کو !
کہ ہے پوشاک تیری روز شب اے نازنیں گیلی

چمن میں اوس پڑ جاتی ہے یکسر سنبل تر پر
جو تو جھاڑے نہا کر اپنی زلف عنبریں گیلی

نہیں دیوار رویا کون جو سیلاب گریہ سے
ہوتی دیوار تیرے گھر کی اے پردہ نشیں گیلی

جو ہووے تشنہ خوں کب ہو وہ سیراب پانی سے
کہ شمشیر آب رکھتی ہے زباں لیکن نہیں گیلی

جلا دیتی ہے ہڈی مرے سینے کی جوں ہیزم
نہ سوکھی دیکھتی ہے اور نہ آہ آتشیں گیلی

مٹے لکھا نہ قسمت کا اگر ہو شست وشویاں تک
کہ آب شرم سے برسوں رہے لوح جبیں گیلی

نہیں تھمنے کا زخموں سے لہو تیرے شہیدوں کا
رہے گی گوران کی بھی قیامت تک یونہیں گیلی

ظفر لب خشک ہیں تو دیدہ ہے نم دیدہ عاشق کا
زمیں ہے اس خرابی کی کہیں سوکھی کہیں گیلی

دل اتنا طیش میں کیوں لا کے تو بگڑتا ہے
کہ جوش کھا کے جگر میں لہو بگڑتا ہے

چمن میں کہہ دو نہ چلائے عندلیب اتنا
کہ خوش گلو ہے وہ اس کا گلو بگڑتا ہے

جو ہاتھ بھی مرے آتا ہے نسخہ اکسیر !
نصیب سے کبھو بنتا ہے، کبھو بگڑتا ہے

سوال بوسہ کروں کیا بگاڑ میں اس سے
کہ اور سن کے وہ یہ گفتگو بگڑتا ہے

جو روبرو مرے بولے تو منہ بگڑ جائے
تمہارے سامنے کیا کیا عدو بگڑتا ہے

گیا نہ بعد فنا بھی بگاڑ قسمت کا !
کہ میری خاک سے بن کر سبو بگڑتا ہے

خدا نہ دے تجھے ناخن جنوں ترے ہاتھوں
ہمیشہ چاک جگر کا رفو بگڑتا ہے

سنوار بیٹھا ہوا زلف تو تجھے کیا کام
کسو کا کام گر اے حیلہ جو بگڑتا ہے

خدا ہی ہو کہ بنے اس سے اے ظفر اپنی
کہ بات بات پہ وہ تند خو بگڑتا ہے

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

لے گیا چھین کے کون آج ترا صبر وقرار
بیقراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

اس کی آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو
کہ طبیعت مری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی

عکس رخسار نے کس کے ہے تجھے چمکایا
تاب تجھ میں مہ کامل کبھی ایسی تو نہ تھی

اب کی جو راہ محبت میں اٹھائی تکلیف
سخت ہوتی ہمیں منزل کبھی ایسی تو تھی

پاۓ کوباں کوئی زنداں میں نیا ہے مجنوں
آتی آواز سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی

نگہ یار کو اب کیوں ہے تغافل اے دل
وہ ترے حال سے غافل کبھی ایسی تو نہ تھی

چشم قاتل مری دشمن تھی ہمیشہ لیکن
جیسی اب ہوگئی قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی

کیا سبب تو جو گڑتا ہے ظفر سے ہر بار
خو تری حور شمائل کبھی ایسی تو نہ تھی

جب سے وہ خال و خط و چشم نگہ سامنے ہے
اس کے چھل بل میں کہوں کیا روش برق جہاں
دل بیتاب یہ کہتا ہے کہ آیا قاصد
دل میں کیا کعبہ میں کیا دونوں جگہ وہ لیکن
کیا تماشا ہے نہیں دیکھتا کوئی تجھ کو

روز اس روز سے اک روز سیہ سامنے ہے
گاہے وہ چشم سے پوشیدہ ہے گہ سامنے ہے
دیکھ پاتا جو کسی کو سر رہ سامنے ہے
ایک جا پردے میں ہے ایک جگہ سامنے ہے

دیکھئے کیا ہو وہ مژگاں ہیں ظفر دل کی حریف
اک سپاہی کے ہوئی اتنی سپہ سامنے ہے

کر دیا گو قالب خاکی نے زندانی مجھے
آ گئی تھی اس پری وش کی ذرا صورت نظر
کیا تماشا ہے کہ خرقہ ہے آلودہ تمام
میں اگر بھاگا تو ہرگز پھر نہیں آنے کا ہاتھ
جائے قرباں ہے بھی قربان کس کس ناز سے
رہا ہستی و عدم اک دن میں طے ہو مثل برق

پر فضائے قدس تک ہے سیر روحانی مجھے
اب تلک ہے صورت آئینہ حیرانی مجھے
ور ہے اس پر غرور پاک دامانی مجھے
کہہ دو وحشت سے کہ کیوں چھیڑے ہے دیوانی مجھے
یار نے قرباں کیا مانند قربانی مجھے
ذرہ چمکائے جو میری گرم جولانی مجھے

اک جہاں زیر نگیں ہے میرے داغ عشق سے
اے ظفر کیا چاہئے مہر سلیمانی مجھے

میرے حق میں اس کی یہ تدبیر کیا خالی پڑی
کیا نکل بھاگے ترے دیوانے زنداں سے کہ ہے
فائدہ ہووے گا کیا تیرا دوا میں اے طبیب
تیشہ آہ سحر سے کیا نہ ٹوٹا کوہ غم
مدرسے میں عشق کے ہے ور ہی درس کتاب
نے جواب خط ملا قاصد کو نے منہ سے جواب
گاہ دیکھا شمعوں نے مال وزر سے تھیر بھرے
کر گیا جس دن سے وہ ناوک فگن پہلو تہی

تیر کیا خالی پڑا شمشیر بھی خالی پڑی !
طوق بھی خالی پڑا زنجیر بھی خالی پڑی
اس کی گر لی خاک پا اکسیر بھی خالی پڑی
بلکہ ضرب نالہ شبگیر بھی خالی پڑی
شرح بھی بیکار ہے تفسیر بھی خالی پڑی
ساتھ واں تقریر کے تحریر بھی خالی پڑی
ور کبھی دیکھا کہ ہے تعمیر بھی خالی پڑی
ہے مرے پہلو میں جانے تیر بھی خالی پڑی

شاہد مقصود ہے کس کی بغل میں اے ظفر
دیکھ ہے آغوش چرخ پیر بھی خالی پڑی

واں ارادہ آج اس قاتل کے دل میں اور ہے
اور یہاں کچھ آرزو بسمل کے دل میں اور ہے

وصل کی ٹھہراوے ظالم تو کسی صورت سے آج
ورنہ ٹھہری کچھ ترے ماکل کے دل میں اور ہے

ہے ہلال و بدر میں اک نور پر جو روشنی !
دل میں ناقص کے ہے وہ کامل کے دل میں اور ہے

پہلے تو ملتا ہے دل داری سے کیا کیا دلربا
باندھتا منصوبے پھر وہ دل کے دل میں اور ہے

ہے مجھے بعد از سوال بوسہ خواہش وصل کی
یہ تمنا ایک اس سائل کے دل میں اور ہے

گو وہ محفل میں نہ بولا پا گئے چتون سے ہم
آج کچھ اس رونق محفل کے دل میں اور ہے

یوں تو ہے وہ ہی دل عالم کے دل میں اے ظفر
اس کا عالم مرد صاحب دل کے دل میں اور ہے

کب آہ سرد دل مبتلا نکلتی ہے
بدن سے روح یہ ہو کر ہوا نکلتی ہے

تری جفا میں بھی وہ اک ادا نکلتی ہے
کہ جس پہ دل سے ہمارے دعا نکلتی ہے

شکست دل کی خبر دے نہ کیونکہ نالہ دل
کہ شیشہ ٹوٹتا ہے تو صدا نکلتی ہے

وفور اشک ہے کوئی کو جوش طوفان ہے
الٰہی چشم سے یہ کیا بلا نکلتی ہے

بساط خاک ہی کافی ہے خاکساروں کو
کہ بوریا میں بھی بوئے ریا نکلتی ہے

وہ مانگ جبکہ نکالے ہے سر کے بالوں کی
کمان ابر میں کیا خوشنما نکلتی ہے

کہاں ہے تاب وتواں یہ کہ دل سے نکلے آہ
نکلتی بھی ہے تو لے کر عصا نکلتی ہے

نسیم خلد پہ کرتی ہے کس طرح کا ناز
تری گلی سے جو ہو کر صبا نکلتی ہے

کیوں میں کیا ترے احسان تیغ اے قاتل
کہ زخم زخم کے منہ سے دعا نکلتی ہے

بھری ہے دل میں کسی کے جو اس کے حسرت وصل
نہ جیتے جی نہ وہ بعد فنا نکلتی ہے

ظفر چھپائے سے کیونکر چھپے یہ سوز دروں
کہ زخم سینہ سے آتش سدا نکلتی ہے

چل گیا کوئی ترا تیر نظر اور بھی ہے
آج اک زخم سر زخم جگر اور بھی ہے

مجھ سے کیا پوچھتے ہو غم سے ہی پوچھو میرے
جیسا میں غمزدہ ہوں کوئی بشر اور بھی ہے

قید ہو جائے گا قاصد ہی کہ ڈر کیا ہے مجھے
خط کبھی پکڑا نہ گیا ہو یہ خطر اور بھی ہے

جی میں ہے اہ کو میں اپنا دکھاؤں رونا
کہ وہ جانے کوئی با دیدہ تر اور بھی ہے

چہ خوش اللہ رے نزاکت کہ اگر زلف کا عکس
بوجھ ڈالے تو لچکتی وہ کمر اور بھی ہے

گزرے دنیا سے تو کیا گر نہ خودی سے گزرے
ابھی درپیش ہمیں ایک سفر اور بھی ہے

کہا مجنوں نے بگولے سے اڑا خاک نہ تو
آج اس دشت میں اک خاک بسرا اور بھی ہے

اس نے کس لطف سے پوچھا دم بسمل مجھ سے
کہہ دو کچھ دل میں تمنا ترے گر اور بھی ہے

ہم انھیں ملنے کو جائیں گے وہ آئیں کہ نہ آئیں
اب کی باری تو ارادہ یہ ظفر اور بھی ہے

کہاں طاقت کہ در پہ تیرے یہ بیمار غم پہنچے !
کہ جب سینے سے دم لب تک کبھی جالے کے دم پہنچے
جو تجھ کو دیکھتا ہے دیکھ دل میں یہ عجب شے ہے
نہ آئینہ سکندر کا ، نہ اس کو جام جم پہنچے
کٹا کر سر ہمارا عشق میں اچھا ہوا قاتل !
مراد دل کو اپنی ہم ترے سر کی قسم پہنچے
کئی خط جھوٹے اس کو غیر نے لکھے تو ہیں لیکن
قلم ہوویں گے دونوں ہاتھ گر واں یک قلم پہنچے
کوئی کیا کھوج پائے جلوہ گاہ نازنیں اپنا
کہ ہم پیک نظر کی طرح نقش بے قدم پہنچے
نہ لاوے ایک حرف شکوہ لب پہ عاشق غم کش
اگر صدمے پہ صدمہ باعث صد رنج و غم پہنچے
مری آہ وفغاں سے اک ہمیشہ ڈاک جاری ہے
خبر کیونکر نہ میرے دل کی اس کو دمبدم پہنچے
مقدر ہو جو آب و دانہ پہنچے وہی ہی جوں گوہر
نہ اک قطرہ زیادہ اور نے اک دانہ کم پہنچے
تصور سے سوا دیکھا نہ کوئی راہبر کامل
جہاں درپردہ تھا یارو وہاں بے پردہ ہم پہنچے
کہا نامے میں رکھ کر میں نے لعل لخت دل اپنا
کہ اے قاصد مری جانب سے اس کو یہ رقم پہنچے
دم گم گشتگی پہنچے نہ میری گرد کو عنقا !
وہ گو معمورہ ہستی سے تا ملک عدم پہنچے
بلا زلفیں فسوں آنکھیں نگہ فتنہ ادا آفت
پری مکھڑا قیامت قد غضب بازو ستم پہنچے
ظفر کیا پوچھتا ہے اس سراپا ناز کا عالم
یہ زیبائی وہ رعنائی بھلا کس کو بہم پہنچے

ہر سر مژگاں نظر لخت جگر آنے لگے
ان درختوں میں ثمر کیا طرفہ تر آنے لگے !

مرے رونے سے ہنسی ان کو اگر آنے لگے
ایک عالم برق و باراں کا نظر آنے لگے

اشک آوے یا دم پرشوار اپنے کوئی آئے
پر کچھ ایسا ہو مرے دل کی خبر آنے لگے

تجھ پہ عاشق ہونے سے ایسی ہوئی بیطاقتی
غش پہ غش ہر دم ہمیں اے عشوہ گر آنے لگے

ایک پرچہ بھی نہ آتا تھا پر اب ہے کچھ فریق
خط جو لے لے کر تواتر نامہ بر آنے لگے

سوز دل سے شعلہ ور ہونے لگی کیا آہ سرد
بن کے اشک تر بھی مانند شرر آنے لگے

کچھ ہنر اپنا چھپاؤں تو کہے وہ طنز سے
بے ہنر کیای تجھ کو سارے ہی ہنر آنے لگے

کھولی اس سرو سمن بر نے کہیں سر سے قبا
باد کے جھونکے جو خوشبو اس قدر آنے لگے

یہ تو دل ہے کیوں نہ اس میں جلوہ گر ہو روئے دوست
سنگ بھی گر صاف ہو تو منہ نظر آنے لگے

جذبہ دل نے ظفر در پہ وہ کچھ تاثیر کی
اب جو وہ چھپ چھپ کے سب کو تیرے گھر آنے لگے

گرچہ مرغ پر شکستہ دام سے چھوٹ جائیں گے
تا چمن صیاد پھر کیونکر یہ پرکٹ جائیں گے

جیسی ان آنکھوں میں ہے پیوستہ ابرو جوں کہاں
شاخ آہو میں بھڑا کر دو ہرن جٹ جائیں گے

تیری مژگاں ہے لٹیری فوج کا فروہ بلا !
اس کے ہاتھوں سے ہزاروں ملک دل لٹ جائیں گے

قمریوں کو عشق تو پہنا نہ اپنا طوق تنگ
کیوں گلا گھونٹے ہے ظالم ان کے دم گھٹ جائیں گے

سینہ کوبی دست حسرت سے نہ کر تو اے ظفر
حضرت دل درمیاں میں مفت میں کٹ جائیں گے

غم دلدار اب دل میں بیاکانہ آتا ہے
کہ جیسے اپنے گھر میں کوئی صاحب خانہ آتا ہے

ترے قرباں ہمیں تو کام رہے تیرے تصور سے
خیال اپنا کسی جانب نہ آئے گا نہ آتا ہے

کہا شانے سے زلف یار نے یوں دل کو الجھا
تجھے سلجھانا آتا ہے مجھے الجھانا آتا ہے

تری رفتار وحشت خیز کو سب دیکھ کہتے ہیں
وہی وحشی وہی خبطی، وہی دیوانہ آتا ہے

جسے اپنے صنم کی شوق ہے صورت پرستی کا
بھلا مسجد میں کب وہ چھوڑ کر ے خانہ آتا ہے

کیا بدمست ہم کو جب سے چشم مست ساقی نے
نظریاں خواب میں بھی شیشہ و پیمانہ آتا

جو سمجھے نقش پائے فخر دیں کو تاج سر اپنا
پسند اس کو ظفر کب افسر شاہانہ آتا ہے

ہائے ان آنکھوں کی میری کیا وہ بینائی ہوئی
چھپ گئی آنکھوں سے اک صورت نظر آتی ہوئی

ہے جہاں تیرے لب لعلیں کا اے قاتل شہید
جامہ پرخوں سے نعش اس کی ہے کفنائی ہوئی

تیری صورت جام کی ہے جام مے کا دور ہے
تجھ کو گردش اس لئے اے چرخ مینائی ہوئی

عارض روشن دکھایا کس نے جس کے رشک سے
روشنی سے شمع محفل تیری کجلائی ہوئی

رقص بسمل ہو وے اور نغمہ بھی ہو فریاد دل
جانے جب قاتل کر ہاں کچھ محفل آرائی ہوئی

آ کے جب دیکھتا ہے یار زلفیں کھول کر
دیکھتا ہوں صاف دریا پر گھٹا چھائی ہوئی

راز خلوت تم نہ خلوت میں بیاں کرنا ظفر
ہاتھ سے جاتی رہے گی بات ہاتھ آئی ہوئی

جعد میں تعویذ نیلم کا کہاں کالا سا ہے
مل بے جوش گریہ آنکھوں سے رواں یاں تک ہیں اشک
خط کہاں ہے حلقہ زن اس چہرہ پر نور پر
چشم میں اس کی نہیں یہ سرمہ و دنبالہ دار
میرا اشک گرم پانی میں پڑیگا پھر حباب
ماہ کامل نے فلک پر آپ کو کھینچا تو کیا

کام میں مار سیہ کے زہر کا چھالا سا ہے
جو مرا ہوئے مژہ ہے ایک پرکالا سا ہے
صاف گرد ماہ روشن ایک یہ ہالا سا ہے
دل عذر کر دست ترک مست میں بھالا سا ہے
بن گیا گویا لب دریا پہ بنگالہ سا ہے
اس کے رخ کے روبرو واک روئی کا گالا سا ہے

اے ظفر دل پارہ پارہ ہے جگر پر داغ ہے
اک گل صد برگ سا ہے اک گل لالا سا ہے

مانگ بالوں میں نہیں وہ سربسر نکلی ہوئی
زلف مشکیں کون کہتا ہے وہ قرب گوش یار
زیر جامہ بادلے کا اس پراودی پیشواز
دست پر زیور نہیں اعجاز قد یار سے
داغ حسرت تو سپر بن جا ادھر بہرہ پناہ
اشک سے گوہر کو کیا نسبت وانکلا کان سے

ہے شگاف شب سے یہ طرفہ سحر نکلی ہوئی
مانگی ہے اپنی بانی سے سحر نکلی ہوئی
دھوپ بدلی میں ہے کیا اے سیم بر نکلی ہوئی
سرو میں سے دیکھ شاخ پر ثمر نکلی ہوئی
آج ہے شمشیر قاتل پھر ادھر نکلی ہوئی
یہ جگر سے بوند ہے اے چشم تر نکلی ہوئی

چشم سے باہر نہیں ہے اس کے دنبالہ کا خط
ہے زباں آہو کی منہ سے اے ظفر نکلی ہوئی

مجھ کو نہ گریباں سے نہ داماں سے گلہ ہے
پر دست جنوں کو تن عریاں سے گلہ ہے

دیکھی نہ کبھی خواب میں بھی زلف پریشاں
آنکھوں کو مری خواب پریشاں سے گلہ ہے

وہ پھول کبھی لایا نہ سرگور شہیداں
تا حشر یہ اس رشک گلستاں سے گلہ ہے

شکوہ نہیں بسمل کو ترے تیغ قضا سے
البتہ ترے خنجر مژگاں سے گلہ ہے

میں زلف و رخ یار سے رکھتا ہوں شکایت
ہندو سے نہ شکوہ نہ مسلماں سے گلہ ہے

شکوہ ہے اگر مجھ کو تو وحشت سے ہے اپنی
نہ دشت سے نے خانہ زنداں سے گلہ ہے

رو رو کے کیا راز دل اس نے مرا افشا
مجھ کو ظفر اس دیدہ گریاں سے گلہ ہے

تو نے سب کے دل و دیں اے بت بے دین لیے
آپ سے کس نے دیے جس نے لیے چھین لیے

چشم میں اس کے کہاں سرمہ کا دنبالہ ہے
دل حذر کر کہ یہ ہے مست قرابین لیے

گالیاں دیں ہمیں ہر بو سے پہ اس نے دو چار
بوسے اس کے دہن و لب کے جو دو تین لیے

کون دل شاد گیا غمکدہ دنیا سے
جو گیا یاں سے گیا خاطر غمگین لئے !

اپنے داماں میں بجائے گل تر پارہ دل
ہیں ہمیشہ چمن عشق میں گل چین لیے

دل لیا پنجہ مژگاں میں تری چشم نے یوں
جس طرح صید کو چنگل میں ہو شاہین لیے

اے ظفر بحر تفکر میں لگا غوطہ
ہم نکلتے نہیں بے در مضامین لیے

زلف میں قطرے عرق کے کب نظر آنے لگے
یہ شب تاریک میں کو کب نظر آنے لگے

پر وہ غفلت میں ہے کیا جانے کیا کیا ہو رہا
آنکھ سے پردہ اٹھے تو سب نظر آنے لگے

واہ رے ساقی کی تاثیر نگاہ چشم مست
صاف صوفی رند بدمشرب نظر آنے لگے

بندھ گیا جس دن سے ہم کو اس کی زلفوں کا خیال
خواب میں مار سیہ ہر شب نظر آنے لگے

گر اٹھاوے اعتبار ہستی موہوم کو
دیکھے جو بعد از فنا وہ اب نظر آنے لگے

کرتا ہے تو کیا نظر بازی وہ پیدا کر نظر
جس سے تجھ کو تجھ میں تیرا رب نظر آنے لگے

دل طلب کر کے ہوئے وہ طالب ایمان و دیں
ایک مطلب میں کئی مطلب نظر آنے لگے

دیکھئے کس ڈھب سے ان سے دل لگی کا ڈھب بنے
طور کچھ ان کے ہمیں بیڈھب نظر آنے لگے

جانئے تب اے ظفر ہے صاف دل کا آئینہ
اس کی صورت صاف اس میں جب نظر آنے لگے

ہر سرو چمن تجھ بن سو دار سے بدتر ہے
جو شاخ خمیدہ ہے تلوار سے بدتر ہے

جو شخص ہوا مقتول اس چشم مفتن کا
چنگا بھی ہے گر وہ تو بیمار سے بدتر ہے

ہو گردن دل میں گر رشتہ نہ محبت کا
تسبیح گلے میں پھر زنار سے بدتر ہے

کیا دیکھیے تو غافل آگے تری آنکھوں کا
تیری صف مژگاں یہ دیوار سے بدتر ہے

جو عشق کے خنجر سے مذبوح نہ ہو کیونکر
وہ صید حلال اے دل مردار سے بدتر ہے

کیا بستر گل پر ہو آرام مجھے تجھ بن !
جو تار رگ گل ہے وہ خار سے بدتر ہے

جو بات تو کہتا ہے کرتا ہے خلاف اس کے
اقرار ترا جھوٹا انکار سے بدتر ہے

جس کار میں ہے کرتا گر ہے تو یہی شکوہ ہے
دنیا میں نہیں کوئی اس کار سے بدتر ہے

انصاف کی آنکھوں سے دیکھا جو ظفر ہم نے
دو چار سے بہتر ہے جو چار سے بدتر ہے

آشنا ہو تو آشنا سمجھے
ہو جو نا آشنا تو کیا سمجھے

ہم اسی کو بھلا سمجھتے ہیں !
آپ کو جو کوئی برا سمجھے

وصل ہے تو جو سمجھے اس سے وصل
تو جدا ہے اگر جدا سمجھے

زہر دیوے جو اپنے ہاتھ سے تو
تیرا بیمار غم دوا سمجھے

تو ہی کعبے میں تو ہی بتکدے میں
ہے وہ مشرک جو دوسرا سمجھے

ہو وہ بیگانہ ایک عالم سے
جس کو اپنا وہ دلربا سمجھے

اے ظفر وہ کبھی نہ ہو گمراہ
جو محبت و رہنماء سمجھے

جو تو کاغذ کا چمن میں گل کتر کر پھینک دے
اپنے پر منقار سے بلبل کتر کر پھینک دے
باغ میں آوے جو تو اپنی کتر کر پتیاں
سوئے زلف اپنے ابھی سنبل کتر کر پھینک دے
یوں اڑا دیتے ہیں سر عاشق کا وہ بیداد گر
شمع کا گلگیر جیسے گل کتر کر پھینک دے
دیکھے گر خورشید تیرے طرہ زرتار کو
طرہ تار شعاعی گل کتر کر پھینک دے
ہاتھ میں قینچی ہے اس کے نامہ بر ایسا نہ ہو !
میرے نامے کو وہ مست ل کتر کر پھینک دے
بزم میں کیونکر نہ گلگیر آکے تیری زلف کو
شمع کے سر پر سے شب کا گل کتر کر پھینک دے
اس غزل کو اے ظفر سن کر عجب کیا ہے اگر
اپنا دیواں طالب آ ل کتر کر پھینک دے

دل میں پیوستہ اگر تیر نظر ہو جائیں گے
میں تو خوش ہوں مرغ دل کے اور پر ہو جائیں گے

آئینے میں تم نے دیکھا اپنا گر روئے حسیں
ایک گھر میں جلوہ گر شمس و قمر ہو جائیں گے

ہم کو ان کے پیک قاصد سے رہے گی کیا غرض
جبکہ دونوں کے تصور نامہ بر ہو جائیں گے

کشتۂ مژگاں کی تربت پر گل و نرگس کہاں
یک قلم پیدا وہاں تیروں کے پر ہو جائیں گے

خار خار حسرت و غم نے جو کی دل سے خلش
رونگٹے سارے بدن کے نیشتر ہو جائیں گے

جب تری حیرت کو جائیں گے کر وہ آئینے میں
آپ حیراں حسن اپنا دیکھ کر ہو جائیں گے

میرے رونے پر ہنسے گر وہ تو ان دانتوں کو دیکھ
چشم میں ہیں جتنے آنسو سب گہر ہو جائیں گے

حضرت دل کو نہ دکھلائے کسی کی چشم مست
گر خبر ہوتی کہ ایسے بے خبر ہو جائیں گے

اس کی مژگاں کی صفوں کو گر ہوئی جنبش ظفر
دیکھنا دونوں جہاں زیر و زبر ہو جائیں گے

آپ کو تیرا نظر جس دن لگانے ہوئیں گے
پہلے میرے ہی جگر اور دل نشانے ہوئیں گے

گر چمن سوزا اپنی برق و نالہ ہو گی عندلیب
جل کے خاکستر ہزاروں آشیانے ہوئیں گے

بحر گردانی کریں گے عشق میں آنکھوں سے ہم
تادمژگاں میں جو کچھ اشکوں کے دانے ہوئیں گے

شام ہی سے وہ جو کھٹکے دیکھ میرا حال نزع !
گھر میں ہاں گھی کے چراغ ان کے جلانے ہوئیں گے

سن کے اے قاصد جو وہ چپکے ہوئے پیغام وصل
ڈھونڈتے دل میں نہ آئیں گے بہانے ہوئیں گے

اپنے انجم مجھ کو دکھلا کر فلک کہتا ہے دیکھ !
عشق میں اتنے ہی تجھ کو داغ کھانے ہوئیں گے

آدم خاکی میں ہے جو یہ زر حسن اے ظفر
کر دیے اس خاک میں پنہاں خزانے ہوئیں گے

برائے روشنی دل ہے دل میں داغ ہوئے
درون خانۂ تاریک ہے چراغ ہوئے

بہار دیکھ لگا اپنے دست و پا میں حنا
نہیں ہے اس سے تماشائے چارباغ ہوئے

مجھے دکھانے ذرا اپنی چشم میگوں تو
کہ میرے حق میں ہے سابق بھی ایاغ ہوئے

زیادہ رتبہ بد کو ہو خوش کلام سے کیا
کہ ہو سکے کبھو طوطی سے کیونکہ زاغ ہوئے

نہ وہ ملے گا سوائے کوچۂ زلف
جو ہے نہاں دل گم گشتہ کا سراغ ہوئے

سمجھ نہ سلطنت جم سے کم قناعت کو
ہزار ملک سے اک گوشۂ فراغ ہوئے

ظفر ہو کیوں کہ نہ عالم پسند تیرا سخن
کہ تیرا فکر رسا ، دل صفا ، دماغ ہوئے

خط سبز اس کا کیا زیب ذقب ہے
یہ باب کعبہ جنت کا چمن ہے

مہ نو ہے جو اس کا دست آغوش
تو مانند ثریا نورتن ہے

لب لعل در دنداں کو مت پوچھ
وہ درج لعل یہ در عدن ہے

بلا ہے زلف اور قامت قیامت
وہ آفت ہے غمزہ سحر فن ہے

صف مژگاں سے اے دل اس کو بچنا
یہ فوج نیزہ بازان دکن ہے

شگفتہ ہو نہ کیونکر حال دل کا !
زیادہ تنگ غنچے سے دہن ہے

وہ چشم فتنہ گر ہے مردم آزار
وہ زلف پر شکن خاکر شکن ہے
نگاہ مست ترک تیغ زن ہے

جواب تلخ کیوں دیتا ہے ہم کو
ظفر کہتے ہیں وہ شیریں سخن ہے

قیس کا نقشہ ملا نقشے سے مجھ دلگیر ہے
دیکھ تو تصویر رکھ کر سامنے تصویر کے

ان بھووں میں دیکھ کر کاجل کی چت حیران ہو
ایک قبضے میں ہیں دو پھل کی طرح شمشیر کے

چاک کر سینہ نکالا دل جو اس کا بعد ذبح
نکلے پیکاں سینکڑوں دل سے ترے نخچیر کے

دیکھ کر اس چشم میں کاجل کا ڈورا یہ کھلا
پاۓ آہوں میں بڑے پھندے ہیں آہو گیر کے

چارہ گر ہوویں ابھی تیر سے چراغ گل
داغ دگر دل کے دکھاؤں اپنے پہلو چیر کے

ابر رحمت کی یہ بوندیں منہ میں غنچے کے صبا
ہیں دہان طفل میں گویا کہ قطرے شیر کے

آتشیں رخسار وہ ہے زلف کے حلقے میں یوں
شمع کا شعلہ ہو منہ میں جس طرح گل گیر کے

کیا محبت تھی کہ جسدم دل سے نکلا اس کا تیر
مثل مژگاں سربسر تھے خونچکاں پر تیر کے

وصل کی اس کے ظفر کر بگڑ جاتی ہے بات
صدقے اس تدبیر کے قربان اس تقریر کے

داغ حسرت جو دل فرماں برجاناں پہ ہے
عشق کی مہر ترک فرمان والا شاں پہ ہے

ہم نے جانا آج پھر آیا ہے عقرب قمر
اس طریقے سے کہ زلف اسکی رخ تاباں پہ ہے

دیکھ پیشانی پہ جاناں تیرا ٹیکا مہ جبیں
مہر سرگرداں سدا گردون سرگرداں پہ ہے

ابر بھی ٹانک دے موتی کہ مقراض صبا
دیکھ تو گیا کیا کترتی لہر ریگستاں پہ ہے

یار کی لعل حیات افزا پہ دیکھو خط سبز
خضر آپہنچا یہ گویا چشمۂ حیواں پہ ہے

ناتوانی سے گراں ہے وہ بھی مجنوں کو ترے
تار آنسو کا اگر کوئی تن عریاں پہ ہے

اک تبسم سے کریگا تیرا سو ٹکڑے جگر
غنچے تو کس منہ سے ہنستا اس لب خنداں پہ ہے

جس کی گردن پہ پھرا ماتھا نہ پانی اس نے پھر
آب داری ختم تیر خنجر براں پہ ہے

ہے تو مشت خاک یہ ناچیز پر کچھ چیز ہے
اے ظفر جس سے فرشتوں کو بھی رشک انسان پہ ہے

زندہ یوں عشق میں ہیں مائل گیسو جلتے
جس طرح سے کہ پس از مرگ ہیں ہندو جلتے

گرمی دل سے ہیں یہ سینہ و پہلو جلتے
کہ نکلتے مری آنکھوں سے ہیں نسو جلتے

آدمی میرا ترے گھر میں کہاں جائے کہ واں
پر فرشتوں کے ہیں واں شوخ پری رو جلتے

پارہ دل کو ہوا گرے سے مژگاں پہ فروغ
دیکھو پانی سے چراغاں ہیں لب جو جلتے

شعلے سے برق تلک شمع سے خورشید تلک
دیکھ کر سب ہیں یہ تیرا رخ نیکو جلتے

سرو سرسبز نہ ہوتے تری رعنائی سے
شمع ساں دیکھ کر تیرا قد دلجو جلتے !

سرد ہو گرمی بازار تری اے خورشید
داغ سینے میں رہے دیکھے اگر تو جلتے

ہم جلے گر تپ دوری سے تمہیں کیا پروا
گھر میں ہیں گھی کے چراغ آپ کے مہرو جلتے

اے ظفر نامے میں لکھتے تو سبھی سوز جگر
پر کبوتر کے ہمارے پر وبازو جلتے

جبکہ اس وحشی نگہ کے چین ابرو پر پڑے
سب کہیں مل واہ وا کیا شاخ آہو پر پڑے

وہ گر انبار معاصی ہوں دم وزن عمل
ٹوٹ جائے پلہ بوجھ اتنا ترازو پر پڑے

اوس پڑ جائے گی شاخ سنبل تر پر اگر
قطرے پانی کے دم غسل اس کے گیسو پر پڑے

ناخن غم گر لگے دل کے پھپھولے پر مرے
ہو یہ عالم تیز چاقو جیسے لیمو پر پڑے

تیری قامت سے اگر ہمسر ہو وہ اے برق وش
قد برابر بجلی اک سرو لب جو پر پڑے

ہے نگہ کافی لگا مت تیغ اے قاتل مباد
پہونچے کچھ ساعد پہ صدمہ زور بازو پر پڑے

سامنے گر لاکھ ساحر ہوں فسوں سازی میں طاق
پر نظر جس کی پڑے اس چشم جادو پر پڑے

کرتا ہے میری طرف سے جو وہاں غمازیاں
صبر میرا یا رب اس غماز بدخو پر پڑے

عکس سینے پہ صفا سے ہو عیاں سیلی کی طرح
کھل کے چھاتی جو ظفر اس پشت کے اوپر پڑے

جس طرف پھرتے ہیں دیوانے ترے سر مارتے
اس طرف جاتے ہیں لڑکے ساتھ پتھر مارتے

عشوہ و غمزہ ترے دونوں سپاہی میں غضب
تیغ پہ ہیں تیغ اور خنجر پہ خنجر مارتے

جیسے رہتی ہے تری مژگاں کی دل سے نوک جھوک
میرے سوئے تن مرے تن پہ ہیں نشتر مارتے

خاک ہو کر بھی نہ پایا چین وحشت سے کہ ہم
جوں بگولا دشت میں پھرتے ہیں چکر مارتے

ڈر ہے خوبان کماں ابرو سے یہ ناوک فگن
تیر مژگاں دل پہ ہیں سو سو برابر مارتے

پاس خاطر تھا اسیری میں ہمیں صیاد کا
ورنہ ہوتا دام سو ٹکڑے اگر پر مارتے

سرکشی کرتے تھے میرے روبرو وے شعلہ رو
شمع کو محفل میں ہاں گردن نہ کیونکر مارتے

فتنہ محشر ہزاروں پیش پا افتادہ ہیں
پر نہیں پندار سے وہ ایک ٹھوکر مارتے

وسبدم کرتا ہے ہم پر تیز تو تیغ ستم
اور ہرگز ہم نہیں دم اے ستمگر مارتے

کچھ تو منہ کھولا ترے آگے کہ جھونکے باو کے
ہیں طمانچے وسبدم منہ کے برابر مارتے

خیرگزری تو نے دکھلائی نہ اپنی چشم مست
ورنہ میکش سر سے اب ساقی کے ساغر مارتے

لکھے تو ایسی غزل کوئی قلم برداشتہ
اے ظفر لاف سخن ہیں کیا نخور مارتے

وہاں تدبیر کشت و خون وقصد ظلم رانی ہے !
یہاں ہے صبر و شکر اور آرزوئے جانفشانی ہے
نہیں ہم ڈرتے گر قاتل کو قصد تیغ رانی ہے
ہمیں پاس وفا ہے جان دیں شادمانی ہے
تری آب دم شمشیر آب زندگانی ہے !
شہیدوں کے لیے تیرے حیات جاودانی ہے
مثل ہے جتنا چھانا اتنا کھایا کر کرا اے دل
ملے کیا خاک اے دنیا کی جس نے خاک چھانی ہے
سبب بیدار بختی کا ہے گر ہو علم ہوش افزا
پڑھے گر خواب غفلت درس کیا ہے قصہ خوانی ہے
محبت کی دورنگی ہے چمن زار گل رعنا !
گر آنسو ارغوانی ہے تو چہرہ زعفرانی ہے
خیال نیک و بد دل میں نہ آوے یہ نہیں ممکن
خدا کے گھر کی کر سکتا کوئی کیا پاسبانی ہے
ہوئی خاموش آپ ہی شمع جل کر بزم میں آخر
کہ ہاں کیا کام آتی عشق میں آتش بیانی ہے
کف پا ہو گئے چھلنی خلش سے خاک صحرا کے
جنوں کے ہاتھ سے ہم نے بھی کیا کیا خاک چھانی ہے
غرض تھی گرم جوشی سے مجھے کیا سرد مہروں کی
مگر اے حضرت دل یہ تمہاری مہربانی ہے
خدا نے وہ روانی دی ظفر تیری طبیعت کو
ترا ہر شعر تر ہر بحر میں بحر المعانی ہے

کلام تلخ کا ہر چند صدمہ میری جاں پر ہے
مبصر کہتے ہیں اس کی چین ابروئے زخم
نظر سے مہر کی کب دیکھتے ہیں خاکساروں کو
چھپایا تونے دل کیا طرہ شمشاد میں قمری
بجی ہے عین الماس طاق سمجھو عشق میں اس کو
قفس سے چھوٹتا ہے جبکہ اڑنے کی نہیں طاقت
پہنچتا ہے جہاں پیک تصور اپنا در پردہ !
کرے ہے ناز کیا کیا سرفرازی پر محبت کی

لب شیریں کو بوسے کا چٹخاپر زباں پہ ہے
کہ یہ جوہر بھلا کا ہے کو تیغ اصفہاں پہ ہے
دماغ ان مہ جبینوں کا ہمیشہ آسماں پہ ہے
ہماری جان ہی جاتی کسی سرو رواں پہ ہے
رکھا ایمان جس نے طاق ابروئے بتاں پہ ہے
ستم صیاد کیا کرتا اسیر ناتواں پہ ہے
پرندہ مار سکتا ہے پرپروکٹ ہاں پہ ہے
شہباز کا تیرے جو سر نوک سناں پہ ہے

نہ کعبے سے غرض نے بتکدے سے کام ہے اس کو
جھکایا اے ظفر سر جس نے اس کے آستاں پہ ہے

حضرت دل عشق کے رنج و تعب میں پڑے گئے !
بے غضب بیٹھے بٹھائے کس غضب میں پڑ گئے
اس نے کیسی قہر کی آنکھوں سے دیکھا آئنہ
جھلکے یکبارگی شہر حلب میں پڑ گئے !
کار دنیا ہو وے یا ہو کار دیں محنت ہے شرط !
ان سے کیا ہوگا کہ جو عیش و طرب میں پڑ گے
جل بلے سوز دل کر میں سرو چراغاں بن گیا
داغ اتنے میرے تن پہ ایک شب میں پڑ گئے
کیوں ادھر چشم عنایت سے نہیں پڑتی نظر !
پڑ دے کیا آنکھوں پہ رنج بے سبب میں پڑ گئے
اے محبت دور ہے مطلب کی منزل اور یہاں
چلتے چلتے آبلے پائے طلب میں پڑ گئے
عقدہ دشوار ہے اے دل یہ کھلنے کا نہیں !
آپ کیوں فکر وہاں غنچے لب میں پڑ گئے
دل کہیں ہے میں کہیں ہوں اور کہیں میرے حواس
تفرقے اب اے فراق یار سب میں پڑ گئے
منزل مقصد کو وہ پہنچے باآسانی ظفر
سیدھے رستے جو رہ و رسم ادب میں پڑ گئے

لگا جو دل میں یہ پر سوز داغ رکھا ہے
خدا کے گھر میں جلا کر چراغ رکھا ہے
جو کوئی پائے تو ہاں آپ ہی میں پائے اسے
وگرنہ ہر کہیں اس کا سراغ رکھا ہے
کہاں ہو زیر فلک دور جام با وہ عیش
فلک نے آپ ہی اتنا ایاغ رکھا ہے
بہم ہیں رخ پہ ترے خط سبز و خال سیاہ
قریب کس لئے طوطی کے زاغ رکھا ہے
ہمارے ساتھ اگر تو نہ ہو دم گلگشت
تو اپنا باغ میں کیا رشک باغ رکھا ہے
سنے ہیں خاطر ناصح سے ہم کہ ہے کچھ بات
وگرنہ اتنا کہاں یاں دماغ رکھا ہے

نہیں محبت دنیا کے ہم ظفر پابند
خدا نے اچھا ہمیں بافراغ رکھا ہے

رخ نو خط کی جو تصویران آنکھوں کے آگے ہے
تو اک قرآں مع تفسیران آنکھوں کے آگے ہے

گیا میں سہم ایسا دیکھ کر وہ ناوک مژگاں
کہ ہر تنکا بھی مثل تیران آنکھوں کے آگے ہے

جدھر اب دیکھتا ہوں میں تصور تیرے ابرو کا
ادھر کھینچے ہوئے شمشیران آنکھوں کے آگے ہے

نہیں بنیاد کچھ ہستی کی یاں مردم حباب آسا
بگڑتی بن کے اک تعمیران آنکھوں کے آگے ہے

کریں ہیں دل کو پابند محبت یہ تری آنکھیں
خجل صد حلقہ زنجیران آنکھوں کے آگے ہے

تری آنکھیں بلا سے بد ہیں کیا سحر اور کیا افسوں
کہ ہوتی سب کی کم تاثیران آنکھوں کے آگے ہے

رحم چاہئے اللہ اکبر اتنی بیدردی
تڑپتا دیکھ کر نخچیران آنکھوں کے آگے ے

بچاؤں تیری آنکھوں سے دل اپنا کیونکر اے کافر
نہیں چلتی کوئی تدبیران آنکھوں کے آگے ہے

نہیں ہے اعتبار گلشن ہستی کر رنگ اس کا
ہوا کیا کیا ظفر تغییران آنکھوں کے آگے ہے

ان سے شب خواب میں ہوئی جو ملاقات سی ہے
صبح ہی چشم تصور میں مرے رات سی ہے

سوزش عشق میں آنکھوں سے رواں ہیں آنسو
عین گرمی بھی مرے واسطے برسات سی ہے

زندہ کردینا دل مردہ کا اے عیسیٰ دم
آگے تیرے لب جاں بخش کے اک بات سی ہے

روک سکتا نہیں میں اپنی ذر فشانی اشک
کہ بدولت ترے اے عشق یہ خیرات سی ہے

صید کرنے کو مرے دل کے وہ چشم قاتل
دیکھئے کیا ہو لگائے ہوئے پھر گھات سی ہے

کوئی ہشیار نہیں جو ہیں وہ سرمست و خراب
بزم دنیا عجب اک بزم خرابات سی ہے

جن کو ہر لحظہ و ہر دم ہے الیٰ اللہ رجوع
بات بھی ان کی ظفر ایک مناجات سی ہے

خط و پیام ان کو نامہ پر پہنچائے جائیں گے
پہنچ کر لاکھ ڈھب سے واں خبر پہنچائے جائیں گے

نہ چھوڑا ہے نہ چھوڑیں گے ہم ان کی زلف کا سودا
بلا سے وہ اگر ہم کو ضرر پہنچائے جائیں گے

نکل جائے گی جان ناتواں لب پر تو آئی ہے
جو وہ صدمہ یونہی آٹھوں پہر پہنچائے جائیں گے

جو سر نامہ ہے پاس اپنے کریں گے نذر آنکھوں سے
انہیں ہم تحفہ لخت جگر پہنچائے جائیں گے

گلی تک ان کے ہم پہنچا تو دیں گے حضرت دل کو
دم بے طاقتی ہم سے اگر پہنچائے جائیں گے

کوئی دم زندگانی ہے نسیم صبح کے جھونکے
تری بوائے گل خوبی ادھر پہنچائے جائیں گے

نہیں بجھنے کی دل کی آگ بلکہ اور بھڑکے گی
اگرچہ اشک پانی عمر بھر پہنچائے جائیں گے

جہاں تک پہنچے گا مقدور ان کا وہ کبھی ہم کو
نہیں دینے کا چین ایذا اگر پہنچائے جائیں گے

فغاں سے آہ سے یا نالہ وزاری سے ہم اپنے
مدد بے تابی دل کی ظفر پہنچائے جائیں گے

جائیں گے لاکھ کوس بھی ہم گر پھر آئیں گے
پر جب گئے عدم کو تو کیونکر پھر آئیں گے !

جاتے ہیں اب تو ساتھ ترے اس گلی میں ہم
جیتے رہے تو اے دل مضطر پھر آئیں گے

برگشتگی بخت بھی ہے تو نامہ بر !
رستے ہی میں سے الٹے مقرر پھر آئیں گے

جائیں گے جھگڑے میں اگر تیرے داد خواہ
مایوس لے کے ہاتھ میں محضر پھر آئیں گے

جس کو وہ منہ لگائیں گے ہنگام میکشی
کیا کیا اسے وہ صورت ساغر پھر آئیں گے

ہر جائی پن سے اپنی یہ خورشید رو ہمیں
مانند ماہ شہر میں گھر گھر پھر آئیں گے

گویا خدا کے گھر سے پھرینگے وہ اے صنم
جتنے کہ تیرے کوچے سے جا کر پھر آئیں گے

جھونکے ہمارے سرسر نالہ کے دیکھنا
پھرکی کی طرح کو بکو پھر کر پھر آئیں گے

وصل اس کا آب خضر ظفر ہو کہاں نصیب
پیاسے بہت مثال سکندر پھر آئیں گے

ضبط نالہ ہے ادھر گرمی ادھر پہنچے ہی گی
دل کو دل سے راہ ہے ان کی خبر پہنچے ہی گی

مشعل شمع صبحدم ہو وے گا ٹھنڈا آفتاب
ٹھنڈی ٹھنڈی گرمی آہ سحر پہنچے ہی گی

دور ہے گرچہ نگاہ چشم ظاہر میں سے یار
دور ہیں دل سے مگر میری نظر پہنچے ہی گی

کچھ اگر تاثیر رکھتا ہے مرا مضمون شوق
تجھ سے واں پہلے خبر اے نامہ پہنچے ہی گی

برق تو ہنستی ہے کیا دیکھ اپنے دامن کو بچا
آسماں پر اپنی آہ پرشرر پہنچے ہی گی

بال بھی رکھتا نہیں پر اس گلی میں میری خاک
دیکھنا چڑھ کر ہوا کے دوش پر پہنچے ہی گی

فخر دیں فخر جہاں کی دولت الطاف سے
دولت ہر دو جہاں تم کو ظفر پہنچے ہی گی

تیز اخیال زلف پرخم جیسا تھا ویسا ہی ہے
دل کے پیچ و تاب کا عالم جیسا تھا ویسا ہی ہے

ابر برس کر کھل بھی گئے اور نالے چڑھ کر اترے بھی
لیکن جوش دیدہ پرنم جیسا تھا ویسا ہی ہے

یوں تو بہت دم ساز تھے آخر دیکھا تو دم بازی ہے
پر یہ دم سرد اپنا ہمدم جیسا تھا ویسا ہی ہے

تھا نہ یہ آگے منزل عشرت اور نہ اب ہے راحت گاہ
خانہ دنیا خانہ ماتم جیسا تھا ویسا ہی ہے

کان میں تیرے دیکھ کے حیراں ہوں میں اے خورشید لقا
مہر کے آگے قطرہ شبنم جیسا تھا ویسا ہی ہے

زلف الجھ کر سلجھے ہے برہم سے یونہی بے جرم و خطا
تیر مزاج اے کافر برہم جیسا تھا ویسا ہی ہے

زخم جگر کا حال نہ پوچھو چارہ گریاں کتنے ہی
پھائے بدلے رکھے مرہم جیسا تھا ویسا ہی ہے

کیا کیا تو نے سستی پیمان کی دیکھ اے سست وفا
عہد محبت اپنا محکم جیسا تھا ویسا ہی ہے

غنچے ہزاروں ہوئے شگفتہ دیکھے چمن میں ایک ظفر
دل یہ گرفتہ خاطر و پرغم جیسا تھا ویسا ہی ہے

دھرے ہے زلف شانہ چین زلف یار میں انگلی
وگرنہ کون دیتا ہے وہاں مار میں انگلی

کہا میں نے کہ گل سے بھی زیادہ کوئی نازک ہے
اٹھائی شاخ نے تیری طرف گلزار میں انگلی

جنوں کو شوق چاک جیب اور یاں ناتوانی ہے
کہ ہل سکتی نہیں الجھی جہاں یک تار میں انگلی

سلائی گر نہیں پیکاں تو ہے اس ناوک افگن کا
نہ پھیر اے چارہ گر زخم دل افگار میں انگلی

دکھائے جائیں گے اپنے جو زیر بار حسرت ہم
دبائے کوہکن دانتوں تلے کہسار میں انگلی

بتایا تھا کہیں انگلی سے اس نے شاہ خوباں کو
کٹی ہے شمع کی جو حسن کے بازار میں انگلی

تجھے کس آنکھ سے دیکھا کہ جو نار شعاعی سے
فلک نے کی ہے چشم مہر پر انوار میں انگلی

ہم اس کے بام تک پہنچے ہی تھے دیوار پر چڑھ کر
ٹھہر جائے ذرا گر روزن دیوار میں انگلی

ظفر اس شوخ بدخو کی جو ڈرتے ہیں ذرا خو سے
لگا سکتے نہیں اس کو کبھی ہم پیار میں انگلی

جگر میں یہاں جو میرے سوزش الفت لگی ہونے
خبر دی ان کے دل نے واں انہیں رقت لگی ہونے

ہمارے واسطے ان پہ ادھر شدت لگی ہونے
ادھر اشکوں سے تر یہ چشم پر حسرت لگی ہونے

تصور میں کسی وحشی نگہ کے یہ ہوئی صورت
کہ صورت اپنی دیکھ آئینے میں وحشت لگی ہونے

کسی کی نرگس میگوں نے دی کچھ ایسی بے ہوشی
کہ مجھ کو عین ہشیاری میں اک غفلت لگی ہونے

انہیں مضمون جو لکھا ہم نے بیتابی کی حالت میں
ہمارا خط پڑھا جس نے اسے حیرت لگی ہونے

ہمیں خلوت کدے میں کس طرح سے بار ہو ان کے
کہ اب تو اور ہی لوگوں سے واں خلوت لگی ہونے

بغیر آزار آنکھ لڑنے کے نہ تھی کچھ بات محفل میں
خدا جانے لڑائی ہم سے کس بابت لگی ہونے

ترے دست شفا کے رشک عیسیٰ میں تو قرباں ہوں
کہ میری نبض بے سرعت میں بھی سرعت لگی ہونے

مزا آیا جو تھا کچھ دل کو قاتل زخم کھانے میں
نمک پاشی سے حاصل اور ہی لذت لگی ہونے

یہ کس سرباز کے سر پر نیا ہنگامہ برپا ہے

سر بزم حریفاں یار نے کہیں ہم سے وہ باتیں
کہ سن سن کر ظفر اوروں کو بھی خجلت لگی ہونے

کہیں شتاب ترے سخت جاں کا دم ٹوٹے
کہ تیری تیغ نہ اے شوخ پر ستم ٹوٹے

بلا سے ٹوٹے مرے پاؤں دشت وحشت میں
ولے یہ خار مرے کیوں تہ قدم ٹوٹے

انہیں ہے رشک سے اس زلف پرشکن کی عجب
کہ شاخ سنبل تر کھا کے پیچ و خم ٹوٹے

دل شکستہ کا احوال گر کروں تحریر
لکھوں نہ حرف کبھی بھی تا بہ کہ جھٹ قلم ٹوٹے

بندھی ہے گریہ عاشق نے ابر تر سے شرط
نہ تار آنسوؤں کا دیکھ چشم نم ٹوٹے

الجھ کے زلف سے یوں ٹوٹے موتی کے بالے
کہ تارے رات کو اس طرح ہوں گے کم ٹوٹے

ترے ہے جام میں ساقی طلسم کیفیت
اگر یہ ٹوٹے تو گویا کہ جام جم ٹوٹے

جو شوق بت شکنی ہے تو اپنے نفس کو توڑ
کہ ٹوٹے تجھ سے اگر یہ بڑا صنم ٹوٹے

یہاں کے آنے کی اس یار نے قسم کھائی !
کچھ ایسی بات ظفر ہو کہ یہ قسم ٹوٹے